Title - FASANA-E- MUBTILA AL MAROOF BA MUHSANAAT

Creator - Mohd. Nazeer Ahmad Khan.

Publisher - Dehli Printing works (Delhi).

Date - 1931

Pages - 236

Subjects - Urdu Novel.

ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ

ہم معتقدِ دعوے باطل نہیں ہوتے
سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

فسانۂ مبتلا

المعروف

محصنات

جس میں تعدد ازواج کے خراب نتیجوں کو ایک قصے کے پیرایے میں دکھایا گیا ہے

اور جس کو

مولوی حافظ نذیر احمد خاں صاحب بہادر سابق ڈپٹی کلکٹر و ممبر بورڈ آف ریونیو
ریاست حیدرآباد دکن حال وظیفہ خوار سرکار عالی نظام
مصنفِ مرآۃ العروس و بنات النعش و توبۃ النصوح وغیرہ نے تصنیف کیا

اور بعد نظر ثانی مصنف و تجدید رجسٹری بار دوم
حسب فرمائش شیخ محمد نذیر حسین تاجر کتب دریبہ کلاں دہلی
شمسی پریس دہلی میں بحسن و خوبی چھپی

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ ۱

ہم متعدد دعوے باطل نہیں ہوتے
سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

فسانۂ مبتلا

المعروف بہ

محصنات

جس میں تعدد ازواج کے خراب نتیجوں کو ایک قصے کے پیرایے میں دکھایا گیا ہے

اور جس کو

مولوی حافظ نذیر احمد خان صاحب بہادر سابق ڈپٹی کلکٹر و ممبر بورڈ آف ریونیو

ریاستہ حیدرآباد دکن حال وظیفہ خوار سرکار عالی نظام

مصنفِ مرآۃ العروس و بنات النعش و توبۃ النصوح وغیرہ نے تصنیف کیا

اور بعد نظر ثانیِ مصنف و تجدید رجسٹری بار دوم

حسب فرمایش شیخ محمد نذیر حسین تاجر کتب دریبہ کلاں دہلی

شمسی پریس دہلی میں بحسن و خوبی چھپی

دیباچۃ الکتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ اللہ وہ بھی کیا دن تھے کہ سر ولیم میور ممالک مغربی و شمالی کے لفٹنٹ گورنر تھے اور مسٹر ایم کیمپسن تعلیم
ڈائرکٹر۔ تعلیم کے اعتبار سے یہ دونوں صاحب مسلمانوں کے گویا ہارون الرشید اور منصور تھے۔ اور ہنود کے بکر
اور بھوج۔ انگریزی جتنی پڑھی جائے تھوڑی مگر کتنی ہی کیوں نہ پھیلے ہندوستان کی ملکی زبان تو بن بیٹھنے
رہی۔ قوم من حیث القوم اویر سویر جب کبھی ترقی کرے گی اپنی ہی زبان میں پڑھنے لکھنے سے۔ سر ولیم میور
یہی گر تھا۔ وہ زبانِ اُردو کی پرداخت کے پیرایہ میں ہماری فلاح کی فکر میں تھے۔ انہی کی قدردانی مجھے تصنیف
و تالیف کی باعث ہوئی یہاں تک کہ عورتوں کی تعلیم کا سلسلہ مرتب ہو گیا۔ خانہ داری میں **مرآۃ العروس**
معلومات ضروری میں **بنات النعش** خداپرستی میں **توبۃ النصوح**۔ ان کتابوں نے ایسا رواج پایا
کہ انگریزی۔ بنگالی۔ گجراتی۔ بھاکا۔ مرہٹی۔ پنجابی۔ کشمیری سات زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ اور اس قدر
تک بدفعات چالیس ہزار جلدیں چھپ چکیں۔ اُن ہی دنوں مجھے یہ خیال ہوا تھا کہ مسلمانوں کی معاشرت
میں عورتوں کی جہالت۔ اور نکاح کے بارے میں مردوں کی آزادی دو بہت بڑے نقص ہیں میں نے ایک
نقص کے رفع کرنے میں حتی المقدور کوشش کی ہے تو دوسرے نقص کے رفع میں بھی کچھ کرنا ضرور ہے قصے کا
منصوبہ ذہن میں ٹھیرا چکا تھا کہ سر ولیم میور ولایت چلے گئے۔ اور میں حیدرآباد۔ اب کہ خدمت سے علیحدہ
ہو کر خانہ نشین ہوا۔ فرزند ارجمند اصلح و اسعد مولوی بشیر الدین احمد موقع پا کر متقاضی ہوئے۔ اگر اس کتاب سے
کوئی فائدہ مترتب ہوا اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہو گا تو لوگوں کو مجھ سے بڑھ کر مولوی بشیر الدین احمد کا
شکرگزار ہونا چاہیئے۔ کیونکہ انھوں نے اس کتاب کے لکھنے میں میری اس قدر مدد کی ہے کہ فی الواقع شریک
تصنیف ہوئے اور شریک بھی شریک غالب۔ فقط + دہلی۔ ۲۲۔ اگست ۱۸۸۵ء

نذیر احمد۔ وفقہ اللہ للتزود لغد

تمہید قصہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مبتلا[۱] تھا تو تخلص مگر چونکہ پھبتا ہوا تھا ایسا مشہور ہوا کہ اصلی نام کو دور کے رشتہ دار تک بھی نہیں جانتے تھے اور مبتلا کے نام سے لڑکے شہر کے تمام گلی کوچوں میں جبتک امرد رہا غزلیں اور واسوخت جوان ہوا تو گیت اور ٹھمریاں اور مرے پیچھے بھی مدتوں بعد تک مرثیے اور نوحے گاتے اور پڑھتے پڑے پھرتے تھے۔ ہمارے یہاں کی شاعری میں عشق بازی اور بے تہذیبی کے سوا ہے کیا۔ شریف خاندانوں کے نوجوان لڑکے اکثر اسی مکتب سے خرابی کے لچھن سیکھتے اور اسی اکھاڑے میں بڑے کوتکوں کی مشق بہم پہنچاتے ہیں جس شاعری سے ہم بحث کر رہے ہیں اُس کے تین درجے ہیں سننا۔ سیکھنا۔ کہنا۔ اِن میں سے پہلے دو درجے تو ہمارے طرزِ تعلیم میں داخل ہیں جس کا شمار پڑھے لکھوں میں ہے ممکن نہیں کہ حرف شناسی کے بعد اُس کا پہلا سبق یہ نہ ہو +

[۱] اے داغ بر دل از غمِ خال تو لالہ را | شرمندہ ساختہ آہوے چشمت غزالہ را

جن باتوں کی بھنک کانمیں پڑنا نوجوانوں کے حق میں سمِ قاتل ہے سبقاً سبقاً ...

کرائی جاتی ہیں اور جن خیالات کا ایک بار دل میں گزر جانا دنیا و دین دونوں کی تباہی کا موجب ہو سکتا ہے برسوں کی مشق و تمرین سے خاطر نشین کیئے جاتے ہیں تاکہ طبعی ہو جائیں ناممکن الزوال اور فطری بن جائیں جنکا نکلنا محال۔ بے چارہ مبتلا اس عموم سے مستثنے اس کلیئے سے خارج نہ تھا بلکہ اُس پر تو ایک دوسری خلقی بلا مسلط تھی کہ کمبخت صوت شکل کا اچھا رنگ کا گورا اعضا کا متناسب یعنے شعر کا موضوع لہ واقع ہوا تھا۔ یہ تو عقل میں نہیں آتا کہ تخلص تک نوبت پہنچی ہو اور شعر نہ کہا ہو مگر مخمس قصیدے اور مثنوی اور واسوخت اور غزل اور رباعی کا کیا مذکور ہم تک تو مبتلا کا کوئی مصرع بھی نہیں پہنچا قیاس چاہتا ہے کہ اگر اُس نے شعر گوئی کی ہو گی تو اوائلِ عمر میں کیوں کہ تیئیس برس کی عمر سے تو ہم اُس کو خانہ داری کی ایسی مصیبتوں میں پھنسا ہوا پاتے ہیں کہ ایسی حالت میں فراغِ خاطر اور اجتماعِ حواس جو شرطِ شاعری ہے میسر ہو نہیں سکتا۔ مبتلا کے اوائل عمر کا کلام غالب ہے کہ حسنِ ادا اور شوخی اور نزاکت سے خالی نہو اور اسمیں تو شبہہ ہی نہیں کہ جب وہ مشاعرے میں غزل پڑھتا ہو گا تو میر انشاء اللہ خاں کیطرح واہ واہ اور سبحان اللہ اور مکرر پڑھنے کی فرمائشوں کا تڑاغل ہوتا ہو گا۔ مبتلا کا زمانہ کچھ ایسا متقدم نہیں ہے کچھ نہیں تو دس دس بیس اسکے دیکھنے والے اب بھی شہر میں زندہ اور موجود ہونگے پس اگر ہم جستجو کرتے تو اس کا کلام تھوڑا بہت کسی نہ کسی جگہ سے ملتا پر ملتا مگر ہمنے اس کے قصے کے آگے اس کے کلام کا کچھ خیال نہیں کیا:-

پہلی فصل مبتلا کی ولادت اور طفولیت

اس اعتبار سے مبتلا ایک خوش حال باپ کا بیٹا تھا اور چونکہ کٹھی نو بیٹیوں پر جنمیں سے پانچ زندہ تھیں باپ کے بڑھاپے میں بڑی آرزوؤں اور تمناؤں کے بعد پیدا ہوا اس سے بڑھکر اللہ آمین اور

میر انشاء اللہ خاں عہد شاہ عالم میں تھے ... (حاشیہ)

کس کی ہوگی بیٹے کا ارمان تو شروع ہی سے تھا۔ ہر مرتبہ ملنے جلنے دیکھنے بھالنے والے مولوی
ملاں۔ نجومی۔ رمال۔ حتیٰ کہ دائی جی کے خوش کرنیکو کہدیا کرتے تھے کہ اب کے ضرور بیٹا ہوگا۔ مگر
ایک عمر اسی میں گذر گئی توقع کی نا امیدی کیواسطے امید لگائی ناکامیابی کیلئے۔ مبتلا کی نوبت
میں تو یاس اس درجے کو پہنچ چکی تھی کہ سارے گھر میں کسی کو بیٹے کا شان گمان تک بھی
نہ تھا۔ دم کے پانی۔ تعویذ گنڈے۔ ٹونے ٹوٹکے اور دوا درمن برسوں سے موقوف تھے۔ مبتلا
پیدا ہوا تو سب سے پہلے دائی کو معلوم ہوا کہ بیٹا ہے اُس نے اتنی عقلمندی کی کہ لوگوں پر بیٹے کا
ہونا فوراً ظاہر نہیں ہونے دیا ورنہ زچہ جسکو سکون اور قرار درکار تھا مارے خوشی کے پھولی
نہ سماتی (۱) اور اُلٹے لینے کے دینے پڑ جاتے بارے بتدریج سب کو خبر ہوئی سنتے کے ساتھ جو کھڑا
تھا تو کھڑا اور بیٹھا تھا تو بیٹھا سجدے میں گر پڑا کسیکے منہ سے دعا نکلی کوئی لگا بیساختہ زچہ گیریاں
گانے کسی نے دوڑ کر چٹاچٹ زچہ اور بچہ کی بلائیں لے لیں غرض گھر کیا اسیوقت سارے
محلے میں غل مچگیا اور صبح ہوتے ہوتے تو گلی میں ڈولیوں سے اور گھر میں بیبیوں سے تل دھرنیکو
جگہ نہ تھی۔ ہر چند بیٹے کا ارمان اس بلا کا تھا کہ کیسا ہی بدصورت بیٹا ہوتا چوم چاٹ کر ماتھے
چڑھاتے مگر اس خاندان میں ہمیشہ سے صورتونکی پرچول رہا کرتی تھی گھر میں جو آتا بچے کو
دیکھنا چاہتا یہ لوگ پرچھاویں اور نظر کے ڈر سے اُسکے دکھانے میں مضایقہ کرتے تھے
جب بیبیوں کا بہت تقاضا ہوا اور گرمی پڑنے لگیں تو زچہ کے پاس گھر کی کوئی عورت بیٹھی
تھی اُس نے کہا خدا کیلئے بیبیو ذرا ہوا کا رُخ چھوڑو کہ دم گھٹا جاتا ہے مرد بچے کی صورت کیا
دیکھنا ہے خدا عمر دے پروان چڑھائے الٰہی ماں باپ کا کلیجہ ٹھنڈا رہے ایک بی بی باوجودیکہ
خود بھی ہجوم کرنیوالیوں میں تھیں لوگو بھیڑ کیا لگائی ہے اللہ رکھے پانچ بہنوں کا بھائی ہے
اُنہیں بیبیوں کے فرق سے اپنی بہنوں میں ملتا ہوا ہوگا۔ اتنے میں دائی اندر سے نکلی تو ساری بیبیوں نے

اس کو گھیر لیا کیوں بوا بچہ پورے دنوں کا صحیح سلامت تو ہوا۔ دائی۔ ہاں۔ پورے دن بھی کیسے خوب بھر پور ہاتھ پاؤں بال ناخن سب خاصے توانا ماشاء اللہ بڑے کا پٹڑا اور انکے جتنے بچے ہوئے سب اسی طرح کے خدا کے فضل سے کوکھ بہت صاف ہے بیبیاں۔ کیوں بوا بہنوں میں ملتا ہوا تو ہے دائی۔ بہنوں کو اس سے کیا نسبت لڑکیاں بھی اچھی صورت کی ہیں مگر اس سے پہلے کی دو لڑکیاں کہ ایک دو مہینے کی ہو کر اتر گئی اور دوسری دو سوا دو برس کی بس وہ تو آفتاب ماہتاب تھیں اور یہ تو خدا جیتا رکھے نور کا پتلا ہی۔ بڑی بڑی غلافی آنکھیں اونچی اور ستی ہوئی ناک۔ پتلے ہونٹ۔ چھوٹا سا دہانہ چمکتے ہوئے سیاہ گھونگر والے بال۔ کتابی چہرہ۔ صراحی دار لمبی گردن۔ سانچے میں ڈھلا ہوا بدن۔ میری اتنی عمر ہونے آئی تیرہ برس کی بیاہی آئی تھی تب سے اپنی ساس کے ساتھ یہ کام کرنے لگی خدا جھوٹ نہ بلوائے اتنے بچے میرے ہاتھ سے ہوئے کہ جنکا شمار نہیں مگر ایسا قبول صورت بچہ میں نے تو بڑے بڑے نامی گرامی امیروں کے ہاں بھی جنکے حسن کی آج بڑی دھاک ہی نہیں دیکھا بات یہ ہے کہ اللہ عمر دے اور بھاگوان ہو۔ سب نے کہا آمین۔ مبتلا کے پیدا ہونے کی روداد جو ہمنے اوپر بیان کی اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مبتلا کے ساتھ ماں باپ اور عزیز و اقارب نے کیا کچھ چوچلے نہ کیے ہونگے غرض وہ تمام خاندان اور سارے کنبے میں ایک انوکھی چیز سمجھا جاتا تھا اور حقیقت میں جس جس پہلو سے دیکھیے وہ انوکھی چیز تھا بھی۔ جب سے پیدا ہوا سارے سارے دن ساری ساری رات گود ہی میں رہتا تھا بچھے پر لٹانے کی نوبت نہ آتی تھی اپنے ہی گھر میں۔ ماں نانی۔ خالہ۔ ممانی۔ ایک کم آدھی درجن سگی بہنیں اتنے آدمی لینے والے تھے کہ ایک سے ایک چھینے لیتا تھا باپ کا یہ حال کہ جتنی دیر ممکن تھا گھر میں رہتے اور جتنی دیر گھر میں رہتے خود لیئے رہتے یا پیش نظر رکھتے مبتلا کے پہلے پانچ بلکہ سات آٹھ برس کی زندگی یعنی جبتک وہ محتاج پرورش تھا

ف مقبول کی جگہ بولا جاتا ہے ۱۲

اس قابل ہو کہ مستقلاً اُن حالات کی ایک کتاب لکھی جائے مگر ہمکو تو اس کے دوسرے ہی معاملات سے بحث کرنی ہو اسکی پرورش کے متعلق ہم اتنا ہی لکھنا کافی سمجھتے ہیں کہ اگرچہ خاندان کے لوگ سب کے سب دین کے پابند نہ تھے مگر مبتلا کا باپ بڑا نمازی اور پرہیزگار آدمی تھا مولوی شاہ حجت اللہ صاحب کے وعظ سے اسکو ایسا عشق تھا کہ آندھی جائے مینہہ جائے طبیعت درست ہو نہو جہاں سُنا کہ مولوی صاحب کا وعظ ہے سب سے پہلے موجود گھر کی بڑی بوڑھیاں بھی نماز پڑھتی تھیں با ایں ہمہ جو احتیاطیں مبتلا کی پرورش میں برتی جاتی تھیں اُن سے ایسا مستنبط ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے پندار میں مبتلا کی تندرستی نہ صرف غذا سے اور آب و ہوا سے بلکہ مکان سے برسوں سے مہینوں سے دنوں سے لیل و نہار کے خاص خاص اوقات سے اپنے بیگانے کی نگاہ سے آئے گئے کی چھایا پیر سے لوگوں کی باتوں سے دل کی خیالات سے تنہائی سے تاریکی سے چاندنی سے کسوف و خسوف سے کُتّے سے بلّی سے چھپکلی سے دیو سے بھوت سے جن سے پری سے غرض ہر چیز سے جو واقعی ہے اور ہر چیز سے جو ادّعائی ہے معرض خطر میں ہو۔ ہم تو معاذ اللہ کسی کلمہ گو مسلمان پر کفر اور شرک کا الزام کیوں لگانے لگے مگر بمجبوری اتنی بات کہنی پڑتی ہو کہ مبتلا کے لئے جو تدابیر کیئے جاتے تھے واہمۂ شرک و مظنۂ کفر سے خالی نہ تھے۔ یہ بات کہ جس خدا نے ہمکو پیدا کیا ہے وہی ایک وقت مقرر تک جسکا حال اسی کو معلوم ہو ہماری زندگی اور تندرستی کی حفاظت کرتا ہے اور جسطرح بدون اُس کے فضل و کرم کے ہم دنیا میں آ نہیں سکتے تھے اسیطرح بغیر اُسکی مدد اور حمایت کے ایک لمحہ دنیا میں رہ بھی نہیں سکتے سوتے جاگتے چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے کہیں اور کسی حالت میں ہوں ہم اُسکی پناہ میں ہیں اور اُسکا سایۂ رحمت ہمارے سر پر ہے وہ ہر مرض میں ہمارا طبیب ہے اور ہر مصیبت میں ہمارا معین و مددگار ہر تکلیف میں ہمارا غمگسار۔ بدون اُس کی مرضی کے نہ غذا میں تقویت ہے۔ نہ دوا میں تاثیر بغیر اُس کے حکم کے نہ زہر زہر ہے نہ اکسیر اکسیر غرض یہ بات اُن

لوگوں کے معتقدات میں تو ضرور ہوگی جو مبتلا کو پال رہے تھے مگر اُن کے برتاؤ میں توکل و انابت کی کوئی بات ہمارے دیکھنے میں نہ آئی بلکہ ان کی تدبیریں سُنکر حیرت ہوتی تھی کہ مبتلا کا پلنا اور پرورش پانا کیسا یہ گراں جان ان نادان دوستوں کے ہاتھ سے بچ کیونکر گیا۔ کوئی دُکھ کوئی روگ نہ تھا کہ جسکو یہ لوگ اسبابِ غلط اور ادعائی نظر آسیب وغیرہ کی طرف منسوب کرلتے ہوں اور چونکہ تشخیص میں غلطی ہوتی تھی اسیوجہ سے جو تدبیریں کیجاتی تھیں غلط در غلط مگر مبتلا خلقةً توانا پیدا ہوا تھا ہمیشہ اسکی طبیعت امراض پر غالب آتی رہی بہرکیف مبتلا کسی نہ کسی طرح خدا کے فضل سے پل پلا کر بڑا ہوا۔ یہانتک کہ اَن گنا[1] برس بھی خیریت کے ساتھ گزرا مبتلا کی تعلیم وتربیت سے مستورات کو ظاہر میں تو کچھ سرکار نہ تھا۔ ہرچند وہ مکتب میں نہیں بیٹھا کسی اُستاد سے اُس نے سبق نہیں لیا تاہم ہمارے نزدیک (اور ہمارے نزدیک کیا بلکہ واقع میں) ایک اعتبار سے اسکی تعلیم وتربیت بہت کچھ ہوچکی تھی دنیا میں سارے لوگ پڑھے لکھے نہیں ہوتے اور نہ پڑھنے لکھنے پر زندگی یا معاش کا انحصار ہے اصل چیز ہے عادات کی درستی مزاج کی شائستگی طبیعت کی اصلاح سو جسوقت سے بچہ پیدا ہوتا ہے اُسیوقت سے وہ اخذ کر چلتا ہے[2] اُن لوگونکی خو بو جو اُس کو پالتے۔ اُسکو اُٹھاتے بٹھاتے۔ اُس کو سلاتے اُس کو کھلاتے پلاتے ہیں ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ بچے ایک مضغۂ گوشت کیطرح پڑے ہیں نادان اور لاالعقل یہ نہیں نہیں۔ وہ اپنے سارے حواس سے ظاہری ہوں یا باطنی بڑی کوشش کے ساتھ کام لے رہے ہیں۔ چیزوں کو دیکھتے ٹٹولتے آواز دنکو سنتے اور جو دیکھتے سنتے ہیں اُسکو حافظے میں رکھتے جاتے ہیں اسکی ایک آسان شناخت ہے کہ اگر بڑی عمر میں ہم کوئی دوسری زبان سیکھنی چاہیں تو کسقدر کوشش کرنی ہوتی ہے بعض بعض اوقات سارے سارے دن رٹنا پڑتا ہے

[1] آٹھویں برس کو اَن گنا اور بیٹھا برس کہتے ہیں ۱۲ [2] یعنی لے چلتا ہے اخذ یعنی گرفتن ۱۲

اور ہمکو اپنی مادری زبان سے لکھنا آتا ہے تو لکھنے سے اس زبان کی صرف ونحو سے لغت
سے بھی بڑی مدد ملتی رہتی ہے تب ہم کو کہیں برسوں میں جاکر وہ زبان آتی ہے تاہم ناقص
و ناتمام بچے جن کو ہماری سہولتوں میں سے کوئی سہولت بھی حاصل نہیں کیا کچھ زحمت
اٹھاتے ہونگے کہ ذہین ہوئے تو برس کے اندر ہی اندر ورنہ ڈھائی تین برس کی عمر میں
تو ماشاء اللہ فرفر ذہن تک طوطے کیطرح چرغنے لگتے ہیں۔ کیا اتنی بات سے کہ کسی نے بیا
اور مما۔ اور ابا اور اماں۔ دس بیس بار سکھانیکے طور پر انکے سامنے کہدیا کوئی دعوے
کرسکتا ہے کہ ہم نے انکو بولنا سکھایا زبان کی تعلیم کی نہیں یہ سب بچونکی ذاتی کوشش
ہے۔ پھر یہ خیال کرنا بھی غلط ہے کہ بچوں کی ساری ہمت صرف زبان کو سیکھنے میں مصروف
رہتی ہے ایک زبان کیا بھلا برا۔ آداب قاعدہ نشست برخاست رغبت اور نفرت سود وزیاں
دوست دشمن۔ خویش وبیگانہ۔ محبت اور عداوت حیا اور غیرت غصہ اور لالچ حسد اور رشک وغیرہ
وغیرہ سارے سبق ان کو ایک ساتھ شروع کرا دیے جاتے ہیں۔ پس مبتلا جسکی عمر آٹھ برس کی ہوچکی
تھی پڑھ چکا تھا جو کچھ اس کو پڑھنا تھا اور سیکھ چکا تھا جو کچھ اسکو سیکھنا تھا ماں سے
باپ سے نانی سے خالہ سے بہنوں سے گھر کے نوکروں سے آئے گئے سے۔ عمر کے اعتبار
سے اس کی تعلیم وتربیت کی ایسی مثال تھی کہ جیسے کپڑا مول لیا گیا درزی نے قطع کیا سیا
اور کھڑا کرنیکے بعد اس نے پہنا کر بھی دیکھ لیا صرف بخیہ کردینا باقی ہے اب اگر کپڑا بدرنگ یا گلا ہوا
نکلے یا کہیں سے تنگ ہوجائے تو درزی اسمیں کیا کمال کریگا کپڑا لیتے وقت یا قطع کراتے
وقت یہ باتیں دیکھنے کی تھیں اور نہیں دیکھیں تو جھک مارا اور وہی ہونا تھا ہوا کہ پہنا
اور کھسکا کچے رنگ کا جس میں پہلے ہی دن دھبے نمودار ہونے لگے تنگ کہ پہنتے ہی بغلیں
بدھیاں پڑیں اور سانس اندر کا اندر اور باہر کا باہر رہ جائے اب دیکھنا چاہیے کہ مبتلا پر

زنان خانے کی تعلیم کا کیا اثر مترتب ہوا تھا۔ جوں جوں وہ بڑا ہوتا گیا ضدی۔ چڑچڑا۔ غصیلا۔ مچلا
ہٹیلا۔ زود رنج۔ مغرور۔ خود پسند۔ طماع۔ حریص۔ تنگ چشم۔ بودا۔ ڈرپوک۔ شوخ۔ شریر۔
بے ادب۔ گستاخ۔ کاہل۔ آرام طلب۔ جابر۔ سخت گیر۔ گھر گھسنا۔ زنانہ مزاج بنتا گیا۔
اسکو دنیا و مافیہا[1] کی کچھ خبر تو تھی نہیں کبھی وہ بے رُت کے پھلوں اور بے موسم کے میووں
کیلیے گھنٹوں لوٹتا اور پٹخنیاں کھاتا پہروں اڑیاں رگڑتا اور آخر کو اڑیو نکے بدلے اپنے
چاہنے والوں اور ناز برداروں سے ناک گڑوا لیتا تب بمشکل چپ کرتا وہ جب جی چاہتا
جو چیز چاہتا جتنی چاہتا کھاتا اور اپنی بے اعتدالیوں اور بے احتیاطیوں سے بیمار پڑتا اور
اُلٹا ماں سے لڑتا ایک مرتبہ سنا کہ وہ اس بات پر خوب دیا اور بہت بکھرا کہ ہائے بادل
کیوں گرج رہا ہے ہر چند سارا گھر اس بات کے اہتمام میں لگا رہتا تھا کہ کوئی امر اُس کے
خلاف مزاج نہو مگر اُس کو رولنے اور بگڑنیکے لئے ہر وقت کوئی نہ کوئی بہانہ ایک نہ ایک حیلہ
مل ہی جاتا تھا۔ اس کی ناخوشی کا روکنا حقیقت میں انسان کے اختیار سے خارج اور
آدمی کی قدرت سے باہر تھا کوئی جان نہیں سکتا تھا کہ وہ کس بات پر روٹھ جائیگا اور
روٹھے پیچھے کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ کیوں کر منے گا۔ لاکھ اللہ آمین کیوں نہو کہاں تک
برداشت کتنا تحمل آخر رفتہ رفتہ لوگ اس کے لاڈ پیار میں کمی کرنے لگے سب سے پہلے بڑی
اور بیاہی ہوئی صاحبِ اولاد بہنوں نے بے رُخی ظاہر کی آخر تھیں تو اسی کی بہنیں
جب اس کی شوخی و شرارت سے عاجز آتیں جھڑک دیتیں اور گھرک بیٹھتیں بلکہ ایک
تو ایسی جلے تن تھی کہ یہ اس کے پاس بھانجے کو دق کرنے اور بوٹیاں توڑنے گیا
اور اس نے دور ہی سے ڈانٹا کہ خبردار جو میرے بچے کو چھیڑا ہو گا میں ایسے چھلے
ایک نہیں سمجھتی دیکھ خدا کی قسم میں مار بیٹھونگی ماں کا بھی مبتلا کے ہاتھوں دم ناک

[1] یعنی دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ۱۲۱۲

میں تھا۔ مگر سچ کہا ہے حُبُّکَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ وہ کھسیانی تو ہوتی تھی مگر ادھر جوش آیا اور فوراً ٹھنڈی پڑ گئی تیوری پر بل پڑ چلا تھا کہ کھلکھلا کر ہنس دی مبتلا کی برائیوں کو بُرائی سمجھنا تو درکنار وہ اُس کی طرف سے ساری دنیا کے ساتھ ہر وقت لڑنے کو طیار تھی۔ ایک مرتبہ مبتلا خدا جانے کس بات پر پیچھے سے ماں کی چوٹی گھسیٹے جاتا تھا سب سے بڑی بہن نے (جسکی پہلونٹی کی بیٹی مبتلا سے بھی دو برس بڑی تھی) دیکھ کر کہا سبحان اللہ کیا ماں کا وقر ہے لاڈ پیار بہت دیکھے مگر اتنا نا ہموار اس درجے بے تمیز جب ماں کا یہ ہڑ اکر رکھا ہے تو ہمارا تو سر مونڈ کر بھی بس نہیں کریگا ہائے تو میرا بیٹا ہوتا تجھکو ایسا ٹھیک بناتی کہ یاد ہی تو کرتا۔ باوجودیکہ بیٹی لئے نصیحت کی بات کہی تھی مگر ماں پنجے جھاڑ کر پیچھے لپٹی اور سر ہو گئی۔ ماں کی پردہ داری کیوجہ سے باپ کو مبتلا کی شوخیوں کی پوری پوری خبر نہیں ہونے پاتی تھی پھر بھی جس قدر حال چار و ناچار معلوم تھا اُس سے انہوں نے اتنا تو سمجھ لیا تھا کہ اُسکا اُٹھان اچھا نہیں مبتلا کو چھٹا سال لگا تھا باپ نے اس کو مکتب میں بٹھانا چاہا۔ عورتوں نے عذر کیا کہ آئے دن تو یہ بیمار رہتا ہے مکتب کی قید اُوستاد کی تنبیہ سے اسکا نگوڑا اتنا سا جی رہا سہا اَور بھی اُداس ہو جائیگا ابھی جینے تو دو اور مبتلا کی ماں نے تو کھلم کھلا کہدیا کہ جب تک اصل خیر سے آن گِنا نہ گذر جائے ہیں تو اس کو نہ پڑھاؤنگی لکھاؤں غرض عورتوں کی ہٹ اور ہیکڑی نے مبتلا کے پورے تین برس کھوئے مگر سچی بات یہ ہے کہ مبتلا کا باپ اپنی طرف سے برابر اسکی کوشش میں لگا رہا اس پر بھی جو مبتلا تین برس تک آوارہ ہوتا رہا تو یہ اس کے باپ کا مساہلہ اور ضعف ماں کی نادانی اور حماقت اور خود مبتلا کی بدقسمتی اور کمبختی۔ اتنا تھا کہ جب باپ کو مبتلا کی کوئی بیجا بات معلوم ہوتی تو ڈرانے دھمکاتے تو نہیں مگر نرمی اور دلجوئی کے ساتھ اسکو سمجھا ضرور دیتے کہ بیٹا یہ حرکت نامناسب ہے اور خود اسکے ساتھ ظاہری پیار

اخلاص اتنا نہ رکھتے کہ ماں کی چوٹی کے ساتھ انکی اُڑھی بھی کھسوٹنے لگتا مبتلا کو باپ کا کسی طرح کا خوف تو نہ تھا مگر یوں کہو کہ زیادہ میل جول نہ ہونیکی وجہ سے ایک طور کی جھجک اور رکاوٹ تھی چاہو اس کو لحاظ سے تعبیر کر لو مگر کیا اتنا کرنے سے مبتلا کے باپ نے باپ ہونیکا فرض ادا کیا ہرگز نہیں اُس نے عورتوں کو مبتلا کی شرارتوں کی پردہ داری کرنے دی۔ اُس نے بیٹے کے حالات سے پوری پوری خبر نہ رکھی اُس نے جتنی خبر رکھی اُس کا بھی تدارک جیسا چاہیے تھا نہ کیا اُس نے مستورات ناقصات العقل کی رائے میں آکر جلد سے جلد بیٹے کو پڑھنے کیلئے نہ بٹھایا اور اُس کے اکٹھے تین تین برس ضائع ہونے دیے اتنا غنیمت ہوا کہ مبتلا کو اُس کی ماں نے اپنے وہم کے پیچھے اکیلا دوکیلا گھر سے باہر نہیں نکلنے دیا ورنہ محلے میں دھوبی کنجڑے بھٹیارے قصائی تیلی اس قسم کے لوگ بھی رہتے تھے اگر کہیں مبتلا ان لوگوں کے لڑکوں میں کھیلنے کودنے پاتا تو ساری خوبیاں جا کر ایک ذاتی شرافت باقی تھی وہ بھی گئی گزری ہوتی جبتک میٹھا برس ختم ہو مبتلا کے مزاج کی تلخی اضعافاً مضاعفۃً بڑھ گئی تھی ادھر ابھی سالگرہ کو دو تین مہینے باقی تھے کہ باپ نے بسم اللہ اور مکتب کی چھیڑ چھاڑ شروع کی بارے اس مرتبہ عورتوں نے بھی چنداں مزاحمت نہیں کی اور سالگرہ اور بسم اللہ دونو تقریبیں ایک ساتھ ہو گئیں

دوسری فصل مبتلا کی تعلیمِ مکتبی اور اُس کا اثر

اتنا تو ہوا کہ مبتلا کیلئے دروازے پر مکتب بٹھانا پڑا شروع شروع میں تو میاں جی کے پاس تک جانے اور مکتب میں بیٹھنے کیلئے مبتلا نے خوب خوب قبل مچائے اور غضب بکھرا مگر آخر سودے کی چاٹ اور پیسوں کے لالچ اور ماں کے چمکارنے پچکارنے سے جانے اور بیٹھنے تو لگا بیٹھے بیٹھے پڑھنا چنداں مشکل نہ تھا ذہن اور حافظہ دونو خداداد اس

بلا کے تھے کہ جو دوسرے لڑکے ہفتوں میں کرتے تھے وہ بھی بڑی ریں ریں کے ساتھ
مبتلا گھنٹوں میں کھیلنے کودتے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کرلیتا کہتے ہیں کہ دو دن میں تو
اُس نے الف بے کے حروف مفرد ایسی اچھی طرح پہچان لئے تھے کہ کتاب کو نہیں سے آپ
ڈھونڈ ڈھونڈ کر بتاتا۔ پڑھتا تھا کہ اس کے ساتھ واہ واہ شاباش شروع ہوتی اس نے
دل کی اُمنگ بڑھتی چلی اور سر دا کھلتا گیا۔ مبتلا نہ مطالعہ دیکھتا نہ سبق یاد کرتا نہ آموختہ
پڑھتا مگر ایک ہی دفعہ کے دیکھ لینے سے وہ سب ہم سبقوں میں میر ہی رہتا تھا۔ بدشوقی
اور شوخی اور شرارت کی نسبت جو چاہو سو کہو پڑھنے لکھنے کے متعلق تو میاں جی کو اسکی شکایت
کرنیکا موقع ملا نہیں۔ پہلے سرے کی توجہی اور حد درجے کی بدشوقی پر چھٹے برس میں اسکی فارسی
کی استعداد ایسی ہوگئی تھی کہ مکتب کے لڑکے تو کیا خود میاں جی باوجودیکہ اچھے جید فارسی دان تھے
اور درسی کتابیں بھی انکو خوب مستحضر تھیں اسکو سبق دیتے ہوئے جھجکتے تھے۔ مبتلا کو
مکتب کی تعلیم نے اتنا فائدہ تو پہنچایا کہ اسکو ایک دوسرے ملک کی زبان جسکے بدون اردو کی
تکمیل نہیں ہوسکتی اچھی خاصی آگئی مگر اس تعلیم سے اسکو ایک بہت بڑا نقصان بھی پہنچا
جسکو اندر باہر کسی نے جانا پہچانا نہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ مبتلا کو اپنا حسین ہونا کب سے معلوم
ہوا۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ اس خاندان میں صورت شکل کی بڑی پرچول رہتی تھی اس خاندان کی
عورتوں کے نزدیک تو دنیا بھر کے ہنر سلیقے حسب نسب دولت تندرستی نیک مزاجی صاحب اولاد
ہونا دینداری ساری نعمتیں اور برکتیں ایک طرف اور گورا رنگ اور نقشہ ایک طرف صورت
شکل تو انسان کے اختیار کی بات نہیں خدا جسکو جیسا چاہتا ہے بناتا ہے۔ ایک ہی ماں کے
پیٹ سے دس بچے ہوتے ہیں اور کیا خدا کی قدرت ہے کہ دسوں کی دس شکلیں نہ ایک دوسرے سے
ملتبس ہو کر کوئی پہچان نہ پڑے انسان کے چہرے کی بساط کیا اتنی ہی سی جگہ میں ہزاروں

لاکھوں کروڑوں مختلف نقشے یہ سب اُسکی قدرت کی دلیلیں ہیں آدمی اتنا سمجھے تو اپنے چہرے
مُہرے پر نہ ناز کرے نہ دوسرے پر ہنسے مگر مبتلا کے خاندان کو ایسے خیالات سے کیا واسطہ یہاں
تو چھوٹے بڑے بڈھے جوان بیاہے کوارے سب کو صورت شکل کا ٹپنا تھا۔ آپس ہی میں اسی
صورت شکل کے پیچھے ایک کی ایک سے نہیں بنتی تھی۔ ایک ایک کو چڑاتی ایک ایک کی نقلیں
کرتی۔ اور اگر اتفاق سے کنبے میں کوئی تقریب ہوتی اور یہ لوگ مہمان جاتے یا کہیں شامت
کی ماری کسی نئی دلہن کو دیکھ آتے تو بس مہینوں ان کو صورتوں کا جھگڑا لگا رہتا یہانتک
کہ ان عورتوں کی ایسی عادتیں دیکھ کر لوگ ان سے ملنے میں مضایقہ کرنے لگے تھے
مبتلا کا ایسے خاندان میں پیدا ہونا اور پرورش پانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ جب اُس کو
بات کے سمجھنے کا شعور ہوا تو شاید سب سے پہلی بات جو اُس نے سمجھی یہی ہوگی کہ حسن صورت
اس کو کہتے ہیں اور میں اس کا مصداق ہوں مگر جب تک مبتلا زنان خانے کی نگرانی میں
رہا اُس کی عمر ہی کیا تھی سات آٹھ برس اُس وقت تک وہ اتنا ہی سمجھ سکتا تھا کہ میٹھی چیز
سب کو بھاتی ہے اور چونکہ وہ اپنے ذائقہ میں بھی اُس کی لذت پاتا تھا اُس نے سمجھا تھا
کہ حقیقت میں بھانے کی چیز ہے۔ آگ کو چھوتے ہوئے لوگ ڈرتے ہیں اور اس نے بھی
شاید دو چار بار اس سے جھکا کھایا ہو اس سے اُسکو معلوم تھا کہ آگ سے جل جاتے ہیں غرض
جس چیز کی نسبت لوگونکو کہتے سنا کہ اچھی یا بُری ہے آپ بھی تجربہ کیا تو ثابت ہوا کہ جس جس سے
آرام پہنچے دل کو خوشی ہو اچھی ہے اور جس سے ایذا پہنچے تکلیف ہو بُری۔ حسن کی خوبی کی
نسبت اسکو ایسا یقین کرنیکا کوئی ذریعہ نہ تھا کیونکہ اس کو حسن سے متلذذ ہونیکی اس
وقت تک اہلیت ہی نہ تھی مکتب میں بیٹھنے کے بھی ایک مدت بعد اس میں جوانی کے ولولوں
کی تحریک شروع ہوئی اور جوں جوں یہ تحریک قوت اور اشتداد پکڑتی گئی اس پر پسندیدگی

حسن کی وجہ منکشف ہوتی گئی اسی کا تذکرہ گھر میں تھا اور اسی کا سبق مکتب میں اور اب
لگا اندر سے دل بھی اسی کی گواہی دینے۔ مبتلا نے جو زبان فارسی کے سیکھنے میں غیر
معمولی ترقی کی اسکا بھی سبب یہی تھا کہ اکثر کتابیں نظم جن کو مبتلا کی صورت شکل کا آدمی
بے مزا میرزائی سے پڑھے تو اچھے خاصے ثقہ کو بحر کا مزا ملے مضمون دیکھو تو جھڑا عاشقی جسکے
نام سے نوعمر آدمی کے منہ میں رال بھر آئے۔ مادہ قابل طبیعت مناسب مبتلا کا تو حال یہ
تھا کہ جو شعر عاشقانہ ایک بار بھی اس کی نظر سے گزرا دیکھتے کے ساتھ ہی کالنقش فی الحجر
ہو گیا غرض فیضان مکتب سے حضرت میں ایک صفت اور پیدا ہوئی یعنی عاشق مزاجی۔

تیسری فصل مبتلا کا مدرسے میں تعلیم پانا اور بڑے لڑکوں کی صحبت میں آوارہ ہونا

مبتلا کے باپ کی تو پہلے ہی سے یہ رائے تھی کہ اس کو شروع سے مدرسے میں بٹھایا جائے
مگر عورتوں کو مبتلا کی اتنی مفارقت بھی گوارا نہ ہوئی ناچار پورے چھ برس میاں جی کو نوکر رکھکر
اُس کو گھر ہی پر تعلیم کرایا اب میاں جی کا بھی سرمایہ معلومات ہو چکنے پر آیا اور فارسی کی درسی
متداول کتابیں سب مبتلا کی نظر سے نکل گئیں اور بات صاف تو یہ ہے کہ مبتلا کے
سر میں اب اور ہوا بھری ہوئی تھی اُس کی آنکھیں ڈھونڈتی تھیں یاروں کے
جلسے دوستوں کی صحبتیں اور وہ گھر پر میسر نہ تھیں باپ نے کچھ اور سوچا مبتلا نے
کچھ اور غرض سب کی صلاح سے مبتلا مدرسے میں داخل ہوا۔ گو مبتلا نے چھ برس
مکتب میں تعلیم پائی مگر مکتب کیا تھا برائے نام اس کا جی بہلنے کے لئے چار پانچ ریزگی
لڑکے اور بٹھا لیئے گئے تھے یعنی بچا بچالے چودہ برس کی عمر تک مبتلا بھونرے میں پلا
اور دنیا کی کسی قسم کی ہوا اُس کو نہ لگنے پائی اب جو مدرسے کی عربی جماعت میں داخل

ہوا تو اس نے دیکھا لڑکوں کا جنگل کہ سات سات آٹھ آٹھ برس کی عمر سے لیکر بیس بیس بائیس بائیس پچیس پچیس برس تک کے اچھے خاصے جوان ہر ذات کے ہر پیشے کے چار ساڑھے چار سو لڑکے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اگرچہ انگریزی عربی فارسی سنسکرت ریاضی کی جماعتیں علیحدہ ہیں اور ہر جماعت کا کمرا الگ مگر اوقات درس کے علاوہ سب ایک دوسرے سے بلا امتیاز آزادانہ ملتے بات چیت کرتے اور کھیلتے ہیں مبتلا کو یہ چال دیکھ کر بلا مبالغہ ایسی خوشی ہوئی جیسے کسی جانور کو قفس سے آزاد کر کے باغ میں چھوڑ دیا جائے اب تک وہ یہی جانتا تھا کہ میانجی ہوتے مولوی ہوئے بڈھے ہی ہوتے ہونگے کیونکہ اس نے اپنے میانجی کو دیکھا تھا پلکیں تک سفید یہاں مدرسے میں آکر دیکھا مدرس اکثر جوان کہ اب سے چار چار پانچ پانچ برس پہلے خود طالب العلم تھے امتحان دیا کامیاب ہوئے زمرۂ مدرسین میں داخل کر لیئے گئے اُس کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ بعض مدرس اپنی جماعت کے بعض بعض طالب العلموں سے بھی کم سن ہیں۔ جس جماعت میں مبتلا داخل ہوا چونکہ عربی کی سب سے چھوٹی جماعت تھی اس میں طالب العلموں کی بڑی کثرت تھی رجسٹر میں تو ستر لڑکوں کا نام تھا مگر پچاس پچپن ہمیشہ حاضر رہتے تھے ان میں سے ایک تہائی کے قریب مبتلا سے بہت بڑی عمر کے تھے اس جماعت کو جو مولوی صاحب پڑھاتے تھے جیسے ان کی جماعت سب جماعتوں میں چھوٹی تھی ویسے ہی تمام مدرسوں میں خود بھی سب سے چھوٹے تھے عمر میں قد و قامت میں وقعت و وجاہت میں یعنی قسمت سے مدرس بھی ملے تو یارا ستاد۔ لونڈا اٹھائُنگیلا اور طرح دار مدرسے کے احاطے میں پاؤں کا دھرنا تھا کہ یاروں نے مبتلا کو ہاتھوں ہاتھ لیا بعضے تو ٹکٹکی باندھ باندھ کر ایسی بُری طرح گھورتے تھے کہ گویا آنکھوں کے رستے کھائے جاتے ہیں

پہلے ہی سے لڑکوں میں بہت سی ٹولیاں تھیں اب ایک بڑی بھاری اور نئی ٹولی مبتلا کی قائم ہوئی۔ ایک جماعت بندی تو سرکاری تھی کہ جس قدر لڑکے ہم سبق ہوتے سب کے سب وقت واحد میں ایک اُستاد سے پڑھتے مگر ایک جماعت بندی لڑکوں نے آپس میں ٹھیرا رکھی تھی جسکو ہمنے ٹولی سے تعبیر کیا جس طرح سرکاری جماعت بندی کے اوقات مقرر تھے کہ مثلاً جب ریاضی کا گھنٹہ آیا عربی اور فارسی اور سنسکرت کی جماعتوں سے جو جو ریاضی کا پڑھنے والا تھا ماسٹر صاحب کی خدمت میں آحاضر ہوا اسیطرح ٹولیوں کے اجتماع کے بھی خاص خاص اوقات تھے مدرسے کے وقت سے ذرا پہلے لڑکے سویرے مدرسے میں آپہنچتے یا جب ایک بجے نماز کیلئے ایک گھنٹے کی چھٹی ہوتی یا مدرسہ برخاست ہونیکے بعد ان تین وقتوں میں جو لڑکا جس ٹولی کا تھا اُس میں آملتا اور بعض چھٹیل بھی سڈے پھرتے تھے جو کسی ٹولی میں نہ تھے۔ یہ ٹولیاں ایک مجمع ناجائز تھیں اور ان کی اغراض مشترکہ تمام تر بیہودہ۔ مدرسے کے سارے انتظام اچھے تھے چیزیں وہ پڑھاتے جو دنیا میں بکار آمد ہوں شوق کے مشتعل کرنیکو امتحان کا قاعدہ نہایت عمدہ تھا فرداً فرداً ایک ایک لڑکے کو الگ الگ سبق پڑھانے سے جماعت جماعت کو پڑھانیکا نہایت مفید طریقہ تھا اس سے لڑکوں میں ایک طرح کی منافست[1] پیدا ہوتی تھی کہ ایک پر ایک سبقت لے جانی چاہتا تھا دوسرے ہم سبق ہونے سے ایک ایک کی مدد کر سکتا تھا تیسرے لڑکونکی لیاقت کا موازنہ اور مقابلہ بخوبی ہو سکتا تھا۔ لڑکونکو حاضر باشی کا پابند کرنیکے لئے ترتیب نشست کا ردّ و بدل بھی بہت موثر تھا۔ پڑھائی اس قدر تھی کہ لڑکونکے تمام وقت کو مشغول رکھنے کیلئے بخوبی کافی تھی نوبت بنوبت مختلف مضامین کے پڑھانے سے طبیعت ملول و رکند نہیں ہونے پاتی تھی غرض سبھی انتظام بھلے تھے مگر افسوس لڑکوں کے چال چلن اور اخلاق کی طرف کسی کو مطلق توجہ نہ تھی ہر مدرس اس فکر میں رہتا کہ جس چیز کا پڑھانا اُس سے متعلق ہے

[1] باہم ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنا ۱۲

اُس حیثیت کے امتحان میں لڑکے کے رہے نہ رہیں جبتک کوئی لڑکا اس شرط کو پورا کئیے جاتا ہو اگرچہ چوری
چھپے ناجائز طور پر دوسروں سے مدد لے کر ہی کیوں نہ ہو کسی کو اُسکے کردار سے بحث نہیں چوری کرو
جھوٹ بولو سر بازار جوتی پیزار لڑو گالیاں دو اور گالیاں کھاؤ شرافت کو بٹا لگاؤ بدمعاشوں میں
رہو اور بدمعاش ہو گیڑیاں کھیلو پتنگ لڑاؤ اکھاڑے میں جاکر ڈونڑ پیلو مگدر ہلاؤ گاؤ بجاؤ
غرض جو تمہارا جی چاہے سو کرو مگر جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں اُن میں امتحان اچھا دو تو سکالرشپ
بھی ہو انعام بھی ہے سُرخ روئی بھی ہو۔ آفریں اور تحسین بھی ہو واہ واہ بھی ہو چھٹی بھی ہو
سرٹیفکٹ بھی ہو اور آخر کار نوکری بھی ہو۔ مدرس خوش پرنسپل صاحب راضی۔ مبتلا کی افتاد تو روز
پیدائش سے بگڑی ہوئی تھی زنان خانے میں پرورش پاتا تھا کہ اس کے دلمیں بدی کا
بیج بویا گیا مکتب میں تھا کہ بیج کا درخت ہوا اب مدرسے میں آکر وہ درخت پھولا اور پھلا گھیر
بچھڑا تھا مکتب میں بچھڑے کا بیل ہوا اور مدرسے میں بیل کا سانڈ کسی قسم کی آوارگی نہ تھی جو
اس نے بچی ہو اور کسی طرح کی بیہودگی نہ تھی جو اِسنے نہ کی ہو جسطرح مبتلا مدرسے کے بُرے لڑکوں کی صحبت میں بانکا بنا
چھیلا بنا طرحدار بنا مسخرہ بنا کوچہ گرد بنا ننگ خاندان بنا اور کیا کیا بنا۔ اسی طرح مبتلا تخلص رکھکر شاعر بنا اور فضیحتیں تو
رفتہ رفتہ بھولی بسری ہو گئیں شاعری کی یادگار اس کا منحوس تخلص رہ گیا۔ ہمکو تو اس کے
نام سے اس قدر نفرت ہو گئی ہو کہ اس کے حالات کا دریافت کرنا کیسا سُننے کو بھی جی نہیں
چاہتا مگر خیر مُنہ پر بات آئی رُک نہیں سکتی آٹھ برس یہ کمبخت مدرسے میں رہا آخر کچھ نہ کچھ تو پڑھتا
ہی ہوگا کہ عربی کی دوسری جماعت تک اس نے ترقی کی دس روپیہ مہینا وظیفہ پاتا تھا برس
کے برس انعام بھی ملتے رہتے تھے ایک سال سُنا کہ ایسا اچھا امتحان دیا کہ تمغا ملا یہ کچھ تعجب کی
بات نہیں اور نہ اس سے آوارگی کا الزام دفع ہو سکتا ہو ہمکو اس کی ذکاوت کا حال معلوم
ہے وہ اس بلا کا ذہن تھا کہ مدرسے کی پڑھائی کی اُس کے آگے کچھ حقیقت ہی نہ تھی برس میں

ایک بار تو امتحان ہوتا تھا اکثر انگریزوں کے بڑے دن سے پہلے پس امتحان کے مہینے ڈیڑھ مہینے آگے سے وہ طیاری کر لیتا ہوگا لیکن فرض کیا کہ وہ اچھی طرح پڑھتا ہی ہو تو بدوضع کو پڑھنے سے فائدہ علم سے حاصل اُس سے جاہل بطرح بہتر آن پڑھ کہیں بھلا مدرسے سے پہر سوا پہر رات گئے بلکہ کبھی آدھی کبھی پچھلی رات کو تو اُس کا گھر میں آنیکا معمول شروع سے تھا اور پھر اچھی طرح سورج نہیں نکلا کہ اس کے شیاطین لالس لگے گھر پر آکر کنڈی کھٹکھٹانے دستک دینے اور پکارنے سیٹی بجانے اب نوبت یہانتک پہنچ گئی تھی کہ تین تین چار چار دن تک برابر غائب ماں کو یہ تمام تفصیلی حالات معلوم تھے مگر اب اس کی محبت کا دوسرا رنگ تھا بیٹے سے اس قدر ڈرتی تھی جیسے قصائی سے گائے اس کے دل میں آپسے آپ یہ خوف سما گیا تھا کہ بیٹا ہی ماشاء اللہ جوان ایسا نہو میری بات کا بُرا مانکر کہیں کو نکل جائے یا اپنے تئیں ہلاک کرے تو پھر میں کدھر کی ہوئی اس ڈر کے مارے بے چاری کبھی چوں نہیں کرتی تھی اور مبتلا نے اپنے تئیں اسکے نزدیک ایسا ہوا بنا رکھا تھا کہ جب اسکی صورت دیکھتی ہکا بکا ہو کر رہ جاتی پہلے سے بھی مبتلا کی شرارتوں کی باپ سے پردہ داری کی جاتی تھی اب انہیں شرارتوں کی بدکرداریاں ہو گئی تھیں ادھر شرارتوں میں ترقی ہوئی اُدھر پردہ داری میں زیادہ اہتمام ہونے لگا مگر باپ نے دھوپ میں داڑھی سفید نہیں کی تھی بڈھا اس کی چال ڈھال سے اس کی گفتگو سے اس کی کن انکھیوں سے تاڑ لیتا تھا مگر بی بی کا مغلوب تھا اور خوب جانتا تھا کہ اُسکو بیٹے کے ساتھ بلا کا شغف ہے اور یوں بھی ہر کام میں مساہلت کرنا اس کی ہمیشہ کی عادت تھی انھیں وجوہ سے اس نے مبتلا کی اصلاح کی طرف کبھی پوری توجہ نہ کی اب جوان بیٹے کے کیا مُنہ لگتا ایک کہتا تو دس سنتا آخر اس کے سوا اور کچھ نہ سوجھ پڑی کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس کو پابند کر دیا جائے ۔

چوتھی فصل مبتلا کا بیاہ اور اُس کا معاملہ بی بی کے ساتھ

یہ کب کی بات ہے کہ مبتلا کو مدرسے میں داخل ہوئے چوتھا برس شروع تھا خوش حال باپ کا بیٹا صورت شکل کا اچھا بلکہ حد سے زیادہ اچھا پڑھا لکھا کماؤ دس روپیہ کا مدرسے میں وظیفہ دار اس رُو داد کے لڑکے کو بیٹیوں کی کیا کمی تھی قاعدے کے مطابق مبتلا کی طرف سے بیٹی والوں کے یہاں ابتداءً رقعہ جانا چاہیے تھا مگر مبتلا کی ظاہری حالات دیکھ سن کر لوگ اسقدر ریجھے ہوئے تھے کہ کئی جگہ سے بیٹی والوں نے مُنہ پھوڑ کر رقعہ منگوا بھیجا دستور کی بات ہے کہ خریداروں کی کثرت ہوتی ہے تو بیچنے والے کے مغز چل جاتے ہیں مبتلا کی ماں بہنوں کا یہ حال تھا کہ کہیں کی بات اُنکے خاطر تلے آتی ہی نہ تھی ورنہ کیا مبتلا جیسا اللہ آمین کا بیٹا سترہ اٹھارہ برس کی عمر تک کوارا بیٹھتا ابتک تو اسکے ایک چھوڑ کبھی کے چار چار بیاہ ہوگئے ہوتے اس گھر کی خوشحالی اتنی ہی تھی کہ قلعے کی تنخواہیں آسامیاں مکانات کا کرایہ ملا کر کل سوسوا روپے کی آمدنی تھی اور اس میں اتنا بڑا کنبہ مگر وہ تو مبتلا کا باپ ایسا منتظم اور کفایت شعار آدمی تھا کہ اس نے اپنے سلیقہ سے گھر کا بھرم بنا رکھا تھا اس حالت پر جہاں کہیں سے پیام آیا چھوٹتے کے ساتھ ایک دم سے چاندی کا بھی نہیں سونے کے پلنگ کی فرمایش ایسے اصرار کے ساتھ ہوتی تھی گویا کہ نکاح کی شرطِ اعظم ہے اور پھر معاملے کی بات ہے جیسا لینا ویسا دینا ہیکڑی تو یہ تھی کہ لیں تو سُنہرا پلنگ اور دینے کے نام پٹاری کے خرچ کیلئے اُدھی نہیں کیونکہ ہمارے خاندان کا دستور نہیں فہر شرع محمدی سو روپے کا چڑھاوا سو روپے کا جھومر صورت شکل اپنی اپنی جگہ سبھی تلاش کرتے ہیں اور سمجھنے اور غور کرنیوالے کو تو یہ بات ہے کہ باوجودیکہ ہر شخص خوبصورتی کا خواہاں ہے مگر بُری بھلی کالی گوری یہاں تک کہ کانڑی گھدری اللہ کی بندیاں سبھی کھپی چلی جاتی ہیں ہمنے تو اتنی عمر ہوئے

آئی کسیکو صورت کی وجہ سے کواری بیٹھے نہ دیکھا تاہم چونکہ مبتلا ایک خوبصورت خاندان کا آدمی
اور خود بھی بڑا خوبصورت تھا اگر اُس کیلیے خوبصورت بی بی تلاش کی جاتی تھی تو کچھ بیجا بات نہ
تھی مگر تلاش کرنیکے بھی طریقے ہوتے ہیں کہ عورتیں چوری چھپے حیلے بہانے کسی نہ کسی طرح لڑکی کو یا
تو خود کسیوقت دیکھ آتی ہیں یا اپنے دیکھنے کا موقع نہیں بنتا تو کسیکو بھیجکر دکھلو لیا کرتی ہیں
یہاں تو یہ ضد کہ ہم تو اپنی آنکھ سے دیکھ بھالکر کرینگے اور اپنے ہاتھوں سے لڑکی کے مُنہ میں مصری
کی ڈلی دینگے کیسی کیسی جگہ سے پیام آئے کہاں کہاں رقعہ گیا مگر کہیں لین دین پر تکرار ہوئی کہیں
صورت پسند نہ آئی کہیں دیکھنے بھالنے کی شرط نامنظور ہوئی غرض کوئی بات ٹھیری ٹھرائی نہیں
پچاسوں پیام مسترد اور بیسیوں جگہ سے رقعہ واپس۔ رشتے ناتے کی بات چیت ہوکر چھٹم چھٹا
ہو جانا یا رقعہ جاکر واپس آنا کچھ آسان نہیں ہے بیٹی والے اسمیں اپنی ہتک سمجھتے ہیں اور انکو یہ خیال
ہوتا ہے کہ ایک جگہ کا رقعہ واپس جائیگا تو دوسرے انکو خدا جانے کیا کیا خیالات پیدا ہونگے اکثر ایسے
موقع پر دلوں میں رنجش آجاتی ہے خیر ایک دو جگہ مجبوری ایسا اتفاق ہو تو مضایقہ نہیں نہ کہ مبتلا کا
رقعہ آج بھیجا اور آدیدا کر دس دن بعد ضرور اُلٹا منگوا لیا۔ جب متواتر واپسی رقعے کی نوبت پہنچی
تو سارے شہر میں ایک غل سا پڑ گیا اور جہاں جہاں سے رقعہ واپس منگوایا گیا انکے ساتھ بیٹھے
بٹھائے ایک طرح کی عداوت قائم ہوئی یہانتک نوبت پہنچی کہ جس مشاطہ سے کہتے کانوں پر ہاتھ
دھرتی جہاں رقعہ بھیجتے وہ لوگ لانے والیکے اندر آنے تک کے روادار نہوتے پس اس خاندان
کے نازبیجا نے مبتلا کو ایسا نکو بنا دیا کہ اب کوئی اس کی بات کی ہامی نہیں بھرتا تھا رقعے
کا بے ردّ و کد واپس آنا تو ممکن ہی نہیں ایک گھر کا تو ہمکو حال معلوم ہے کہ وہاں پہلے مشاطہ
کی معرفت زبانی بات چیت ہوئی وہ لوگ ان کے کنبہ دار بلکہ کچھ دور کے رشتہ دار بھی تھے
مہینوں سوال و جواب ہوتے رہے اکثر باتیں طے ہوکر بعض کی نسبت کچھ تکرار درپیش تھی کہ یکایک

ان کی طرف سے رقعہ جا موجود ہوا بیٹی والے خوش ہوئے کہ گفت وشنود کے بعد جو رقعہ آیا تو بس اسکے
یہی معنی ہیں کہ منظور کر لیا چنانچہ یہی سمجھ کر رقعہ تو رکھ لیا اور جواب میں بانی اتنا ہی کہلا بھیجا
کہ ہمکو بسر وچشم منظور ہے خدا انجام اچھا کرے انشاءاللہ دو چار دن میں صلاح کر کے کوئی اچھی
سی تاریخ ٹھیرا کر کہلا بھیجینگے سمدھنیں آکر لڑکی کا منہ میٹھا کر جائیں پھر اللہ خیر کرے جب اُن کی
مرضی ہوگی بیاہ برات ہو رہیگا ہم تو اس وقت چاہیں تو اس وقت طیار رہیں ہمارے یہاں کچھ دیر
نہیں ۔ جو عورت یہ پیام لیکر گئی تھی مبتلا والوں نے اسی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ پہلے ہماری
شرطونکے مطابق تحریری اقرارنامہ بھیجدیں تب تاریخ ٹھیرائی جائے تاریخ کا ٹھیرانا ایسا کیا آسان
ہے ۔ یہ سنکر سب کو سخت تعجب ہوا اور اپنا سا منہ لیکر رہ گئے آخر مبتلا والونکی طرف سے واپسی رقعے
کا تقاضا ہوا دنمیں دو دو بار رقعے کیلئے آدمی جاتا اور ایسی سخت سخت باتیں کہتا کہ گویا رقعہ کیا
ہے مہاجن کا قرضہ ہے خیر ہار کر رقعہ واپس تو کیا مگر اس طرح کہ مارے غصے کے نکالکر موہری
پر پھینکدیا کہ کمخواب کی تھیلی جس میں رقعہ دستور کے مطابق لپٹ کر آیا تھا تمام کیچڑ میں لت پت
ہوگئی اور کہا کہ جاؤ اس کو شہد لگا کر چاٹو اور دیکھو خبردار لڑکے کی اماں سے ضرور ضرور کہدینا کہ تمنے
کتنے دار ہی میں دو مہینے بات لگی رکھ کر آپ ہی رقعہ بھیجا اور پھر آپ ہی ان ہونی باتوں
پر اصرار کر کے واپس منگوایا یہ کچھ بھلمنساہت کی بات نہیں ہے ہمنے مانا کہ اُنکا بیٹا اُن کیلئے
چوہے کو ہلدی کی گرہ اللہ آمین کا ہے مگر دوسروں نے بیٹیاں کوڑے پر تھوڑی ہی نہیں پائیں
ایسی شرطوں سے جو نہ سنیں نہ دیکھیں اُنکو شہر میں توانشاءاللہ بیٹی ملنے کی نہیں ۔ سونے کا
پلنگ اُن کو مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی اس سے پہلے تین بیٹیاں بیاہ چکے ہیں اور ابھی اللہ
رکھے آگے دو اور موجود ہیں بیٹیونکو تو ڈھنگ کے نواڑی پلنگ بھی نہ جُڑے بیٹے میں ایسا کیا
سُرخاب کا پر لگا ہے کہ بدون سونے کے پلنگ کے اُسکو نیند نہیں آتی اے وہ نگوڑا ہیجڑا ازنجا جسکو

سارا شہر تھڑی تھڑی کر رہا ہی۔ خدا نہ کرے جو کوئی بھلا مانس اُس کو بیٹی دے منہ پر ہاتھ
پھیر کر دیکھیں ناک رہی یا کٹ گئی ہمارے نزدیک دنیا جہان کے نزدیک تو جڑ بنیاد سے کٹ گئی
جس گھر سے رقعے کی واپسی کا مذکور ہی اس گھر کی عورتیں ایسی ملنسار تھیں کہ سارے شہر میں
ان کا حصہ بخرا چلتا تھا کہیں شادی بیاہ ہو کوئی دوسری تقریب ہو انکے یہاں ضرور بلاوا آتا
اور یہ بھی اپنے یہاں کی چھوٹی بڑی تقریبات میں سبھی کو بلاتے سبھی کو یکساں پوچھتے تھے
ان عورتوں نے ضد میں آکر مبتلا کا اچھی طرح خاکہ اڑایا اور سارے شہر میں خوب ڈھنڈورا پیٹا اور رسوا
کیا غرض اس گھر کے بگاڑنے رہی سہی آور بھی آس توڑ دی اب شہر میں مبتلا کی نسبت ناطے کا ہونا
محال تھا بہت قریب کے رشتہ دار و نمیں جسقدر بیٹیاں تھیں مبتلا تھے تو بڑے لاڈلے دودھ پی
پی کر ان سب کو رضاعی بہنیں بنا چکے تھے۔ مبتلا کے نزدیک دور کے رشتہ دار و نمیں وہی مثل
تھی۔ ازیں سو رانده وزاں سو درمانده۔ اب صرف ایک گھر رہگیا کہ ہو تو وہیں ہو ورنہ مبتلا ساری
عمر کوارا پڑا اچھے۔ مبتلا کی پھوپھی دلّی سے دس بارہ کوس سید نگر میں بیاہی ہوئی تھیں وہ لوگ
زمیندار تھے مگر زمینداروں میں سربر آوردہ بڑے بڑے سالم چھ گاؤں کے مالک انکے بزرگ
تو مہمانداری اور مسافر نوازی اور داد و دہش میں دور دور مشہور تھے مگر اب کثرت پٹی داری
کے سبب ویسی آمدنی تھی نہ وہ دل قربِ شہر کی وجہ سے رعایا شوخ حصہ دار و نمیں طرح طرح کی
تکراریں غرض ہمیشہ انھیں کے دو چار آدمی مقدمونکی پیروی کیلئے شہر میں موجود رہتے تھے
جسطرح دائم المرض اپنی دوا کرتے کرتے حکیم ہو جاتا ہی اسیطرح یہ لوگ مقدمے لڑتے لڑتے ایسے
قانون دان ہو گئے تھے کہ بیرسٹرونکو مات کرتے وکیلونکی کچھ حقیقت نہ سمجھتے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر
لڑائیاں مول لیتے اور تلاش کر کرکے جھگڑے خریدتے قرب جوار میں یہ لوگ ایسے لڑاکو اور
جھگڑالو مشہور تھے کہ لوگ ان سے رشتہ ناطہ کرتے ڈرتے تھے رقعے کا پہنچنا تو بہت بڑی

بات تھی اگر ان کے یہاں چھوٹوں بھی تذکرہ ہوتا اور یہ چاہتے تو سچوں سر ہو جاتے اور
کچھ ایسے قانونی اڑنگے لگاتے کہ کسی کی ایک نہ چلتی مگر مبتلا کو کوئی دوسرا گھر نہ تھا خدا نے
ایسا ان کے غرور کو ڈھایا کہ کس کا پلنگ اور کہاں کا دیکھنا بھالنا مبتلا کی ماں گئیں اور منگنی ٹھیرا
کان دبا کر چپکی چلی آئیں اور اگر ذرا بھی چین چپڑ کرتیں تو فوجداری کے استغاثوں اور دیوانی
کی نالشوں کے مارے ہوش بگڑ جاتے اب مبتلا کی منگنی کو منگنی نہ سمجھو بلکہ بیچ ڈالنا یا غلام
بنا دینا یا عمر قید۔ سمدھیانے تو برابر ہی کے اچھے ہوتے ہیں خیر اٹھارہ بیس تک کے فرق کا بھی مضائقہ
نہیں مگر یہاں تو سید نگر والوں کی اس قدر ہیبت چھا رہی تھی کہ جیسے کسی بڑے جابر کو تو اول
کی۔ اُدھر سے حکم ہوتے تھے اِدھر سے تعمیل اُدھر سے فرمائش اِدھر سے بجا آوری اُدھر
سے ناز اِدھر سے نیاز۔ بعد چندے انہوں نے کہلا بھیجا کہ اگلے مہینے کی دسویں کو اس طرح ساز
و سامان کے ساتھ بارات یہاں پہنچے ویسا ہی ہوا بتیس ہزار روپیہ مہر ماننا ہوگا۔ اور ان بیا
ہزار روپیہ جوڑے چڑھاوے کا نقد دینا ہوگا اور دیا پچیس روپے مہینہ بیاری کا خرچ
لکھوانا چاہا اور لکھوا لیا مگر بات یہ ہے کہ سید نگر والوں نے بیٹی کو دیا بھی تو اتنا کہ سونے کا
پلنگ تو نہ تھا شاید ان کے یہاں کا دستور نہ ہوگا مگر گلے اور کانوں کا اور سر کا سارے کا
سارا زیور دوہرا ملا جڑاؤ الگ شادی بیاہ میں پہننے کا اور سادہ الگ ہر روز کے استعمال کا
غرض سید نگر والوں نے بیٹی کا بیاہ اپنے نام کے مطابق کیا دلّی میں اتنا جہیز ملنا مشکل تھا
لوگ باہر کی سوجھا اور مال و اسباب کی فہرست دیکھ کر پانچ ساڑھے پانچ ہزار کا جہیز آنکتے تھے
اوپر کا خرچ الگ سو گھر کا دھڑلوں گھی اور منوں غلہ زمینداروں کے یہاں اسکا حساب
کیا۔ انیسویں برس مبتلا کا بیاہ ہوا جہیز کے اعتبار سے تو دلہن بہت اچھی پائی ذات جماعت
کچھ پوچھنی نہ تھی سگی پھوپھی کی بیٹی رہی صورت کوئی خاص چیز تو حسن ان کو ہی نہ تھی بلکہ الگ الگ

دیکھو تو رنگ بھی گورا ہلیں تو کھلتا ہوا چنپئی۔ آنکھ۔ ناک۔ دہانہ۔ ماتھا۔ مانگ کسی میں کوئی خاص عیب نہ تھا ہاں چہرے کی مجموعی بناوٹ میں خدا جانے کیا بات تھی نزاکت اور جسم میں جامہ زیبی نہ تھی ہزار بیبیوں میں بیٹھی ہو تو صاف پہچان پڑتی کہ باہر کی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ مبتلا کے پہلو میں رہی سہی اور بھی بے رونق معلوم ہوتی تھی جن دنوں مبتلا کا بیاہ ہوا وہ اپنے آپے میں نہ تھا نشۂ شباب میں سرشار اور بدمست سیر تماشوں میں منہمک۔ وہ اپنے بیاہ برات کی خبر سنکر خوش ہوتا تھا مگر صرف اسلیئے کہ ناچ دیکھنے میں آئینگے شادی کی تیاریاں دیکھ کر مسرت ظاہر کرتا تھا مگر فقط اس غرض سے کہ گانا سنینگے وہ اگر سمجھ کو کام میں لاتا تو اسکی سمجھ رسا تھی اور جان سکتا تھا کہ بیاہ کیا چیز ہے اور بیاہ سے کس طرح کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں مگر وہ دنیا کے کام میں مطلق غور کرتا ہی نہ تھا اُس نے ایک لمحے کیلیئے بھی بیاہ کے انجام کو نہ سوچا اُس نے نکاح کے وقت قبلتُ کہا گویا کہ کھیل ہوا اقرار نامہ پر دستخط کیئے یعنی ہنسی ہنسی اُس کو بی بی کی طرف ملتفت ہونا چاہیئے تھا اور ملتفت ہونیکی اُس کی عمر بھی تھی مگر اُسکی آنکھیں ڈھونڈھتی تھیں ناز و کرشمہ غمزہ و ادا مٹک چٹک وہ شریف زادیوں میں کہاں اور خصوصاً دیہات کی شریف زادیوں میں پس اُس نے بی بی کو دیکھا ناپسندیدگی سے استکراہ سے اور ناخوشی سے اور بی بی کے ساتھ اُس کی لشتم پشتم گزر تی گئی اور آپس میں ویسی محبت و موانست پیدا نہ ہوئی جیسی نئے بیاہے ہوئے دولھا دلھن میں ہونی چاہیئے اور عموماً نہیں تو اکثر ہوا بھی کرتی ہے علاوہ اس کے مبتلا کو ابھی اپنی ہی پرداخت سے فرصت نہ تھی سو دلھنو نکی ایک دلھن تو وہ آپ تھا بناؤ سنگھار میں ہمہ تن مصروف زیب و زینت میں ہر لمحہ مشغول وہ خود اپنی حسنِ صورت پر اس قدر فریفتہ تھا کہ آئینہ دیکھنے سے کبھی اُس کو سیری ہی نہیں ہوتی تھی اسکو یہانتک خبط نے گھیر رکھا تھا کہ راستہ چلتا تو مڑ مڑ کر اپنے سایے کو دیکھتا جاتا :-

پانچویں فصل مبتلا کی مصیبتوں کا آغاز اور اس کی بدکرداریاں

بیاہ تک مبتلا کی زندگی نہایت ہی بےفکری سے گزری اُس نے چودہ برس کی عمر تک گھر میں ایسے عیش و آرام کے ساتھ پرورش پائی کہ کمتر کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ مدتیں اس کے یار دوستوں نے ماں باپ سے بڑھکر اس کی نازبرداریاں کیں مگر اب اُس کے عیش کی مدت آرام کی مہلت پوری ہو چکی تھی اور یہی حال ہر دنیا کی تمام حالتوں کا کہ راحت ہے تو ایک وقت خاص تک اور مصیبت ہے تو وہ بھی ایک میعادِ مقرر تک نہ اُس کو ثبات اور نہ اِس کو قیام دونوں عارضی اور یہ چند روزہ جن کو خدا نے عقلِ سلیم دی ہے وہ ہر حالت کو اسی طور پر انگیز کرتے ہیں کہ اِس کے زائل ہونے پر ان کو ملال نہ ہو تاسف نہ کرنا پڑے اتنا نہیں کھاتے کہ تخمہ ہو ایسے دوڑ کر نہیں چلتے کہ ٹھوکر لگے عادتوں کو طبیعت نہیں ہونے دیتے اور امور اتفاقی کو ضروری نہیں سمجھ لیتے۔ لیاقت یا ہنر یا صفت یا جوہر یا خوبی یا مایۂ امتیاز یا سرمایۂ فخر و ناز یا ذریعۂ تعریف یا وسیلۂ تفریح جو کچھ سمجھو مبتلا کے پاس ایک حسن صوت تھا اور بس۔ یہی ایک چیز تھی جسکی وجہ سے وہ ہر دلعزیز تھا یہی عمل تھا یہی تسخیر تھی یہی کیمیا اور یہی اکسیر تھی مسیں تو اس کی سترھویں برس بھیگنے لگیں تھیں اٹھارہویں میں تو اس کی اچھی خاصی داڑھی نکل آئی۔ شعر

گیا حسن خوبانِ دل خواہ کا	ہمیشہ رہے نام اللہ کا

اور داڑھی بھی نکلی تو اس کثرت سے کہ ماتھا اور ناک اور آنکھوں کی جگہ چھوڑ کر کہیں تل دھرنے کو جگہ باقی نہ رہی جب داڑھی نکلنے کو ہوئی اگر مبتلا اُس کو اُس کے طور پر نکلنے دیتا تو برس سوا برس وہ اور بھی حسینوں کے زمرے میں گنا جاتا اور سبزۂ خط اس کی گوری رنگت پر خوب کھلتا مگر اس نے غلطی یہ کی کہ روئیں نمودار ہوتے ہی اُسترا پھروا دیا اُسترے

کا پھروانا تھا کہ پھدا پھدا کر ایک کی جگہ دس دس اور روؤں کی جگہ کالے کرخت بال نکل پڑے اور چہرے کی جلد پر جو ماء الشباب کا ایک قدرتی روغن تھا وہ بھی گیا گذرا ہوا اب وہ کھال رہ گئی اور اس پر ہزارہا بال۔ یہ پہلی مصیبت تھی جو مبتلا پر نازل ہوئی اور اس نے اس پہلی کیفیت کے اس قدر جلد زائل ہو جانے کا سخت رنج کیا اور جب اس کے ان دنوں کے خیالات پر نظر کی جاتی ہے تو اس کا رنج حق بجانب بھی تھا۔ رفتہ رفتہ زوالِ حسن کا اثر اس کی حالت پر مترتب ہونے لگا جو لوگ اس کی ملاقات کے مشتاق رہتے تھے نفرت اور جو درپے تھے گریز کرنے لگے ع یار اغیار ہو گئے اللہ + کیا زمانے کا انقلاب ہوا + گرم صحبتوں کی جگہ صاحب سلامت رہ گئی وہ بھی دور کی اختلاط کے عوض راہ گزر کی مٹ بھیڑ وہ بھی اتفاقی اس کی طرز زیست نے ادعائی ضرورتوں کو اور ادعائی ضرورتوں نے خرچ کو اتنا بڑھا دیا تھا کہ مدرسے کا وظیفہ اور اس کا چہار چند آور اس کو بمشکل وفا کرتا اب ادھر تو اس کے اعوان و انصار دست کش ہوئے ادھر جو گھر سے مدد ملتی تھی اس میں بی بی نے حصہ بٹوانا شروع کیا ضرورتیں اگر جائز اور واجبی ہوتیں گھر سے مدد ملتی مگر حاجتیں ناجائز اغراض بیہودہ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل جی للچاتا اور ناچار ضبط کرتا طبیعت بھر بھراتی اور مجبوری پتے کو مارتا۔ انگریزی کی کہاوت ہے کہ مصیبتیں ایک ایک کر کے نہیں آتیں یعنی جب آنے کو ہوتی ہیں تو بس ایک تار بندھ جاتا ہے۔ مبتلا کے بیاہ کے بعد سے تو گویا اس کہاوت کے سچا کرنے کو ہوتیں کچھ ایسی تابڑ توڑ ہوئیں کہ پانچ برس کے اندر ہی اندر جتنے بزرگ تھے کیا مرد کیا عورت ایک کے بعد ایک سبھی تو رخصت ہوئے بہنیں بیاہی جا کر اپنے اپنے گھروں میں آباد تھیں بس اب تن تنہا مبتلا رہ گیا اور ایک بی بی کہ وہ بھی اس کی بے التفاتی کی وجہ سے پہلے تو اکثر میکے میں رہتی تھی چوتھے پانچویں مہینے مہمان داخل سسرال آگئی تو آگئی اب کوئی برس دن

ہوا تھا کہ ماں اور باپ دونوں کے مرجانے سے بھائیوں نے ترکے سے محروم کرنیکے لیئے بلانا چلانا مطلقاً موقوف کردیا تھا اور مجبوری نہایت کس مپرسی کی حالت میں مبتلا کے یہاں ڈھئی ڈیلے پڑی تھی مبتلا پر مصیبتوں کا ایسا پہاڑ ٹوٹا تھا کہ اگر وہ ذرا بھی عقلِ سلیم رکھتا ہوتا تو ساری عمر اس تازیانے کو نہ بھولتا۔ مگر اُس کے دل پر تو مہر لگی ہوئی تھی اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا کیسی عبرت اور کس کا ڈر نا مطلق العنان ہوتے ہی لگا ڈلکی دوڑنے پو یہ بھاگنے یہانتک کہ جن حرکتوں کو پہلے چرا تا چھپاتا اب کھلے خزانے انکے کرنے میں ذرا بھی نہ شرماتا باپ کے مرتے ہی میدان خالی پاکر تعزیت کے حیلے اور غمگساری کے بہانے سے دوست آشناؤں نے پھر اُسکو آن گھیرا اور وہی اپنی قدیم ٹٹی اُسکو پڑھا چلے چہلم بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ جلسے شروع ہو گئے

چھٹی فصل مبتلا کے چچا کا حج سے واپس آنا

مبتلا کے حقیقی چچا میر متقی ایک مدت سے نواب رامپور کی سرکار میں نوکر تھے اور وہیں ایک شریف خاندان میں انہوں نے اپنا نکاح بھی کرلیا تھا مبتلا اُن دنوں مکتب میں پڑھتا تھا کہ میر متقی دلی ہو کر بھائی سے ملتے ہوئے حج کو گئے ارادہ تو صرف حرمین شریفین کی زیارت کا کرکے گئے تھے مگر وہاں پہنچکر یہ خیال ہوا کہ سالہا سال کے ارادے میں تو اب بمشکل گھر سے نکلنا ہوا کیا معلوم کہ اب زندگی میں پھر یہاں آنا نصیب ہو یا نہ ہو لاؤ لگتے ہاتھوں جہانتک ہو سکے زیارتیں تو کرلو۔ پورے تین برس تو زیارتوں میں لگے پھر تین برس تک متواتر ایسا اتفاق پیش آ گیا کہ جب واپسی کا ارادہ کرتے تھے بیمار ہو ہو جاتے تھے غرض ساتویں برس لوٹے تو بمبئی میں پہنچکر اُنہوں نے ارادہ کرلیا تھا کہ بھوپال میں اُستاد سے احمد آباد میں پیر سے اور دہلی میں بھائی سے ملتا ہوا رامپور جاؤں گا۔ دہلی میں داخل ہوئے تو تھوڑی

رات گئی تھی سیدھے بھائی کے دروازے پر آکھڑے ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ پھاٹک
بند اور طبلے کی تھاپ کی آواز اندر سے چلی آرہی ہے سمجھے کہ ناچ ہو رہا ہے۔ تھوڑی
دیر میں بڑے زور کے قہقہے سنائی دیئے معلوم ہوا کہ بھانڈ نقلیں کر رہے ہیں میر متقی کو پہلے
ذرا سا دھوکا ہوا کہ میں نے گھر کی شناخت میں تو غلطی نہیں کی گلی کے نکڑ تک لوٹ کر
گئے ادھر دیکھا ادھر نگاہ کی بے شک سات برس کے عرصے میں تھوڑے بہت تغیرات بھی ہوئے
تھے مگر نہ اس قدر کہ آدمی جہاں پیدا ہوا پرورش پائی بڑا ہوا رہا سہا اس گھر کو نہ پہچانے پھر
خیال ہوا کہ شاید بھائی نے اس گھر کو چھوڑ دیا ہو اسی سوچ میں کھڑے تھے کہ ایک شخص
گلی کی طرف لپکا ہوا چلا آرہا تھا جب ان کے برابر آیا انہوں نے اس سے پوچھا کیوں صاحب یہ کونسی گلی
ہے وہ یہ کہتا ہوا اپنی دھن میں چلا گیا کہ اس کو سادات کا کوچہ کہتے ہیں۔ اب ان کو اسکا تو
یقینِ کامل ہو گیا کہ گھر کے پہچاننے میں مجھ سے غلطی نہیں ہوئی اب اتنی بات اور رہگئی کہ
بھائی اُس گھر میں ہیں یا نہیں اِس شخص کی جلدی نے انکو اِس کے پوچھنے کی مہلت نہ دی
اتنے میں دیکھا کہ ایک بوڑھے سے آدمی بغل میں بچھونا دبائے لکڑی ٹیکتے ہوئے اندر گلی
سے آہستہ آہستہ چلے آرہے ہیں ان سے تھوڑی دور پیچھے ایک جوان سا آدمی ہے اور وہ ذرا تیز چل
رہا ہے یہاں تک کہ جب بڑے میاں کے برابر آیا تو کہنے لگا کہ اے حضرت خیر ہے یہ اس وقت آپ بچھونا
لیئے ہوئے کہاں جارہے ہیں لایئے بچھونا مجھکو دیجئے میں پہنچا دوں بڑے میاں نے کہا
نہیں بھائی تم کیوں تکلیف اُٹھاؤ بچھونے میں ایسا کیا بوجھ ہے کیا کریں جب سے بے چارے
میر مہذب مرے اُن کا لڑکا خدا اُس کو نیک ہدایت دے بُری صحبت میں پڑ کر ایسا آوارہ ہو گیا ہے
کہ سارے سارے دن اور ساری ساری رات گھر میں دھما چوکڑی مچی رہتی ہے ہم ٹھیرے دیوار
بیچ اُن کے پڑوسی اتنا نہیں بن پڑتا کہ گھر میں دو رکعت نماز اطمینان سے پڑھی جائے ناچار میں

تو اس مسجد میں چلا جاتا ہوں متقی بھائی کے مرنے کی خبر سنکر قریب تھا کہ چکر کھا کر وہیں زمین
پر گر پڑے مگر آدمی تھا دیندار اُس نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہکر ضبط کیا اور اپنے
تئیں سنبھالا اور سوچا کہ اگر گھر چلکر دستک دوں پکاروں تو نقار خانے میں طوطی کی آواز
کون سنے گا اور فرض کیا چیخنے چلانے سے دروازہ کھلا بھی تو رات گئی ہے زیادہ سب کو
تکلیف ہوگی رونا پیٹنا مچے گا ماتم برپا ہوگا بہتر ہے کہ رات کو کہیں پڑ رہوں پھر خیال کیا
کہ پاس کے پاس اسی مسجد میں ٹھیر جانا مناسب ہے کہ بڑے میاں ہیں اور حالات بھی دریافت ہونگے
مسجد میں گیا اور وضو کرکے نماز پڑھی دعا کیلیے ہاتھ اٹھائے بھائی سے اس کو محبت تھی
بہت یوں بھی ہمیشہ غائبانہ اس کے حق میں دعائے خیر کیا کرتا تھا اب جو حضرت موسیٰ کی دعا
اسکو یاد آئی اور اُس کے مُنہ سے نکلا رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِکَ وَ
اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ جی بھر آیا اور بے اختیار اتنا رویا کہ ہچکی بندھ گئی جس کے
دل کو یکایک اتنا بڑا صدمہ پہنچا ہو اس کو بھوک کیا لگے اور نیند کیونکر آئے ساری رات
گزر گئی کہ صحن مسجد میں ننگے سر بیٹھا ہوا کبھی کچھ پڑھ پڑھ کر بھائی کی روح کو بخشتا تھا اور
کبھی اُس کی مغفرت کیلیے خدا کی درگاہ میں زار نالی کرتا تھا سفیدۂ صبح نمودار ہوتے ہی
اول وقت فجر کی نماز پڑھی اور پھر اشراق تک معمولی اوراد میں مشغول رہا جب نافلۂ اشراق
سے فارغ ہوا تو دیکھا کہ بڑے میاں بھی اپنا بچھونا لپیٹ لپاٹ کر گھر جانے کی تیاری
کر رہے ہیں اُن کو ضعیفی کے سبب ذرا دھندلا بھی نظر آتا تھا متقی نے اُن کو پہچانکر السلام
علیک کی اور قریب جاکر اپنے تئیں پہچنوایا اور رات کا ماجرا کہہ سنایا ملے تو میر مہذب کی

[illegible] پاس کے پاس یعنی [illegible] اور اسی [illegible]
اے پروردگار مجھ کو اور میرے بھائی کو بخش اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل کر اور تو [illegible] رحم کرنے والا ہے
[illegible] طلوع آفتاب کے بعد کی نماز نفل [illegible]

صحبتوں کو یاد کر کے بڑے میاں بھی آب دیدہ ہوئے اور متقی تو رات سے رو رہا تھا سفر کا تکان
ساری رات کا فاقہ جاگنا اور رونا آنکھیں سوج گئی تھیں منہ سے آواز نہیں نکلتی تھی بارے
بڑے میاں نے بہت کچھ سمجھایا اور دنیا کے دستور کے مطابق صبر کی تعلیم کی اور کہا کہ
میاں مرحوم تو اللہ کے نیک بندے تھے یہاں بھی اپنی اچھی گزار گئے اور ان شاء اللہ وہاں
بھی اُن کیلیے اچھا ہی اچھا ہے وہ اگر مرے تو اپنی عمر سے مرے اور ایک نہ ایک دن سبھی کو مرنا ہے
بڑا رونا اُن کے فرزند ناخلف کا ہے کہ اپنے کردار ناسزا سے مرحوم کی روح کو ایذا دے رہا ہے
اب تم باپ کی جگہ ہو اُس کو سنبھالو اگر ہو سکے اُس کو روکو اگر بن پڑے۔ گھر کے نصیب اچھے
ہیں کہ تم آپہنچے خدا کو کچھ بھلا کرنا منظور ہے کہ تم کو بھیجا ابھی وقت ہے اگرچہ تنگ ہے موقع ہے گو آخیر ہے
اور تم یہاں مسجد میں اکیلے بیٹھ کر کیا کرو گے میرے ساتھ چلو تمہارے بھتیجے صاحب تو کہیں
دوپہر تک اُٹھیں گے وہ بھی اُٹھائے سے تب تک میرے گھر کچھ ناشتا کرو ہم بھی کوئی غیر
نہیں ہیں تمہارے بھائی صاحب خدا اُنکو جنت نصیب کرے ہمکو عزیزوں سے بڑھکر سمجھتے تھے
کیا تمکو یاد نہو گا۔ غرض میر متقی بڑے میاں کے ساتھ ساتھ چلے تو سارے رستے بھائی کا تصور
پیشِ نظر تھا اور قدم قدم پر ایسا خیال ہوتا تھا کہ بھائی سامنے سے چلے آرہے ہیں پیچھے
سے پکار رہے ہیں اُس دروازے پر کھڑے باتیں کر رہے ہیں اُس دکان والے سے
کچھ کہہ رہے ہیں کیونکہ یہ اتفاقات متقی کو بھائی کی زندگی میں صدہا بار پیش آچکے تھے
اُن ہی باتوں کی یادداشت اب تازہ ہو گئی۔ متقی رات سے بہتیرا رو بھی چکا تھا اور اُس نے
ارادہ کر لیا تھا کہ اب اگر رونا آئیگا بھی تو روکوں گا ضبط کرونگا مگر جوں جوں گھر کیطرف
پاؤں اٹھتا تھا دل کی کیفیت متغیر ہوتی چلی جاتی تھی یہانتک کہ دروازے پر پہنچکر تو نہ تھم
سکا اور بے اختیار پکار کر رو دیا رونے کی آواز سنکر پاس پڑوس کے لوگ جمع ہو گئے پھاٹک تو

باہر کی طرف سے نہ کھلوا سکے اندر ہی اندر کھڑکی کی راہ پہلے زنان خانے میں اور پھر مردانے میں خبر پہنچی مبتلا اور اُس کے جلسے کے شرکا ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ گھر واد یکھہ اور بھیڑویں سنکر سوئے تھے۔ میر متقی کا آنا سنکر سب کی نیندیں اُچاٹ ہو گئیں اور سب کے ہوش اُڑ گئے جو لوگ اب سے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے بھانڈوں اور رنڈیوں کو نچوا رہے تھے اب لگے آپ ناچ ناچنے پھرنے چاہتے تھے کہ نکل بھاگیں مگر راستہ کہاں تھا پھاٹک پر تو خود میر متقی صاحب اور اُن کے ساتھ محلے کے چالیس پچاس آدمی کھڑے ہوئے تھے زنان خانے میں ہو کر جانا چاہتے تو پہلے تُہرے پر گھروالی تھی کہ وہ میاں کے سامنے تو لومڑی یا بھیگی بلّی جو کچھ تھی سو تھی مگر ان بدذاتوں کے حق میں خاصکر اس وقت شیرنی سے کم نہ تھی اس کے علاوہ زنان خانے سے اگر باہر جانے کا راستہ تھا تو دوسرے لوگوں کے گھروں میں سے ہو کر تھا وہ بھلے مانس اِن بلاؤں کا اپنے یہاں سے ہو کر گزرنا کیوں جائز رکھتے غرض وہ سب کا سٹ پٹانا اور ایک کا ایک سے پوچھنا اور ایک ایک کے سامنے ہاتھ جوڑنا ایک ایک کے پاؤں پڑنا ایک تماشا تھا قابلِ سیر ایک کیفیت تھی لائقِ دید کہ رنڈیاں جو اپنے حسن کے غرور میں کسی کے ساتھ سیدھی بات تک نہیں کرتی تھیں اب ایک ایک کے آگے بچھی جاتی تھیں کہ خدا کے لیئے کہیں ہمکو پناہ دو ایک ایک کے پیچھے لپٹتی تھیں کہ للہ ہمیں نکالکر کہیں لے چلو ایک پکارتی تھی میں انعام اکرام سے باز آئی مجھے راستہ بتاؤ دوسری چلّاتی تھی مجھے مجھے کی کوڑی مت دو مگر کسی ڈھب سے گھر پہنچاؤ رات کے جلسے میں ایک طائفہ چلبلا بھانڈ کا بھی تھا ان کمبختوں کو فی الوقت خوب سوجھتی ہے۔ اِدھر تو یہ تمام ہلچل مچی ہوئی تھی اور اُدھر چلبلا بے طلب بے فرمائش تیار ہوا اپنے ساتھیوں کو جمع کر لگا نقل کرنے (نقل) ایک اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑا دوڑا لوگوں کو ہٹاتا ہوا اور باتا ہوا پھرنے لگا کہ کیا ہے کیا ہے کا ہے کا غل ہے کیوں شور

مچا رکھا ہے۔ دوسرا بولا ابے احمق تو نے نہیں سنا کہ حضرت کے چچا مکہ معظمہ سے تشریف لائے ہیں۔ پہلا۔ کون چچا ابوجہل یا ابولہب۔ دوسرا (پہلے کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مار کر) چپ دود کیا کفر بکتا ہے ابے حضرت پیغمبر صاحب کے چچا نہیں ہمارے (مبتلا کی طرف اشارہ کر کے) حضرت پیر مرشد کے چچا۔ پہلا۔ ہاں الحمد للہ۔ پھر ڈرنا کیا ہی آؤ ہم سب ملکر بھی اُن کو چچا بنائیں حج نصیب ہونے اور سلامتی سے واپس آنیکی مبارکباد دیں ناچ دکھائیں گا نا سنائیں۔ دوسرا (پہلے کے منہ پر ایک طمانچہ مار کر) ابے توبہ کر توبہ کہیں اوپر سے چھت نہ گر پڑے سیدِ آلِ رسول مولوی حاجی جو ابھی خدا کے گھر سے پھرے ہوئے چلے آ رہے ہیں کہیں ناچ دیکھتے ہیں (ناچ دیکھنا حرام) یا گانا سنتے ہیں (گانا سننا ممنوع) ان کے نزدیک رنڈیاں جہنم کی چھپٹیاں ہیں اور بھانڈ دوزخ کے کُندے۔ پہلا۔ ہائے ہے اللہ رنڈیوں نے وہاں بھی بھانڈوں کو نہ چھوڑا ہے کُندے ہوتے تو ذرا دیر میں تو جلتے اور کیوں صاحب یہ سب لوگ (مبتلا اور اُس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ کر کے) کیا ہونگے۔ دوسرا۔ ان کو کہتے ہیں کہ بھاڑ میں بھونے اور کڑھائی میں تلے اور بھٹی میں جلائے جائینگے۔ پہلا۔ (دونو ہاتھوں کو کلّوں پر ہولے ہولے تھپڑ مار کر اور خوف زدہ آنکھیں بنا کر) الٰہی توبہ۔ الٰہی توبہ۔ خدا دوزخ کی آنچ سے بچائے اور بھانڈوں کو بھوت بنائے آسیب بنائے جو چاہے سو کرے مگر دوزخ کے کُندے نہ بنائے۔ بھلا پھر چاچی صاحب چاہتے کیا ہیں۔ دوسرا۔ چاہتے یہ ہیں کہ نمازیں پڑھو روزے رکھو خدا کی بندگی کرو۔ چور دو پیسہ رنڈیوں اور بھانڈوں کو دیتے ہو غریبوں محتاجوں کو دو۔ پہلا۔ بھئی بات تو واجبی ہی رنڈیوں کا دینا تو محض فضول ہی ہے بھانڈ ان سے بڑھ کر غریب محتاج اور کون ہو گا۔ یہ کہہ کر عمامہ باندھ پائچے ٹخنوں سے اونچے کر جہاں کھڑا تھا اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا گویا امام بنا اور نماز شروع ہوئی۔ مسخرہ پن تو یہ تھا کہ نیت باندھ چکا ہی اور پھر

ایک طرف یہ کہہ رہا ہے کہ بس بچے تال پھاٹک کھول دو اور مولوی یا حافظ یا حاجی یا زوار یا واعظ جو ہوں اُن کو آنے دو اور دوسری طرف سب کو اشارہ کر رہا ہے کہ میرے پیچھے مقتدی بنکر کھڑے ہو جاؤ اور پھر بڑبڑانے لگا۔ طائفے کے جتنے بھانڈ تھے سب صف بستہ ہو کر مقتدی بنے اور اُسکے پیچھے کھڑے ہوئے ذرا دیر گزری تھی کہ ایک نے صف میں سے نکلکر امام کی پیٹھ پر ایک دوہتڑ مارا ایسے زور سے کہ تھوڑی دور آگے جا کر اوندھے منہ گر پڑا اور کہا ابے بدعتی یہ کیسی بے وقت اور بے رخی جماعت کی نماز پڑھا رہا ہے اگر مولوی اسمٰعیل کے مقلد سن پائیں تو مارے کفر کے فتووں کے اُلو کر دیں۔ امام۔ ابے تو کیا جانے یہ صلوٰۃ الخوف ہے۔ اور پھر اُسی طرح اپنی جگہ جا کھڑا ہوا گویا اتنی حرکت پر بھی نماز باطل نہیں ہوئی تھوڑی سی دیر کے بعد پیچھے کی صف سے پھر ایک شخص آگے بڑھا اور اُس نے امام کا عمامہ اُتار تڑا تڑ آٹھ دس میں لتیڑی رسید کیے امام سر سہلاتا ہوا یہ کہتا ہوا بھاگا کہ کفر کا فتویٰ آیا۔ تو یہ لیتڑی مارنے والا کیا کہتا ہے ابے ڈرمت فتوی نہیں تیری عبادت کا صلہ ہے۔ امام بولا عبادت کا صلہ ہے تو اسمیں مقتدیوں کا بھی حق ہے پھر تو اس سرے سے اُس سرے تک بلا امتیاز جوتی کاری ہونے لگی اور رنڈیاں اور بھڑوے اور میر محفل اور تماشائی سبھی پر آفت آئی۔ کہتے ہیں کہ چلبلا بھانڈ کے طائفہ کا بیس روپے روز معمول تھا اور مبتلا اس طائفے کا ایسا گرویدہ تھا کہ اگر خرچ مساعدت کرتا تو ہر رات ان کا ناچ دیکھتا مگر اس پر بھی کئی سو روپے اُن لوگوں کے چڑھ گئے تھے اب مبتلا کے چچا کا آنا سنکر بھانڈوں کو بالکل ناامیدی ہو گئی اور ایسی نقل کی نقل تو نہایت برجستہ تھی مگر طبیعت کسکی حاضر تھی اور دل کسکا ٹھکانے تھا کہ مزہ لیتا اور داد دیتا۔ مبتلا کی تو ایسی سٹی بھولی کہ ننگے پاؤں کبھی اندر جاتا اور کبھی باہر آتا مگر کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی تھی آخر اُس نے اپنے باپ کے پرانے نوکر وفادار کو آواز دی یہ بوڑھا آدمی اسم بامسمّٰی مبتلا کو بہت سمجھاتا رہتا تھا مگر نوکر کی بساط کیا جب وفادار نے بار بار

کہنا شروع کیا مبتلا نے اس کو جھڑک جھڑک دیا وفادار نے دل شکستہ ہو کر مبتلا سے کنارہ کشی اختیار کی مردانے میں اس کے رہنے کی ایک کوٹھڑی تھی رات دن اسی کوٹھڑی میں پڑا رہتا اندر سے کچھ فرمائش آتی تو اُس کی تعمیل کر دیتا مبتلا کے کسی کام کاج کو ہرگز ہاتھ نہ لگاتا آدمی تھا زمانہ دیدہ سمجھ چکا تھا کہ یہ لیل و نہار اس طرح پر تو سدا چلنے والا نہیں یا تو یہ رسم و راہ نہیں اور رسم و راہ ہے تو بندۂ درگاہ نہیں وفادار اکیلا کوٹھڑی میں بیٹھا ہوا دیکھتا نہیں تھا تو سنتا سب کی تھا اس کو میر متقی کا آنا اور ارباب جلسہ کا گھبرانا معلوم ہو چکا تھا خلاف عادت مبتلا کے بلانے کی آواز سنکر مطلب تو سمجھا مگر جان بوجھ کر چادر تان لیٹ گیا مبتلا نے ایک بار پکارا دو بار پکارا تین بار پکارا جواب ندارد اگر کبھی پہلے ایسا اتفاق ہوا ہوتا تو وفادار کی مجال تھی کہ مبتلا پکارے اور پہلی آواز پر جواب نہ دے مگر میر متقی کا آنا تھا کہ باہر سے اندر تک سب کا رنگ بدل گیا جو ناچیز تھے وہ اب عزیز تھے جو با اقتدار تھے وہ اب ذلیل و خوار تھے یہاں تک کہ مبتلا نے خود کوٹھڑی کے دروازے پر آکر پکارا میاں وفادار میاں وفادار جلدی اٹھو چچا آئے وفادار نے گھبرا کر پوچھا کیا چھوٹے میاں حج سے تشریف لائے۔ مبتلا۔ ہاں۔ وفادار نے میر صاحب مرحوم کو یاد کر کے ایک آہ کی اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور میر متقی کے صحیح و سلامت واپس آنے پر خدا کا شکر کیا اور دروازے کھولنے کے ارادے سے دوڑا مبتلا نے لپک کر روکا کہ ذرا ٹھیرو ذرا ٹھیرو مبتلا نے چچا کو دیکھا تو تھا مگر سات برس میں صورت بھول گیا تھا وفادار سے کہا کہ ذرا کواڑوں کی دراڑ میں سے جھانک کر تو دیکھو وہی ہیں وفادار نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا اور کہا کہ بیشک وہی ہیں اور اب تو عین بعین سرکار معلوم ہوتے ہیں مگر ڈاڑھی میں تو اتنی سفیدی نہیں۔ مبتلا یہ سنکر وفادار کے گلے لپٹ گیا کہ خدا کیلئے کسی طرح مجھکو اس فضیحتے سے بچاؤ میں ان کمبختوں کو کہاں لے جاؤں اور کس جگہ چھپاؤں وفادار کو مبتلا کا اضطرار

دیکھ کر بہت ترس آیا اور اُس نے کہا کہ تھوڑی دیر کیلیئے ان لوگوں کو پاخانے میں کھڑا کر دیجئے
چھوٹے میاں آخر اندر جائینگے اُس وقت اُن کو نکال باہر کرینگے واقع میں اسکے سوا کوئی تدبیر ہی
نہ تھی آخر یہی کیا کہ چھپا چھپان سب کو پاخانے میں اوپر تلے ٹھونس آگے پیچھے ڈھکیل کنڈی لگا
باہر کا پھاٹک کھولدیا میر متقی نے دوڑ کر بھتیجے کو چھاتی سے لگایا اُسوقت کی کیفیت بھی جس
جس نے دیکھی ساری عمر اسکو نہیں بھول سکتا۔ بوڑھا (پھونس نہیں مگر ادھیڑ) اور جوان فرشتہ
اور شیطان۔ یا رحمت اور قہر یا نیکی اور بدی یا ثقہ اور رند یا حاجی اور پاجی یا چچا اور بھتیجا
دونوں ایک دوسرے کے گلے لگے ہوئے کھڑے رو رہے تھے مبتلا تو ڈاڑھیں مار رہا تھا اور میر متقی
کی آنکھوں سے برابر آنسو جاری تھے اور چونکہ رنج کو بتکلف ضبط کرتے تھے بوٹی بوٹی کانپ رہی
تھی پچاس ساٹھ آدمی حلقہ باندھے ہوئے گرد و پیش تھے اور سب پر رقت طاری تھی کامل
پاؤ گھنٹے کے بعد متقی نے مبتلا کو سینے سے جدا کیا اور سب کے ساتھ اسکو لے جا کر دالان میں
بیٹھے تھوڑی دیر سب سکوت میں تھے آخر کسی نے میر صاحب مرحوم کا ذکر خیر نکالا پہلے اُنکے محامد اخلاق
کا مذکور رہا پھر علالت اور وفات کا آخر فاتحہ پڑھ کر لوگ رخصت ہوئے اور میر متقی زنان خانے میں گئے

ساتویں فصل مبتلا کے چچا میر متقی کا اپنی بھانجی یعنی مبتلا کی بی بی کے سامنے تعزیت کے طور پر وعظ کہنا

ماموں کا آنا سن کر بھانجی کو ماں باپ اور ساس سسرے کا مرنا بھائیوں کا ظلم اور سب سے
بڑھکر مبتلا کا اس سے بے تعلق رہنا اپنی بے کسی گھر کی تباہی آئندہ کی ناامیدی غرض ساری
داستان مصیبت اول سے آخر تک یاد آگئی اور وہ دل ہی دل میں ہولنے کی تیاریاں کر چکی
تھی جوں ماموں نے اندر قدم رکھا اور بھانجی کے ساتھ نظر دوچار ہوئی اُس نے

۱؎ پہلی عادتیں ۱۲

کسی طرح لڑکھڑاتے ہوئے کھڑے ہو کر سلام تو کر لیا اور پھر تو ایسی بلکی کہ غش کھا کر گر پڑی ہاتھ
پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے دانت بچی ہو گئے لخلخے سونگھائے منہ پر گلاب کے چھینٹے دیے بارے
ہوش آیا تو اُس نے ایسی بین شروع کیے کہ سننے والوں کے کلیجے منہ کو آنے لگے دل
دہل گئے۔ آخر متقی نے سر پر ہاتھ پھیرا اور سمجھایا کہ مصیبت میں اس قدر رنج کرنا عبودیت
کی شان نہیں ہے۔ رنج مصیبت کو نہ ٹال سکتا ہے اور نہ اُس کو ہلکا کر سکتا بلکہ اُلٹا مصیبت
کو بڑھاتا ہے جیسے محبت ماں کو اکلوتے بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے اُس سے لاکھوں کروڑوں
درجے بڑھی ہوئی محبت خدا کو اپنے تمام بندوں کے ساتھ ہے اگر خدا نہ چاہے تو کیا بندے
آپ سے آپ پیدا ہو جائیں اور اپنے اختیار سے زندگی کریں ایسا خیال کرنا تو کفر کے علاوہ
غلط صریح بھی ہے بندے بھلے اور بُرے امیر اور غریب قوی اور ضعیف حاکم اور محکوم بادشاہ اور
رعیت یہانتک کہ ولی اور پیغمبر سب کے سب اس قدر عاجز اور بے اختیار ہیں کہ بدون خدا کی مرضی
کے ایک پتّا ہلانا چاہیں تو نہیں ہلا سکتے ایک ذرّے کو جگہ سے سرکانا چاہیں تو نہیں سرکا سکتے
کسی انسان کا نفع و ضرر نہ خود اُس کے اختیار میں ہے نہ کسی دوسرے انسان کے۔ دنیا میں جس
کسی کو جس کسی کے ساتھ کسی طرح کی محبت ہے اِس کے یہی معنے ہو سکتے ہیں کہ جسکے ساتھ محبت
رکھتا ہے اُس کا فائدہ چاہتا ہے نہ یہ کہ اُس کو فائدہ پہنچاتا ہے یا پہنچا سکتا ہے اسیواسطے دنیا
کی ساری محبتیں از براے نام ہیں سچی اور اصلی محبت خدا کی ہے کہ ساری نعمتیں اور ساری
برکتیں جو ہمکو حاصل ہیں یہانتک کہ زندگی اُسی کی دی ہوئی ہے با ایں ہمہ انسان کو اس زندگی
میں ایذائیں بھی پہنچتی ہیں مگر ان میں ضرور انسان کا کوئی نہ کوئی فائدہ مضمر ہوتا ہے مثلاً
طبیب کہ وہ کسی مریض کا علاج کرتا ہے کبھی اُس کو کڑوی دوا پلاتا اور کبھی اُس کی فصد لیتا
اور کبھی بیمار کے زخم کو شگاف دیتا اور کبھی شاید اُس کے کسی عضو کو کاٹ بھی ڈالتا ہے مگر

ایسا کرنے سے کیا کوئی شبہ کر سکتا ہے کہ طبیب اپنے بیمار کے ساتھ عداوت رکھتا ہے اسی طرح جو تکلیفیں ہم کو دنیا میں پہنچتی ہیں اور بلا شبہ خدا کی مقدس مرضی سے پہنچتی ہیں ظاہر میں تکلیف ہیں اور باطن میں آرام ابتدا میں ایذا ہیں اور انجام میں راحت۔ اول تو اسکا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ تکلیف حقیقت میں بھی تکلیف ہے یا نہیں۔ فرض کرو کہ کسی عورت کا شوہر مرجائے ظاہر میں ہوگی ایک بڑی مصیبت ہے مگر کیا ممکن نہیں کہ مرد زندہ رہتا اور بیوی پر سوکن لاکر اُس کو زندہ درگور کرتا یا بیوی سے اس کا دل ایسا پھرتا کہ جب تک جیتا اُس کو سخت ایذا دیتا یا ایسے امراض میں مبتلا ہوتا کہ سارے گھر کی زندگی دشوار کر دیتا اور اسی طرح کے اور بہت سے احتمالات ہیں جن کی وجہ سے ایک عورت اپنی بیوگی کو ترجیح دے سکتی ہے سہاگ پر۔ جب تک انسان کو علم مستقبلات یعنے علم غیب ہو اور وہ اُس کو نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا وہ کسی حالت کو جو اُس پر یا کسی پر طاری ہو بُرا کہہ نہیں سکتا۔ دنیا کے بہت سے واقعات کو ہم ناپسند کرتے ہیں مگر جس طرح ہماری معلومات ناتمام ہیں اسی طرح جو نتیجے ہم اپنی معلومات سے نکالتے ہیں ناقص ادھوری روداد اور اس پر فیصلہ ناکافی تحقیقات اور اس پر تجویز۔ اور مانا کہ جو تکلیف ہم کو پہنچی حقیقت میں تکلیف ہے تو کیا شفیق باپ اپنے پیارے بیٹے کو منصف اور رحم دل بادشاہ اپنی عزیز رعیت کو تادیب یا تنبیہ یا اصلاح یا کسی دوسری مصلحت سے ایذا نہیں پہنچاتا ہمیشہ ایسی ایذائیں پہنچتی رہتی ہیں نہ فریاد نہ شکایت پس اگر خدا کی طرف سے ایک ایذا پہنچ جائے (جانے دو اُس کے بے شمار احسانوں کو اور بھول جاؤ اُس کی نامحصور نعمتوں کو) تو بندہ کیوں منہ پھلائے کس لیئے بڑبڑائے سب سے بڑا فائدہ جو مصیبت سے انسان کو پہنچتا ہے یہ ہے کہ مصیبت دل میں بالتخصیص عجز و انکسار کی صفت پیدا کرتی اور خدا کو یاد دلاتی ہے اور حقیقت میں مصیبت کے وقت بندہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ مصیبت نہیں رحمت ہے لیکن خدا کو یاد

کرنے اور اُس کی طرف رجوع کرنیکے یہ معنے نہیں ہیں کہ شکایت کرو اور اُس سے ناراض رہو بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ اُس کی رحمت پر پورا بھروسا اور اعتماد کر کے صمیم قلب سے یقین کر لو کہ جو کچھ ہوا خوب ہوا بہتر ہوا مناسب ہوا اور یوں ہی ہونا چاہیئے تھا یہ تو درجہ رضا اور تسلیم کا ہے اور اسی کا نام صبر جمیل ہے اور آدمی کو جس کا عقیدہ ضعیف اور جس کا دل کمزور اور جس کی ہمت کوتاہ اور جسکا ارادہ متزلزل ہے اس درجے پر پہنچنا دشوار ہے مگر اعلیٰ علیین پر نہیں پہنچ سکتے تو ایک سیڑھی دو سیڑھی جتنا ہو سکے کچھ تو اُچکو کسی قدر تو اُبھرو کہ اسفل السافلین کفران سے نکلو یوں کہنے کو تو منہ سے سبھی کہتے ہیں کہ دنیا فانی ہے چند روزہ ہے خواب ہے سراب ہے سایہ ہے سحاب ہے برق بے تاب ہے مگر مصیبت کے وقت بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ زبان ہمارے دل کا سچا ترجمان نہیں۔ کیا کوئی فانی ایک فانی حالت کیلیے اتنا غل مچاتا اور اس قدر روتا پیٹتا ہے مصیبت پر جو منفعت ہم نے ہمیشہ مترتب ہوتے دیکھی وہ تو یہ ہے کہ مصیبت آدمی کے مستقبل کو اُس کی ماضی سے ضرور بہتر کر دیتی ہے یعنے اگر انسان کاہل تھا تو مصیبت کے بعد ضرور چست چالاک ہو جاتا ہے آرام طلب تھا تو جفاکش بھولا تھا تو سیانا مسرف تھا تو کفایت شعار بد پرہیز تھا تو محتاط جلد باز تھا تو دھیما آوارہ تھا تو نیک کردار جس آدمی پر کبھی مصیبت نہیں پڑی نہ اُس کی عقل کا ٹھکانا نہ اُس کی رائے کا بھروسا نہ اس کا دین درست نہ اُس کے اخلاق شائستہ اس کے علاوہ آدمی کا دستور ہے کہ ایک حالت کیسی ہی عمدہ کیوں نہ ہو اگر ساری عمر یکسانی کے ساتھ چلی جائے تو اس حالت کی عمدگی کا احساس باقی نہیں رہتا بلکہ اُکتا کر خود اس حالت سے نفرت کرنے لگتا ہے ایک باورچی کو میں جانتا ہوں جو نمکین اور میٹھے چاول یعنے بریانی متنجن وغیرہ پکانے میں کامل اُستاد تھا۔ شہر میں کہیں نہ کہیں شادی یا غمی کی کوئی نہ کوئی تقریب لگی ہی رہتی

تھی جس کسی کے یہاں چاولوں کی پخت ہوتی اسی باورچی سے پکواتا اور اُس کو مزدوری کے علاوہ دستور کے مطابق تہ دیگی کی چوٹی دار رکابی بھی ملتی وہ ایک کابی ایسی ہوتی تھی کہ اس کا سارا گھر اُس کو کھا کر اَپھّل ہو جاتا پس ان لوگوں کو دونوں وقت عمدہ سے عمدہ بریانی اور بہت سے بہتر متنجن کھانے کو ملتا تھا پس یہ ایک حالت تھی کہ اگر کسی غریب آدمی کے سامنے جو بریانی متنجن کو ترستا ہو بیان کیجیے تو سُنتے کے ساتھ ہی رال ٹپک پڑے مگر اس باورچی اور اس کے اہل و عیال کا کیا حال تھا کہ منتیں کر کے بریانی متنجن کی رکابیاں ہمسایے کے لوگوں کو دیتے اور اُن سے روٹی چٹنی مانگ کر کھاتے پس ہم نے تندرستی کی قدر بیماری سے جانی وطن کی پردیس سے تونگری کی مفلسی سے آرام کی دُکھ سے راحت کی مصیبت سے تو جو شخص حقیقی راحت کا خواہاں ہو ضرور ہو کہ مصیبت کا بھی مزہ چکھے مصیبت زدہ کیلیے سب سے بہتر تدبیر یہ ہو کہ وہ دوسرے مصیبت مندوں پر نظر کرے مثلاً اگر اس کو صرف بیوگی کی شکایت ہے تو پائیگی کہ اس جیسی اور اس سے بدتر لاکھوں بیوہ عورتیں اَور بھی ہیں شاید یہ ایک مدت خانہ داری کرنے کے بعد بیوہ ہوئی ہو اور ہزار ہا اللہ کی بندیاں ایسی بھی ہیں جنہوں نے شوہر کی صورت تک نہیں دیکھی پس وہ بیوگی کے علاوہ لاولد بھی ہیں اور شاید اُن کو روٹی کا بھی کہیں سے آسرا نہو پس بیوہ اور لاولد کے علاوہ محتاج بھی نگھری ندری بھی اور شاید دُکھیا بیمار بھی اور شاید اندھی اور لولی اور اپاہج بھی کسی کو اگر کھجلی کی ایذا ہے تو وہ دیکھے گا اپنے ہی جیسے آدمی کوڑھی اور کوڑھ میں کیڑا ور کیڑوں کے ساتھ زخم اور زخموں میں سوزش العیاذ باللہ جس کی آنکھ میں ناخنہ ہو گیا اُس کو اس سے تسلی نہیں ہوگی کہ دوسروں کی آنکھ میں ٹینٹ یا دوسرے کانڑے بلکہ اندھے بھی ہیں۔ غرض دنیا کا حال یہی ہو کہ ایک سے ایک بہتر ہے پس کیوں کوئی مغرور ہو اور ایک سے ایک بدتر ہو تو کس لیئے کوئی ناصبور

ہو بیٹی میں یہ نہیں کہتا کہ تم پر مصیبت نہیں پڑی۔ پڑی مگر اس مصیبت پر جو تمہاری حالت ہے
شکر کے قابل ہو کہ خدا کے فضل و کرم سے تندرست ہو عزت آبرو کے ساتھ گھر میں بیٹھی ہو
تم نے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا تم نے دروازے دروازے بھیک نہیں مانگی تم نے
پیٹ کے واسطے کسی کی خدمت نہیں کی ٹہل نہیں کی گو ماں باپ کو خدا نے اُٹھا لیا مگر ابھی
تمہارے غمگسار تمہارے خبر گیر تمہارے سرپرست موجود ہیں اور ان میں سے ایک میں بھی
ہوں کہ باپ چچا میں نہیں کرونگا تو اس سے پورا اطمینان رکھو کہ انشاء اللہ اپنے مقدور بھر
تمہارے حال کی اصلاح تمہارے معاملات کی درستی میں کسی طرح کی کوتاہی بھی مجھ سے نہ
ہو گی لاؤ اسی شہر سے بلکہ اسی محلّہ سے بلکہ اسی کوچے سے بلکہ تمہارے پڑوس سے جتنی عورتیں
کہو میں بلا لاتا ہوں جن کو دیکھکر تم ضرور رحم کرو گی اور سمجھو گی کہ یہ مجھ سے زیادہ دُکھیا ہیں
ایک حکیم کا قول ہے کہ دنیا میں ہر شخص خوش ہے اسواسطے کہ وہ اپنی حالت کو کسی دوسرے
کی حالت کے ساتھ بدلنا نہیں چاہتا جس دن پہلے پہل میں نے یہ بات کتاب میں لکھی دیکھی تو
میں ذرا اس پر ٹھٹکا پھر میں نے سوچا کہ اس کو میں اپنے ہی اوپر کیوں نہ آزماؤں تو
میں نے اپنی جان پہچان کے پانچ چھ آدمی تجویز کیئے جن کی حالت کو بنظرِ ظاہر میں اپنی
حالت سے بہتر سمجھتا تھا لیکن اچھی طور پر جو غور کیا تو ایک لاولد تھے دوسرے بیٹے تو رکھتے تھے
مگر ناہموار تیسرے دائم المرض چوتھے شدت سے کنجوس پانچویں بیوی کی بدمزاجی اور بدسلیقگی
اور بدزبانی سے عاجز لا مذہب[؟] غرض کسی کو بے داغ نہ پایا تب اُس حکیم کے مقولے کی
تصدیق اور میرے دل کی تشفی ہوئی اور پھر ایک بات اور بھی سوچنے کے قابل ہو کہ غم کیسا ہی سخت
اور صدمہ کتنا ہی بھاری کیوں نہ ہو رفتہ رفتہ خود بخود اُس کا اثر مضمحل ہوتے ہوتے آخر کار محو ہو جاتا ہے
کبھی ہمارے باپ بھی مرے تھے ہم بھی اُن کے فراق میں تمہاری طرح بہتیرا روئے

دھوئے غمگین اور اُداس رہے آخر بھول بسر گئے غرض انسان کو چار و ناچار صبر تو کرنا پڑتا ہے کیا کرے دیوار سے سر ٹکرا کر کوئیں میں گر کر افیون کھا کر حرام موت مر رہے مگر اس کو صبر محمود نہیں کہتے صبر محمود وہی صبر ہے کہ نزولِ مصیبت کے وقت ہو جبکہ رنج دل کو نچوڑتا اور کلیجے کو کھرچتا ہے آنسو ہیں کہ نکلے چلے آتے ہیں اور سانس ہے کہ پیٹ میں نہیں سماتا وہ بندے کے لیئے سخت آزمائش کا وقت ہے معاذ اللہ اگر خدا کی شان میں شکایت کا کوئی کلمہ اُس کے مُنہ سے نکل گیا یا اُس کے دل میں خدا کی نسبت جلّ و علا شانہٗ بے رحمی یا بے انصافی کا خیال وسوسے کے طور پر بھی آگیا تو بس دنیا خراب عاقبت برباد خسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ذٰلِکَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ مبتلی نے جو یہ باتیں عقل کی دین کی نصیحت کی بیان کیں تو بھاوج پر ایسا اثر ہوا کہ گویا گرتی ہوئی دیوار کو تھونی لگادی ڈوبتے ہوئے کو اچھال کر کنارے پہنچا یا مرجھائے ہوئے درخت کو پانی دیا۔

آٹھویں فصل میر متقی کا مبتلا کے امور خانہ داری کی اصلاح میں کوشش کرنا

متقی کا ارادہ تو یہ تھا کہ بھائی سے ملکر ہفتہ عشرہ رہ کر رامپور روانہ ہونگا مگر سوچا کچھ اور ہوا کچھ۔ یہاں آکر دیکھا تو بھائی کو مرے ہوئے چھ مہینے ہو چکے تھے اور بھتیجے صاحب نے وہ اودھم مچا رکھی تھی کہ خدا کی پناہ۔ دو تین مہینے بھی متقی کے پہنچنے میں دیر ہوتی تو تنخواہوں کا کرائے کا رہنے کے موروثی مکان کا خاندان کی عزت و آبرو کا بزرگوں کے نام و نمود کا سب کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ باپ کا بیمار پڑنا اور مبتلا کا مدرسے سے اُٹھنا وہ دن اور آج کا دن اُس بندۂ خدا نے بھول کر بھی تو مدرسے کو یاد نہ کیا شروع شروع میں دو چار ہم جماعت بلانے کو آئے بعض مدرسوں نے بھی کہلا

بھیجا مبتلا کس کی سنتا تھا رخصت کی غیر حاضری ہوئی اور غیر حاضر ہوتا تھا کہ تڑسے نام کٹ
گیا بیٹھے بٹھائے اچھا معقول وظیفہ کھویا اور بات کی بات میں آیندہ کی ساری امیدیں
ایک دم سے منقطع ہو گئیں جن جن سرکاروں سے تنخواہیں مقرر تھیں ضرور تھا کہ پیروی
کرکے وارثوں کے نام اُن کا اجرا کرایا جائے مگر یہاں پیروی کرے تو مبتلا اور نہ کرے
تو مبتلا اگر باپ کے مرنے پر مبتلا ان سرکاروں میں جاتا تو جن سرکاروں کا جیسا دستور تھا
کہیں سے ماتمی خلعت کہیں سے نقد کچھ نہ کچھ ملتا پر ملتا اور تنخواہ بھی کہیں سے پوری
کہیں سے ادھوری جاری ہوتی ہی ہوتی مگر مبتلا کو اپنے مشاغل لایعنی سے اتنی فرصت
کہاں تھی کہ وہ اِن باتوں کو سوچے اور خلعت یا نقد یا تنخواہ کیلئے سرکاروں کا دوڑ دھوپ
کرے غرض جتنے معمولات تھے سب بند ہو گئے اب آمدنی کے نام سے تو رہ گیا کیا صرف
کرایہ اول تو وہ تھا ہی کتنا مگر خیر جس قدر تھا اُس کا بھی یہ حال ہوا کہ کسی کے دو روپے
دینے ہیں اُس نے مانگے نہ مہینا دیکھا نہ حساب نہ کتاب قلم اُٹھا کسی کرایہ دار کے نام چٹھی
لکھ دی کہ اس کو دو روپے دیکر کرایہ میں مجرے کر لو اب وہ چٹھی والا کرایہ دار کے سر ہوا
ہر چند وہ کہتا جاتا ہے کہ بھئی ابھی مہینا پورا نہیں ہوا یا میں نے اپنی گرہ سے مرمت کرائی ہے
چٹھی والا ہے کہ ایک نہیں سنتا۔ کرایہ داروں نے دیکھا کہ الٰہی شہر میں ہزاروں مکان
اور لاکھوں دکانیں ہیں یہ چٹھی کا انوکھا اور نرالا دستور نہ دیکھا نہ سنا ایک میر صاحب تھے
اللہ بخشے کہ ایک مہینے کا کرایہ دوسرے مہینے میں اور دوسرے کا تیسرے میں وصول ہوتا
رہتا تھا بیچارے کبھی ایک سخن بھی تو زبان پر نہیں لائے انہی کے صاحبزادے ہیں کہ
بے حساب بیٹھے بیٹھے چٹھیاں اُڑاتے ہیں گویا کوتوالی کے پروانے ہیں یا تھانے
کے حکم نامے غرض اکثروں نے بے دل ہو کر مکان خالی کر دیئے اور اُٹھ کر کہیں

اُدھر جا رہے اور جائداد اس قدر بدنام ہو گئی کہ کوئی دوسرا کرایہ ادھر رُخ نہیں کرتا۔ مبتلا کے ہاتھ لگ گیا تھا ماں کا زیور اُسی میں یہ تمام گُل چھرّے اُڑ رہے تھے۔ دولہو نے دو ہزار کا زیور اُس مرحومہ کا تھا چھ مہینے میں سب خالصے لگ چکا اب مہینے سوا مہینے سے اُدھار پر گزران تھی۔ متقی نے جو یہ حال بھائی کے گھر کا دیکھا تو کیونکر ممکن تھا کہ اُن لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ کر چلا جائے ناچار رامپور کا ارادہ سرِدست فسخ کیا اور مبتلا کو ساتھ ساتھ سرکاروں میں لیئے لیئے پڑا پھرا کسی کے کارپرداز سے سازباز کی کسی کے داروغہ کو جا لگا کہیں سفارش کی جگہ سفارش پہنچائی اور سعی کے مقام پر سعی کرائی بعض جگہ اپنی وجاہت سے کام نکالا اور جہاں موقع بن پڑا بھائی کے حُسنِ خدمات پر زور ڈالا غرض کئی مہینے کی دَوا دَوش سے اتنا تو ہوا کہ میر مہدی کے زمانِ حیات میں جتنی تنخواہیں تھیں بلاکم و کاست پوری پوری کھل گئیں بلکہ بعض سیرچشم سرکاروں نے پچھلے چھ مہینے کی چڑھی ہوئی تنخواہ بھی بلا وضعات دی میر متقی نے ایک پیش بندی یہ کی کہ جس قدر ذاتی تنخواہ تھی یعنی بلا خدمت بطورِ مددِ معاش ملتی تھی اپنی بھاوج غیرت بیگم یعنی مبتلا کی بی بی کے نام جاری کرائی اور تنخواہ مشروط الخدمت مبتلا کے نام اس میں مصلحت یہ تھی کہ بی بی کے آگے مبتلا کی ذرا گنی دبی رہے تنخواہوں کا پچھلا چڑھا ہوا روپیہ جس قدر ملا اُس سے مکانات اور دکانات کی شکست ریخت کی درستی کرا کے کرایہ داروں کو بسا کر اُن کے سرخط بھی آدھے کرائے کے مبتلا کے نام اور آدھے کے غیرت بیگم کے نام لکھوا دیئے میر مہدی کے روزِ وفات سے آج تک بیوتات کا حساب بنیئے کے یہاں سے اُدھار چلا آتا تھا حساب کر کے اُس کا قرضہ چکایا اور آئندہ کے لیئے اُچاپت کو مطلقاً بند کر کے یہ قاعدہ باندھ دیا کہ جو چیز درکار ہو نقد بازار سے آ جایا کرے۔

نویں فصل میر متقی بڑے بھانجے سید حاضر کو سمجھاتے ہیں کہ بہن کو محروم الارث مت کرو

غیرت بیگم کو بھائیوں نے ترکۂ پدری سے محروم کر رکھا تھا اور کسکی مجال تھی کہ اُن بھڑوں کے چھتوں کو چھیڑے وہ اس بلا کے لوگ تھے کہ اگر نالش کی بھنک بھی اُن کے کان میں جا پڑتی تو کہاں کے ماموں اور کس کی بہن اور کیسا بہنوئی سب کی عزت کے لاگو ہو جاتے یہ ایک شعر جو مشہور ہے

بہر جا جمع مے آیند سادات	فسادات فسادات فسادات است

کہتے ہیں کسی نے سید نگر والوں ہی کی شان میں کہا تھا اور میر متقی کو وہاں کے لوگوں کے ہتھکنڈے بخوبی معلوم تھے اور مخاصمانہ طور پر بھانجوں کے ساتھ پیش آنا اور اُن کے مقابلے میں مدعی یا مدعا علیہ ہونا گو بھانجی ہی کا حق طلب کرنے کے لیئے کیوں نہ ہو نہ ان کو شایاں تھا اور نہ غیرت بیگم کے حق میں مفید۔ سید نگر کے سب لوگ زمیندار اور رعایا یہانتک کہ خوش باش اس قدر مفسد تھے کہ جھوٹ بولنا جھوٹا حلف اُٹھا لینا جھوٹے گواہ جھوٹی روداد اور جھوٹی دستاویزیں بنانا حاکم کو دھوکا دینا پرایا حق مار بیٹھنا لوگوں کو ناحق ستانا ان باتوں کو بڑا ہنر اور داخل ہوشیاری سمجھتے تھے اور جس طرح کوئی بڑا نامی جنرل اپنے دوستوں میں فخراً اپنی فتوحات کے واقعات کا بیان کرتا ہے یہ لوگ ہمیشہ دیوانی فوجداری کے مقدمات کے تذکرے کرتے رہتے تھے کوئی امیر اپنی مدح پر اتنا ناز نہ کرتا ہوگا جتنا اُن کو ڈگریوں اور فیصلوں پر تھا۔ اُن لوگوں کی نظروں میں میر متقی صوفی و فقیہ تھے مگر سادہ لوح اور سفیہ عالم و فاضل تھے مگر احمق و لایعقل۔ میر متقی کا چھوٹا بھانجا سید ناظر جو غیرت بیگم سے بھی عمر میں چھوٹا تھا کچہری دربار کا کام دیکھتا تھا اور تمام معاملات مقدمات اسی سے

متعلق تھے پس یہ گھر کا عقلِ کُل تھا۔ سید حاضر جو غیرت بیگم سے بڑا اور اکبر اولاد تھا سید نگر میں مکان کی خبر گیری کرتا تھا اور رعایا سے وصولِ تحصیل کرنا اور شیر کا مچھوانا لوانا غرض گاؤں کا سب کام کاج اس کو سپرد تھا۔ ماموں کا آنا سنکر سید نگر سے سید حاضر تو فوراً اگلے ہی دن آحاضر ہوا اور اُس نے اِس کا بھی انتظار نہ کیا کہ تعزیت کے لیئے ماموں کی طرف سے تقدیم ہونی چاہیئے لیکن جب وہ واپس جانے لگا تو میر متقی اُسی کے ساتھ اداے رسمِ تعزیت کے لیئے سید نگر گئے ناظر وہاں نہ تھا معلوم نہیں کسی ضرورت سے غیر حاضر تھا یا قصداً ماموں کی آمد سُن کر ٹل گیا تھا میر متقی نے تقریبِ تعزیت جہاں اور بہت سی باتیں سید حاضر سے کیں اُن میں سے یہ بھی تھی کہ تم کو شروع سے خدا نے بڑا کیا کیونکہ تم بھائی صاحب مرحوم کی اولاد میں سب سے بڑے ہو لیکن تم پہلے صرف اُن کی نسل میں بڑے تھے اور اب خاندان اور برادری میں بھی بڑے ہو کیونکہ تمکو لوگ مرحوم کا جانشین سمجھتے ہیں اور تم اُن کے جانشین ہو بھی انسان کو خدا نے ایسے طور کا مخلوق بنایا ہے کہ تمدّن اُس کو لازم ہے جس طرح تمدّن اُس کے وجود کی شرط ہے کہ اگر انسان مدنی الطبع نہ ہوتے اور آدمی آدمی کے ساتھ ملکر نہ رہتا تو آگے کو اُنکی نسل نہ چلتی اسی طرح تمدّن انسان کی حیات بلکہ اس کی ممات کی بھی شرط ہے تمدّن نہ ہو تو انسان کی زندگی عذاب اور مرے پیچھے اُس کی مٹی خراب۔ تمدّن کی ضرورت سے آدمی دو دو چار چار دس دس پچاس پچاس ہزار ہزار لاکھ لاکھ اور اس سے بھی زیادہ زیادہ اکٹھے ہو کر رہتے ہیں اور خاندان اور قبیلے اور کنبے اور برادری اور گاؤں اور قصبے اور شہر اسی تمدّن کے مظاہر ہیں۔ تمدّن سے لوگوں میں انواع و اقسام کے باہمی تعلقات قائم ہوتے ہیں ماں باپ بیٹا بیٹی میاں بی بی بھائی بہن اور جتنے طور کے دور نزدیک

کے رشتہ دار ہیں اور ہمسایا اور ہموطن اور حاکم و محکوم اور بادشاہ و رعایا اور اُستاد اور شاگرد اور آقا اور نوکر اور افسر اور ماتحت اور زمیندار اور کاشتکار اور بائع اور خریدار وغیرہ یہ سب نام ہیں لوگوں کے باہمی تعلقات کے ہر تعلق کے ساتھ کچھ حقوق ہوتے ہیں اور کچھ ذمہ داریاں مثلاً باپ اور بیٹے میں ایک طرح کا تعلق ہے باپ کا حق ہے کہ بیٹا اس کا ادب کرے اُس کا حکم مانے اور اُس کی ذمہ داری یا بعبارت دیگر اس کا فرض یہ ہے کہ بیٹے کو شفقت کے ساتھ پالے تربیت کرے پڑھائے لکھائے ہنر سکھائے جو اس کے کام آئے۔ لوگوں کا یہ حال ہے کہ تمدن کے حقوق اور فرائض میں اکثر بلکہ سب کے سب اِلّا ماشاء اللہ مُطفّف ہیں مطفّف عربی میں کہتے ہیں اُس شخص کو کہ اپنا لینا ہو تو جھکتی ہوئی تول لے اور دوسرے کا دینا ہو تو اُڑتی ہوئی دے ایسے ہی لوگوں کی شان میں اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ افسوس ہے ڈنڈی ماروں پر کہ جب لوگوں سے ناپ کر لینا ہو تو پورا پورا لیں اور جب لوگوں کو ناپ یا تول کر دینا پڑے تو اُن کو گھاٹا پہنچائیں کیا یہ لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ایک بڑا دن آنے والا ہے اور اُس دن ان کو مر کر اُٹھنا ہوگا اُس دن لوگ پروردگار عالم کے روبرو کھڑے ہوں گے اسی طرح دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں اِلّا ماشاء اللہ جو اپنے حق میں سے کسی بھائی کو رتی بھر چھوڑ دے لینے میں تو ایسا سیانا اور سخت گیر اور دوسرے کے حقوق ضائع ہوں تلف ہوں کچھ پروا نہیں ذرا دل پر میل نہیں دینے میں ایسا گھر کا بھولا اور شریر۔ اس کشمکش ور مفسدے کے روکنے

کے لیئے اللہ جل شانہ نے دوہرے دوہرے انتظام کیئے ایک سلطنت ظاہری کہ بادشاہ ہے
اور اس کے پاس فوج ہو اور توپ ہے اور تلوار ہو اور قوت ہے اور پولیس ہو اور حاکموں
کا ایک گروہ ہو اور جلاد ہو اور جیلخانہ ہے اور بند ہے اور تازیانہ ہو اس انتظام کے
تفصیلی حالات تم کو مجھ سے بہتر معلوم ہیں دوسری ایک سلطنت الٰہی ہو جس کو دین
یا مذہب یا شرع کہتے ہیں اس میں توپ کا نام نہیں تلوار کا کام نہیں اعوان و انصار نہیں
فوج اور سپاہ درکار نہیں مگر دنیا میں جس قدر امن اور چین عافیت ہے اسی الٰہی سلطنت کی
بدولت ہے ظاہر بیں اور کوتاہ بیں ایسا سمجھتے ہیں کہ دنیا کا سارا انتظام حکّام ظاہر کرتے
ہیں استغفر اللہ نہ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں ملک کی ساری پلٹنیں کالوں کی اور
گوروں کی اور سارے رسالے اور سارے توپخانے اور سارے پولیس کے ملازم
اور سارے حاکم سب کے مجموعے کو ملک کی مردم شماری پر پھیلا کر دیکھو تو کیا پڑتا پڑتا ہے
اگرچہ دس ہزار باشندوں پر ایک کا پڑتا بھی نہیں بیٹھے گا مگر فرض کرو کہ دس ہزار پیچھے
ایک تو کیا یہ بات سمجھ میں آنے کی ہو کہ ایک متنفس دس ہزار آدمی کے ضبط پر قادر رکھو
تو آدمی اگر دس ہزار گدھے یا دس ہزار بھیڑ بکریاں بھی ہوں تو ایک چرواہا اُن کو ایک
جگہ کھڑا نہیں رکھ سکتا نہ یہ کہ اُن کو جس کروٹ اٹھائے اٹھیں اور جس کروٹ بٹھائے
بیٹھیں ہاں شاید تمہارے دل میں یہ بات خطور کرےگی کہ حاکم ایک کو سزا دیتا ہو تو دس ہزار
کو عبرت ہوتی ہو لیکن خیال کرنے کی بات ہو کہ جن کو سزا ہوتی اُنھیں کو کیا عبرت ہوتی
کہ دوسروں کو ہوتی ہم نے تو یوں سنا ہو خدا جانے جھوٹ یا سچ کہ بدمعاش لوگ اول
تو گرفت ہی میں نہیں آتے اور اگر کوئی شامت کا مارا اضطرارًا ماخوذ بھی ہوا تو سید نگر والے
(وکیل مختار) اُس کو سزا نہیں ہونے دیتے اور سزا بھی ہوئی تو اُن کی عبرت اس سے

ظاہر ہے کہ چھوٹتے ہیں تو دوسرے قیدیوں کو وصیت کر آتے ہیں کہ دیکھنا بھائی میرے چوٹے کو ہاتھ نہ لگانا مہینا پورا نہیں ہونے پائے گا کہ میں پھر آتا ہوں۔ ہم کو تو کبھی اتفاق نہیں ہوا اور خدا نہ کرے کہ ہو مگر اخباروں میں اکثر دیکھا ہے کہ فلاں مقام پر فلاں خونی کو فلاں تاریخ فلاں وقت پھانسی دی گئی دو ہزار آدمیوں کی بھیڑ تھی۔ عبرت ہو تو ایسی ہو۔ یہ سب نالائق تماشائی تھے اور سنگدل قصائی۔ اس کے علاوہ ایک بدیہی دلیل ایسی ہے کہ اس سے تم کو میری بات کا پورا یقین ہو جائیگا۔ یہ ہلواہا جو بیلوں کو تھان سے کھولکر لیئے جا رہا ہے اس کا کیا نام ہے۔ حاضر۔ اس کا نام غریبا۔ متقی۔ ذرا اسکو بلا۔ حاضر نے بلایا تو اس نے ہل کو کندھے پر سے اتار کر وہیں رکھ دیا اور اسی ہل سے بیلوں کو اٹکا سامنے آ کھڑا ہوا۔ متقی۔ کیوں میاں تمہارا کیا نام ہے۔ غریبا۔ میاں مجکو غریبا کہتے ہیں۔ متقی۔ کون ذات ہو۔ غریبا۔ گوجر۔ متقی۔ تم کتنی کھیتی کرتے ہو۔ غریبا۔ میری کھیتی الگ نہیں (سید حاضر کی طرف اشارہ کرکے) ہاجر (حاضر) میاں کا ہلواہا ہوں اور کھاد میں ایک دو بیگھے کا کھیت بھوما لو بیئے کا ہے اس میں ادھواڑ کا بانٹیے دار ہوں۔ متقی۔ بال بچے کتنے ہیں۔ غریبا۔ (مسکرا کر) بھگوان کی بڑی کرپا ہے۔ آٹھ۔ متقی۔ کسی کا بیاہ برات بھی کیا ہے۔ غریبا۔ ابھی سب نیدان ہیں۔ متقی۔ اتنے کنبے میں کیونکر گزرتی ہوگی۔ غریبا۔ ہاجر (حاضر) میاں کی دیا سے روکھی سوکھی مستی کُستی دو وخت نہیں تو ایک وخت مل ہی جاتی ہے۔ چھوٹے بڑے اُنہی کی ٹہل میں لگے رہتے ہیں یہی سب کو پالتے ہیں۔ متقی۔ کھیت سے بڑی سہانا تیار ہیتی ہے۔ (اشارے سے غریبا کو پاس بلا کر آہستہ سے) کیوں بے آجکل تو کھلیان تیار ہیں رات بے رات موقع پا کر کھلیان پیچھے دو دو ڈولی بھی اٹھا لائے تو کسی کو کیا معلوم اور مزے میں تیرا کام ہو جائے۔ غریبا۔ (دور ہٹ کر) نا میاں

بھگوان برا کرم نہ کرائے۔ متقی۔ کیوں کیا جاگا چوکی دا سے ڈرتا ہے اس کو ہم
سمجھا دینگے۔ غریبا۔ جاگا۔ (گالی) کہاں کا سورما ہے ایک ڈپٹ بتاؤں تو (گالی) دھوتی
میں.... پر نہیں برا کام براہی ہے۔ متقی۔ ابے مسخرے کسی کو کانوں کان تو خبر ہونے
کی نہیں یہ اچھا ہے کہ تن پر چیتھڑا نہیں پیٹ کو ٹکڑا نہیں۔ غریبا۔ مالک پڑا مت
دیکھو بھگوان سے تو کچھ چھپا نہیں اس کے بعد متقی نے استمالت کی دو چار باتیں
کر کے غریبا کو تو رخصت کیا اور سید حاضر سے کہا کیوں صاحب آپ نے دیکھا یہی انتظام
الٰہی ہے کہ یہ بیچارہ نہ تو پڑھا اور نہ لکھا اور نہ شاید ساری عمر کسی پنڈت برہمن کی
صحبت میں بیٹھا۔ ضرورت اس درجے کی کہ اگر سچ پوچھیے تو فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ
کا مصداق ہے اندیشۂ پاسبان سے مطمئن اور اس پر چوری کو سمجھتا ہے کہ برا کام ہے
اصل میں برا سمجھنا اس کو چوری کے ارتکاب کا مانع ہے اور یہ سمجھ یعنے برے بھلے
کا امتیاز جو خدا نے مرد عورت لڑکے جوان بوڑھے خواندہ ناخواندہ ذہین غبی شہری
دیہاتی سب بنی آدم کو علی قدر مراتب دیا ہے ایک پاسبانِ الٰہی ہے جو ہر ایک پر مسلط ہے
اس کو کراماً کاتبین کہو یا نفسِ لوّامہ سمجھو یا جن الفاظ سے چاہو تعبیر کرو میرا عقیدہ تو یہ
ہے کہ جرموں کا انسداد لاکھ حصے سلطنتِ الٰہی کی تاثیر سے ہے تو شاید ایک حصے حکومتِ
ظاہری کی تدابیر سے۔ حکومتِ ظاہری میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ حاکم کیسا ہی منصف
کیوں نہ ہو چونکہ اس کو معاملے کی اصل حقیقت سے تو آگہی ہوتی نہیں ناچار اسے روداد
کی پابندی کرنی پڑتی ہے اور روداد کی کیفیت تو کوئی ہمارے سبد نگری بھائیوں سے

له یعنی انسان نہ دیکھے تو خدا تو دیکھتا ہے [illegible]
سله قرآن کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے [illegible]
سله [illegible]

پوچھے کہ کہو تو مکھی کو بھینسا بنا دیں اور فرماؤ تو بھینسے کو مچھر بنا کر اُڑا دیں پس حکم ظاہری
کبھی پورا پورا انصاف کر ہی نہیں سکتا۔ اس کا فیصلہ اندھے کی لاٹھی ہی لگی لگی نہ لگی
نہ لگی برخلاف سلطنتِ الٰہی کے اس کا نشانہ ممکن نہیں کہ خطا کرے۔ اس کا مجرم ہو
نہیں سکتا کہ سزا سے بچ جائے کس کی مجال ہے کہ اس کی ڈگری کو روکے کس
کی طاقت ہے کہ اس کے حکم کو ٹالے۔ اگرچہ خدائی فیصلوں کے لیے ایک دن مقرر
ہے یعنے روزِ قیامت کہ اس دن اللہ جَلَّ وَعَلَا شَانُہٗ عدل و انصاف کے تخت پر
اجلاس فرمائے گا اور نیک اور بد اور سخی اور سوم اور ظالم اور مظلوم سب کا اخیر چکوتہ
کردے گا۔ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ مگر کبھی مصلحتِ الٰہی اس کی بھی
مقتضی ہوتی ہے کہ اسی دنیا میں بدلا مل جاتا ہے۔ یہی سید نگر ہے کہ اب سے بہت
زیادہ دور بھی نہیں شاید بیس برس پہلے دس بارہ ہاتھی سادات کے دروازوں پر
کھڑے جھولتے تھے اور انکی سخاوت اور داد و دہش اور مہمان نوازی اور مسافر پروری کی
کیا شہرت تھی کہ کربلا اور بغداد اور حرمین اور نجف اور کاظمین تک کے زوار ہر سال نام
سن کر آتے تھے میں اُن دنوں اچھا خاصہ ہوشیار تھا مجھ کو اب تک یاد ہے کہ اس
بڑی مسجد میں دو ڈھائی سو طالب العلم رہتے تھے اور یہیں کے سادات اُن کے کھانے
کپڑے کتاب سب چیزوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ طالب العلموں کے پڑھانیکے لیے
بیش قرار تنخواہوں کے پانچ یا چھ اچھے جید حافظ اور مولوی نوکر تھے سارے مہینے رمضان
کے اور دس دن محرم کے غربا اور مساکین کیلیے اس قدر کھانے پکتے تھے کہ اس کا
ٹھیک اندازہ کرنا مشکل ہی بارہ کوس کے گردے کی تمام خلقت ٹوٹتی تھی اور کیا نیتوں کی
برکت تھی کہ ہزار دو ہزار پانچ ہزار جتنے آدمی ہوتے ہر شخص کو دو خمیری روٹیاں ایک پیالہ

ڈلیے گا اور ایک خوانچہ کھیر کا وقت پر پہنچ جاتا۔ میر بابا صاحب کا گھر اُن دنوں سب میں
بڑھا چڑھا تھا۔ اُن کا حال سنا ہے کہ دونوں وقت گنے ہوئے پورے سو آدمی دسترخوان
پر میر صاحب کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور کیسی خدا کی مہربانی تھی کہ گلی میں دیکھو تو کوڑیوں
لڑکے۔ سید نگر میں کبھی کسی سیدانی کو بانجھ اور چھچے سے کم کسی کے بچے سننے میں نہیں
آئے غلہ ہمیشہ ارزاں عام بیماری یا وبا کبھی سید نگر کے سوانے میں داخل نہیں ہوئی۔
یکایک گوجروں سے سوانے کی تکرار ہوئی لٹھ چلا طرفین سے آدمی مارے گئے بس اُس
دن سے سید نگر پر تباہی آئی۔ یوں تو سادات اور گوجروں میں سدا سے چھیڑ چھاڑ ہوتی ہی
چلی آتی تھی۔ مگر اس مقدمے میں سادات سراسر بر سر ناحق تھے۔ ہمیشہ سے سید نگر کا
سوانا اُس تیس ہزاری باغ کی مشرقی کھائی تھی یہ باغ عین سوانے پر اسی غرض سے
لگایا گیا تھا کہ گوجر حد سے متجاوز نہ ہوں تکرار اتنی ذرا سی بات پر ہوئی کہ میر بابا کے
بڑے بیٹے میر مقتدر کے سائیسوں نے گوجروں کی رکھانت گھانس باغ کے پورب کاٹنی
شروع کی گوجروں نے مزاحمت کی یہاں تک کہ داتا سنگھ نے جو گوجروں کا سرگروہ اور
میر بابا کا مدِ مقابل تھا اپنا خاص کارندہ میر بابا کے پاس بھیجا وہ کارندہ میر صاحب تک پہنچنے
نہیں پایا کہ بیچ میں میر مقتدر نے اُس کو بہت کچھ سخت وسست کہا اور حق و ناحق ہزاروں
گالیاں داتا سنگھ کو دیں میر مقتدر تھے غصیلے اور بڑے ظالم اور بڑے سخت گیر اور بڑے جابر
مشہور تھے کہتے ہیں کہ دو تین خون اُن کے ہاتھ سے ہوئے مگر دب دبا گئے انھوں
نے ظلماً کتنی بھلے آدمیوں کی ناموس بگاڑی اور عزت ریزی کی۔ میر بابا کے خاندان میں
جو سید لوگ ناطہ نہیں کرتے اصل میں اس کا سبب یہی ہے کہ میر مقتدر نے بلا انتہا بہت
سی عورتوں کو جبراً گھر میں ڈال لیا تھا کوئی ہندنی تھی کوئی چماری کوئی گوجرنی غرض

میر مقتدر کے بعد سے اُن کے خاندان کے نسب کا اعتبار اُٹھ گیا۔ بیٹے کے زور ظلم نے میر بابا کی تمام نیکیوں کو بے قدر کر رکھا تھا نہیں معلوم دیدہ و دانستہ بیٹے کی حرکاتِ ناشائستہ سے چشم پوشی کرتے تھے یا واقع میں مقتدر پر ان کا کچھ اقتدار نہ تھا۔ میر مقتدر کا تمام علاقے میں ایسا زلزلہ تھا کہ کوئی بھلا آدمی سید نگر کی تھانہ داری پر آنے کیلئے رضامند نہیں ہوتا تھا مجبور کیا جاتا تو نوکری سے استعفا دیتا مگر ادھر کا رخ نہ کرتا میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ سید نگر کو مقتدر کے ظلموں نے تباہ کیا اور نزاع سوالے کا ایک بہانہ تھا جب مقتدر نے داتا سنگھ کے کارندے کو برا بھلا کہا اور اس کے مالک کو علے رؤس الاشہاد مغلظات سنائیں وہ بیچارہ اپنا سا منہ لے کر لوٹ گیا اور داتا سنگھ کے آگے جا کر اپنی پگڑی زمین پر دے ماری اور کہا کہ تم نے مجھ کو بے عزت کرایا اور خود بھی بے عزت ہوئے آج میر بابا کے بیٹے نے بھری کچہری میں مجھ کو اور تمکو دونوں کو فضیحت کیا اور ایسی ایسی گالیاں دیں کہ کوئی چمار کو بھی نہیں دیتا۔ داتا سنگھ بڑی غیرت اور بڑے طنطنے کا آدمی تھا اور کسی بات میں میر بابا سے ہیٹا نہ تھا سن کر لال ہو گیا اور کہا کہ اس مسلمان کے چھوکرے کا اتنا مقدور خیر اب لڑائی ہی تو لڑائی ہی سہی داتا سنگھ کے منہ سے اتنی بات کا نکلنا تھا کہ ڈیڑھ دو ہزار گوجر بھاری بھاری لٹھ کندھوں پر دھر کھانٹ پر جا موجود ہوئے۔ میر صاحب کے گھسیارے اُن کو دور سے دیکھ بھاگ کھڑے ہوئے سید نگر میں خبر ہوئی ادھر سے لشکرِ سادات نکلا دو پہر کامل لٹھ چلا دونوں طرف کے دو سو آدمی زخمی ہوئے۔ چار گھڑی رات جاتے جاتے سرکاری فوج توپ لے کر آ پہنچی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تحقیقات ہونے لگی اور نتیجہ یہ ہوا۔

	قید		قصاص
	دائم الحبس	میعادی	
گوجر	۵	۵۱	۷
سادات	۲۲	۱۰۱	۱۸

ہنگاموں اور خانہ جنگیوں میں اکثر سزا کا پلّہ دونو طرف برابر رہتا ہے مگر سیدوں نے بڑا غضب یہ کیا کہ اِدھر تو سواسے پر لڑائی ہو رہی تھی اُدھر ڈھائی تین سو آدمی سیدنگر سے نکل کتنی کاٹ گوجراپور میں جا گھسے اور وہاں گوجروں کے مندروں کو توڑا پھوڑا عورتوں کو بے عزت کیا یوں سیدوں کی طرف سے زیادتی بہت ہوئی اور سزا بھی بہتوں نے پائی۔ میر بابا نے تو جس وقت سرکاری فوج کا آنا سنا اسی وقت زہر کھا کر مر رہے میر مقتدر کسی تدبیر سے بھاگ نکلے گھر بار ضبط ہوا اسباب نیلام ہوا بیٹوں میں تین یا چار نابالغ بچے تھے وہ تو بچے دو نے پھانسی پائی اور دو کالے پانی بھیجے گئے میر مقتدر کے لیئے پانسو روپے کا اشتہار رہا مگر پکڑے نہ گئے رفیق اُن کا ایک خانہ پرورد اُن کے ساتھ بھاگا دس بارہ برس بعد اکیلا واپس آیا بڑا نمازی بڑا پرہیزگار وہ بیان کرتا تھا اُن کی مصیبتیں کہ سُنکر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے کہتا تھا کہ آخر کار کسی مقام پر بغداد کے علاقے میں میر مقتدر مرضِ موت میں مبتلا ہوئے مگر ایسی سختی کی موت ہمنے تو دیکھی کیا سُنی بھی نہیں پورے پندرہ دن بَول و براز بند تھا نہ مسہل اثر کرتا تھا نہ حقنہ نہ پچکاری دن اور رات مچھلی کی طرح تڑپتے تھے اور کسی وقت تالو سے زبان نہیں لگتی تھی بَول و براز کے بند ہونے سے مادّے میں سمیت پیدا ہوئی اور سمیت ظاہرِ جلد تک پھوٹ پڑی باوجودے کہ نہایت گورے چٹّے آدمی تھے اور اُن مصیبتوں میں بھی ایرانی معلوم ہوتے تھے سمیت کی وجہ سے سارا جسم ایسا ہو گیا تھا جیسے سیاہ توا اور سوزش اس بلا کی کہ کچھ

میں لوٹے لوٹے پھرتے تھے مگر ایک لمحہ قرار نہ تھا مرنے سے سات دن پہلے نہیں معلوم کیا بات تھی بیہوشی میں وطن کے لوگوں کے نام لے لے کر کہتے تھے فلانا مجکو مارے ڈالتا ہی فلانا گرم سیخیں میرے پیٹ میں بھونکتا ہی فلانا مجکو تنور میں دھکا دیتا ہی فلانا میری کھال کھینچتا ہے رفیق کا مقولہ یہ تھا کہ جن لوگوں کے وہ نام لیتے تھے وہ تھے جن پر انہوں نے ظلم کیئے تھے۔ رفیق یہ دیکھکر اس قدر مرعوب ہوا کہ گویا اُسی دن سے اس نے ترکِ دنیا کیا۔ غرض وہ کمبخت سوا لنے کا مقدمہ کیا ہوا تھا کہ سید نگر کے حصے کی قیامت آگئی آبرو اور جان اور مال کا جو نقصان ہوا تھا سو ہوا تھا ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ سادات سے خیر بالکل اُٹھ گئی۔ اب اس نواح میں سید کے معنے ہیں مفسد لڑاکو جھگڑالو مردم آزار۔ جھوٹا جعلساز مفتری فتنہ پرواز۔ اور واقع میں لوگوں کے افعال اور معاملات پر نظر کرتے ہیں تو جس قدر بدنامی ہو رہی ہی اس سے زیادہ کے مستحق ہیں۔ گوجروں کے ساتھ لڑنے کا مزہ چکھ چکے تھے چاہیئے تھا کہ لڑائی کے پاس نہ پھٹکتے مگر اُلٹا اثر یہ دیکھنے میں آیا کہ بھائی بھائی سے لڑنے لگا باپ بیٹے سے بٹیا ماں سے میاں بی بی سے پڑوسی پڑوسی سے حصہ دار حصہ دار سے زمین دار کاشتکار سے گویا لڑائی ان کے خمیر میں داخل ہی بے لڑے ان کو نیند نہیں آتی یا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ شرافت نجابت کے دعوے اتنے لمبے چوڑے کہ کسی کو اپنا کفو نہیں سمجھتے مگر معاملات ایسے کہ پاجی سے پاجی کو شرم آئے اور کمینے سے کمینے کو عار۔ سید نگر کی کھیوٹ نکالکر دیکھو جھڑا عورتوں کے نام ہیں کسی کی جورو کسی کی بیٹی کسی کی بہن دیوانی و فوجداری میں مہر اور نان و نفقہ اور طلاق کے جتنے مقدمے ایک سید نگر کے ہوں گے شاید ساری لفٹنٹی کے نہ ہوں۔ مگر ان تمام فسادات کے نتیجے کیا ہیں تم لوگوں کے گھروں

ہیں سٹامپ کے بڑے بڑے پشتارے بہت نکلینگے بیبیوں کے جسم پر چاندی کا تار نہیں
باوجودیکہ دیہاتی پہناوا ہی گنٹھڑی میں سلیقے کا کوئی کپڑا نہیں جوار باجرا سانوان
کودون جو کچھ بیہڑ میں پیدا ہوا اُسی پر تمہاری گزران ہی۔ تمہارا علاقہ شہد کی مکھیوں کا
چھتا ہے جتنے پیدا ہوتے گئے اُسی میں بھرتے گئے ہیں اگر تمہارے علاقے کا بہتیم
بندوبست ہوتا تو بیگہ بسوا بسوانسی کچوانسی سب موقوف کر کے کسور اعشاریہ میں تمہارا کھیوٹ بنا
یہ حال تو تمہاری حصہ داریوں کا ہو گیا ہی اس پر طرہ یہ ہی کہ جس حصے کو دیکھیے کثرتِ انتقالات
سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ایک کباب ہے، اور اُس میں ہزارہا چینوٹیاں۔ سیدزادوں کو
دیکھا تو اِس سرے سے اُس سرے تک ایک ہوشیار نہیں کسی میں آیندہ کی فلاح کے آثار
نہیں۔ یہ وبال یہ نکبت یہ قلت یہ افلاس سب تمہارے ہی اعمال کی سزا ہی اور اگر یہ پوری سزا
ہوتی تو تم سستے چھوٹ گئے تھے یقین جانو سزا نہیں ہے بلکہ تمہیدِ سزا۔ جب سزا کا وقت آئیگا
تو یہ تمہارا قانون اور قاعدہ کچھ نہیں پوچھا جائیگا۔ حقوق کے متعلق ایک بات اور ہے جس کو
میں چاہتا ہوں کہ تم اُس کی طرف زیادہ توجہ کرو وہ یہ ہی کہ انسان کے ذمے دو طرح کے
حقوق ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ لوگ حقوق العباد کی نسبت بڑی غلطی میں پڑے
ہیں اور اُن کو آسان سمجھ لیا ہی حالانکہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے اگر کسی آدمی سے اللہ کے
حقوق ضائع ہوں اور سبھی سے ہوتے ہیں تو بندے کا خدا سے کیا مقابلہ حقوقِ الٰہی کا
ضیاع اکثر سہو اور غفلت اور نادانی اور کوتاہ اندیشی کی وجہ سے ہوتا ہے اور امید ہی کہ خداوند
غفور و رحیم بندوں کے ضعف پر نظر فرما کر اُن کے قصور معاف کرے اور کریگا مگر حقوق العباد کا
یہ حال نہیں ہی اُس میں ایک بندہ زور سے ظلم سے ہیکڑی سے زبردستی سے دوسرے
بندے کو ستاتا اُس کا دل دکھاتا اُس کو ایذا پہنچاتا ہی اور اِس قصور کا معاف کرنا نہ کرنا

اُنہی بندۂ مظلوم کے اختیار میں ہے مگر انصاف کرو دنیا میں کتنے لوگ اس کی پرواہ کرتے
ہیں۔ لاکھوں مظلمے ہیں جنکو بندگانِ خدا مرتے وقت اپنے سروں پر لاد کر لے جاتے ہیں۔ بات
یہ ہے کہ دین کو کھیل اور مذہب کو ہنسی سمجھ رکھا ہے منہ سے کہتے ہیں کہ مرنا برحق نکیرین کے
ساتھ سوال وجواب کا ہونا برحق عذابِ قبر برحق قیامت برحق مرے بعد پھر زندہ ہونا برحق
رتی رتی کا حساب دینا برحق جنت برحق دوزخ برحق اور کردار حق تھو۔ سید حاضر مجھ میں تم میں
قرابت کا ایک تعلق ہے اور جیسا میں نے تم سے کہا تعلق سے پیدا ہوتے ہیں حقوق
اور فرائض میں اس کو اپنا فرضِ تعلق سمجھتا تھا کہ تمہارے فرائض کو تم پر بالاجمال ظاہر
کردوں سو میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ یہ کہہ کر متقی بھانجے سے رخصت ہوا اور چلتے
چلتے کہہ گیا کہ افسوس ہے سید ناظر سے ملاقات نہ ہوئی ان شاء اللہ پھر کسی دن آؤنگا میر متقی
ملنے اچھے خاصے پہر سوا پہر سید حاضر کے ساتھ باتیں کیں اس تمام وقت میں سید حاضر
کا یہ حال تھا کہ ماموں کے منہ پر اسکی ٹکٹکی بندھی ہوئی تھی اور ہمہ تن گوش ہو کر انکی
باتوں میں مستغرق تھا جو لفظ ماموں کے منہ سے نکلتا اس کے دل میں کالنقش فی الحجر
بیٹھتا چلا جاتا۔ حاضر کے کان ایسی باتوں سے مطلق آشنا نہ تھے اس پر میر متقی کا بیان
کہ گویا ایک دریا ہے کہ موجیں مار رہا ہے یا ریل ہے کہ فی گھنٹہ سو میل کی رفتار سے
دوڑ رہی ہے یا بھری برسات میں ساون بھادوں کا بادل ہے کہ اُمڈا چلا آرہا ہے
اور پھر باتیں کھری سچی ستھری جن میں ذرا اینچ پینچ نہیں دنیا کے فائدوں کی ضامن
دین کی درستی کی کفیل بھلائی کی صلاح بہتری کا مشورہ سید حاضر بت کی طرح چپ بیٹھا
سنتا رہا اگرچہ گاؤں کا کام کاج کرتا تھا مگر کونسا گاؤں سید نگر جہاں کے پرچونیے ساہوکاروں
کے شکمی کاشتکار تعلقہ داروں کے۔ جاہلِ محض لیاقت شعاروں کے۔ اہلِ مقدمہ وکیل

مختاروں کے کان کترتے تھے مگر متقی نے اتنا کچھ کہا اور سید حاضر سے جواب کرتے نہ بن پڑی

دسویں فصل سید حاضر کا میر متقی کے وعظ سے متاثر او رمتنبہ ہو کر بہن کو اُس کا حق دینے پر آمادہ ہونا اور دونوں بھائیوں کی اسی بات پر باہمی رنجش

میر متقی کے چلے جانیکے بعد بھی سید حاضر دیر تک سکتے کے عالم میں تھا اپنے یہاں کے معاملات میں سے جس معاملے پر نظر کرتا تھا کسی کو دخلِ فساد سے اتلافِ حقوق العباد سے خالی نہیں پاتا تھا جن باتوں پر اُس کو بڑا ناز تھا اب اُس کی نظر میں نہایت ذلیل و پاجی پن کی دلیل معلوم ہوتی تھیں۔ وہ گھبرایا ہوا اکیلا دالان میں ٹہل رہا تھا اور اس قدر بے قرار تھا کہ جاڑے کے دن اور شام کا وقت اُس کو پسینے پر پسینے چلے آتے تھے اور دیکھتا تھا کہ کھانا اور پینا اور اوڑھنا اور بچھونا اور ساز و سامان اور مال و متاع اور نقد و جنس حتے کہ اپنا گوشت پوست کوئی چیز بھی لوثِ حرمت سے پاک نہیں پاتا تھا کہ بد کرداری اور بدمعاملگی ہماری برادری اور ہمارے خاندان میں ابًا عن جدٍ[1] چلی آتی ہے۔ اگرچہ حاضر و ناظر دونوں باپ کے مرنے سے معاملات کرنے لگے تھے مگر حاضر نے احتساب کیا تو اتنے ہی دنوں میں صدہا مظلمے اُن کے نامۂ اعمال پر چڑھ چکے تھے اور اُن میں اکثر ایسے تھے جن کا تدارک محال تھا اور تلافی ناممکن۔ ہم کو حاضر کی اتنی ہی بات سے تعلق ہے کہ جہاں اُس کو اپنے وقت کے اور بہت سے معاملے یاد آئے اُن میں سے ایک معاملہ غیرۃ بیگم کا بھی تھا اگرچہ غیرۃ بیگم کے معاملے میں ابتدا ء

[1] یعنی ۔ بطور میراث باپ دادا سے متوارث چلی آتی ہے ۱۲

تحریک ناظر کی طرف سے ہوئی اور اُسی کو اُس میں زیادہ اصرار بھی تھا مگر پھر بھی حاضر کا اتنا قصور تو تھا کہ بڑا بھائی ہو کر اُس نے ناظر کو سمجھایا نہیں غیرۃ بیگم کا خیال آتا تھا۔ کہ فوراً گھوڑا کسوا سوار ہو راتوں رات شہر میں ناظر کے مکان پر جا دستک دی اگلے دن کسی مقدمے کی پیشی تھی اور ناظر آدھی رات تک گواہوں کی تعلیم اور کاغذات کی درستی میں مصروف تھا ابھی اچھی طرح نیند بھری نہ تھی کہ بھائی کی آواز سُنکر چونک پڑا اور لگا پوچھنے خیر تو ہے آپ ایسے سویرے کیونکر آئے۔ حاضر۔ خیر ہے تم باطمینان وقتی ضرورتوں سے فارغ ہو لو تو میں اپنے آنے کی وجہ بیان کر دوں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ تھوڑی دیر بعد جب دونوں بھائی یکجا ہوئے تو حاضر نے پوچھا چھوٹے ماموں آئے ہیں تم اُن سے ملے۔ ناظر۔ ماموں کا آنا تو مجھ کو معلوم ہوا مگر میں ملا نہیں اور ملنے کا ارادہ بھی نہیں۔ حاضر۔ کیوں۔ ناظر۔ میں جانتا ہوں وہ آپا کا جھگڑا ضرور نکالینگے اور مجکو کسی طرح آپا کا حصّہ دینا منظور نہیں بے فائدہ باتوں ہی باتوں میں تکرار ہو پڑیگی حاضر۔ کیوں بیچاری غیرت نے ایسا قصور کیا کیا ہے کیا وہ ہماری حقیقی بہن اور متروکہ پدری میں عند اللہ اور عند الرسول حقدار نہیں ہے۔ حاضر کے منہ سے یہ سوال سُنکر ناظر کے کان کھڑے ہوئے آدمی تھا معاملہ فہم معاملہ شناس فوراً تاڑ گیا کہ بھائی ماموں سے ملے اور ماموں نے پٹی پڑھائی تو کہتا کیا ہے کہ اگر ماموں کوئی فتوے مکے سے لکھوا کر لائے ہوں تو اُس کو اپنی قدوری میں چپکا رکھیں اُنکو شاید یہ معلوم نہو گا کہ یہاں شریف مکہ کا حکم نہیں چلتا انگریز بہادر کی عملداری ہے۔ ہمیں لیگل سوال نکی جستجو میں پریوی کونسل اور عدالتہائے عالیہ ہائیکورٹ اور چیف کورٹ اور جوڈیشل کمشنر کے فیصلوں اور میکناٹن اور سر ہنری لا کی شرع محمدی سے وہ وہ نظائر اور احکام چھانٹ کر رکھے ہیں

کہ اگر آپا سے جہیز واپس نہ کرا لوں تو سید نہیں چمار۔ حاضر کو بھی بھائی کی اس قدر خشونت[1]
دیکھکر نہایت استعجاب[2] ہوا کیونکہ اُس نے آجتک حاضر کے روبرو ایسی شوخ چشمی کے
ساتھ کبھی بات نہیں کی تھی اور بولا کہ تم ماموں سے ناحق بدگمان ہوتے ہو میں اُن سے
ملا بے شک اور وہ تعزیت کے لیے سید نگر تشریف لے گئے بلاشبہہ مگر غیرت بیگم کا نام تک اُن
بیچارے نے نہیں لیا اور افسوس ہے کہ تمنے اُن کی شان میں خورد ہو کر اس قدر گستاخی
کی اور وہ بھی غائبانہ پس تم نے ایک بزرگ کا حق تلف کیا۔ ناظر۔ اُنہوں نے آپا کا نام
نہ لیا ہوگا الکنایۃ[3] ابلغ من الصراحۃ اور فرض کیا کہ میں نے گستاخی کی تو قانون نے
صرف ایک ہی گستاخی کو جُرم قرار دیا ہے یعنی حاکمِ عدالت کے ساتھ گستاخی کرنا جبکہ
وہ عدالت کا اجلاس کر رہا ہو اور ظاہر ہے کہ ماموں اُس کے مصداق نہیں ہو سکتے
ناظر کے اس جواب سے حاضر کو سید متقی کی اس بات کی تصدیق ہوئی کہ حکامِ ظاہر کے
انتظام سے پورے طور پر حقوق العباد کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ سید متقی کے وعظ
سے سید حاضر کے خیالات دفعتہً اس قدر متبدل ہو گئے تھے کہ دونوں بھائیوں میں
التیام کا ہونا محال تھا۔ ناظر اپنے اسی پُرانے موروثی ڈھرّے پر چلتا تھا کہ قانونی
گرفت بچا کر جہانتک اور جس طرح ممکن ہو اپنا فائدہ کرنا چاہیے کسی کا حق تلف ہو تو مضائقہ
نہیں کسیکا دل دُکھے تو پروا نہیں عاقبت تباہ ہو تو کچھ حرج نہیں اور سید حاضر کو اب
اِس بلا کا اہتمام تھا کہ ایک غیبت کو بھی وہ اتلافِ حق سمجھا غرض یہ جو سنا کرتے تھے کہ
الدنیا[4] والدین ضرتان۔ یا ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں + این خیال است و محال است و جنوں
اب وہ مطلب حل ہوا کہ حقیقت میں وہ دنیا جو دین کی دشمن ہے اور اُس کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی

---

۱ سختی ۱۲ ۲ تعجب ۱۲ ۳ یعنی بعض اوقات صراحت سے اشارہ زیادہ موثر ہوتا ہے ۱۲ ۴ دنیا اور دین دو سوکنیں ہیں ۱۲

وہ یہ دنیا ہے کہ جیسی ناظر کی تھی جس میں حلال و حرام کا امتیاز نہیں جائز و ناجائز کا
تفرقہ نہیں خدا اور رسول کا خوف نہیں روزِ قیامت کا اندیشہ نہیں۔ ناظر کی اتنی ہی
باتوں سے حاضر کو پورا تیقن ہو گیا کہ اُس کو سمجھانا یا اُس کے ساتھ بحث کرنا محض
بے سود اور لاحاصل ہے اُس پر قانون کی پھٹکار ہے اور اُس کے سر پر چڑھا ہوا جن سوار
اسلیئے زیادہ ردّ و کد مناسب نہ سمجھ کر اُس نے دوٹوک بات ناظر کو سنادی کہ تم اس کو ماموں
کا اغوا سمجھو یا میرا حمق میں تو غیرت بیگم کا حق اب ایک لمحے کیلیئے بھی نہیں رکھ سکتا۔ ناظر
دیکھیئے ایسا کیجیئے گا تو مجھ سے آپسے بگاڑ ہو جائیگا۔ حاضر۔ اگر اتنی ہی بات پر کہ میں
ایک حقدار کا حق مارنا نہیں چاہتا تم مجھ سے بگڑو تو تمہاری خوشی اگرچہ تمہارے
بگڑنے کا مجکو سخت افسوس ہوگا مگر اُس سے ہزار درجے زیادہ افسوس ہوگا اگر
غیرت بیگم کا حق غصباً میرے پاس رہے۔ ناظر۔ یہ آپا کی خصوصیۃ کیا ہے۔ حاضر۔ خصوصیۃ
پوچھو تو وہ ہماری حقیقی بہن ہے مگر ایصالِ حق کیلیئے اُسکی مطلق خصوصیت نہیں ان شاء اللہ
سب حقداروں کے ساتھ میں ایسا ہی معاملہ کرونگا۔ ناظر۔ تو آپ سیدھی بات ہی کیوں
نہیں کہتے کہ ترکِ دنیا پر آمادہ ہیں۔ حاضر۔ اگر مغصوبات کا واپس کر دینا تمہارے نزدیک
ترکِ دنیا ہے تو مجکو اس سے انکار نہیں۔ ناظر۔ بیٹھے بٹھائے یہ آپ کو ہوا کیا ہے پہلے تو
میں ماموں کو مولوی اور حاجی اور جیسا اُنکا نام ہے متقی سمجھتا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ تسخیر یا سحر
کے بھی عامل ہیں۔ حاضر۔ ماموں کی شان میں تمہاری طرف سے یہ دوسری گستاخی اور
دوسری غیبت اور دوسرا اتلافِ حق ہے۔ ناظر۔ میں آپ کو آگاہ کیئے دیتا ہوں کہ یہ گھر کی
تباہی کے سامان ہیں۔ حاضر۔ جس گھر کی آبادی دوسروں کے حقوق کے غصب کرنے پر موقوف
ہو اُس کا تباہ ہونا ہی بہتر ہے۔ ناظر۔ آپنے انجام کار پر بھی نظر کر لی ہے۔ حاضر۔ انجام کار پر نظر

کرنا ہی مجکو تو اس ارادے کا باعث ہوا ہے ناظر تو آپ مجھکو بھی اپنے ساتھ برباد کرتے ہیں
کیسی کیسی محنتوں اور کیسی کیسی تدبیروں سے میں نے ملکیت کو درست کیا اب ایک ڈھنگ پر آچلی تھی
تو آپ ساری عمارت کو جڑ بنیاد سے ڈھائے دیتے ہیں۔ حاضر۔ کیا تمنے مجکو مجنون قرار دیا ہے
یا مخبوط الحواس سمجھا ہے دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا ہے جو دیدہ و دانستہ اپنے پاؤں میں آپ
کلہاڑی مارے یا سمجھ بوجھ کر اپنے رہنے کے مکان میں آپ آگ لگائے فرق صرف اتنا ہی ہے کہ
اس بات کا میں نے قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ دنیا کو دین پر ترجیح نہ دوں اور جس دنیاوی فائدے
میں دین کا ضرر ہے اُس کی طمع نہ کروں اگر ایسا کرنے سے میری دنیا برباد ہوتی ہو تو ہو اور اگر
مجھ پر دنیاوی تباہی آتی ہے تو آئے جب میں نے دین کے خلاف دنیاوی فائدے کا لالچ
نہ کیا تو دنیاوی نقصان کی میں کیا پروا کر سکتا ہوں ناظر میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں
تمہارے فائدوں کو بہت ہی عزیز رکھتا ہوں مگر وہیں تک کہ وہ فائدے جائز طور پر
حاصل کیئے جائیں غصب اور ظلم اور دغا اور فساد اور اتلافِ حقوق العباد کو نہ میں اپنے
لیئے جائز رکھتا ہوں اور نہ تمہارے لیئے۔ ناظر یہی تو میں کہتا ہوں کہ آپ پر ما مولنے جادو کیا
حاضر۔ اگر تمہارے نزدیک یہ جادو ہے تو یہی جادو تمام پیغمبر صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین تمام
اولیا تمام انبیا تمام اتقیا کرتے آئے ہیں مگر جادو ایک مکروہ لفظ ہے اس کا استعمال بزرگانِ
دین کے حق میں میرے نزدیک تو درست نہیں۔ ناظر۔ اچھا تو ایک کام کیجے آپ اپنے حصے کا
بٹوارہ کرا لیجے اور علیحدہ ہو جایئے۔ حاضر۔ میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا تھا مگر اس صورت
میں مشکل یہ ہے کہ جب تک ملکیت تمام مظالم سے پاک نہو میں اُس میں سے حصہ لے نہیں
سکتا۔ ناظر۔ آپنے ساری ملکیت کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ اپنے مذہب کے رو سے حصہ پدری میں سے
جتنا حصہ آپ اپنا سمجھتے ہوں الگ کر لیجئے۔ حاضر۔ والد مرحوم کی جگہ میرا اور تمہارا اور غیرہ بیگم

تینوں کا نام لکھا جانا چاہیئے لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ[1] ہم دونوں نے ناحق اور ناروا بہن کو محروم کر کے اپنے ہی نام چڑھوا ے تو نصف نصف ہم دونوں کا ہوا پس سرکاری کاغذات میں میرا نصف حصہ لکھا ہے اس میں بھی تو غیرۃ بیگم کا ایک عُشر شامل ہے جس کو میں اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتا۔ ناظر۔ آپ بٹوارے کی درخواست میں لکھ دیجئے کہ اگرچہ میرے نام نصف حصہ لکھا ہے مگر حقیقت میں میرا دو خُمس ہوتا ہے اسیقدر کا میں بٹوارہ چاہتا ہوں۔ حاکم آپ کی درخواست تصدیق کر کے آپکے دو خُمس کا بٹوارہ کر دیگا۔ حاضر۔ تو غیرت بیگم کا یہ ایک عُشر بھی تمہاری طرف منتقل ہو جائیگا۔ ناظر۔ آپ کا اس میں حرج کیا ہے۔ غیرت بیگم کا مطالبہ میرے سر رہیگا۔ حاضر۔ تو اس کے یہ معنے ہیں کہ میں غیرت بیگم کا ایک عُشر جو میرے نام ہے تمہارے نام منتقل کر دوں۔ ناظر۔ خیر معنے مطلب تو میں سمجھتا نہیں ایک راہ کی بات جو میں نے آپ کو بتائی اگر آپ کو مجھ سے پرخاش نہیں ہے تو جس طرح میں نے بیان کیا درخواست لکھیئے اور پیش حاکم اُس کو چل کر تصدیق کرائیے باقی مراتب میں دیکھ بھال لونگا آپ کو وہی دو خُمس ملے گا جو آپ چاہتے ہیں۔ حاضر۔ غیرت بیگم کا ایک عُشر میں تمہارے نام تو منتقل نہیں کرا سکتا وہ بھی تو نا جائز ہے حقدار کو تو اُس کا حق نہ ملا ہاں اگر کہو تو درخواست میں یہ بات بے شک لکھدوں کہ میرے نام جو نصف حصہ لکھا ہے اس میں دو خُمس میرا ہے اور ایک عُشر غیرت بیگم کا۔ ناظر۔ اس سے تو میری نصفی میں فتور پڑیگا۔ حاضر۔ پڑیگا تو تم جانو میرے اختیار کی بات نہیں ناظر۔ آپکے اس اصرار سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف تقاضاے دینداری نہیں ہے بلکہ باہم لگے سب فساد ہیں۔ حاضر۔ تم بار بار پھر پھر کر ماموں کو اُن کی پیٹھ پیچھے بُرا کہتے جاتے ہو

[1] مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے ۱۲۔

مجکو اس بات سے سخت تکلیف ہوتی ہے یہیں لے تمنے کہا کہ ماموں نے غیرۃ بیگم کا نام تک نہیں لیا اور تمنے میرے کہنے کو سچ نہ جانا فرض کرو ماموں ہی نے مجکو غیرۃ بیگم کا حقِ مغصوب واپس کر دینے پر آمادہ کیا تو کیا احقاقِ حق میں کوشش کرنا فساد ہے۔ ناظر یہ کہکر اُٹھ کھڑا ہوا بہت خوب معلوم ہوا آپ آپا کو اُن کا حصہ دیجیے اگر آپ سے دیا جائے اور وہ لیں اگر اُن سے لیا جائے اور ماموں جس غرض سے بھانجی کی خوشامد میں لگے ہیں مجکو معلوم ہے بتلا بھائی کو انہوں نے دیکھ پایا ہے بھولا بیوقوف چاہتے ہیں کہ بھانجی کے نام سے بڑے ماموں کی تمام املاک پر خود قابض ہو جائیں لیکن (موچھوں پر تاؤ دیکر) اگر ناظر کے دم میں دم ہے تو ماموں کو ایسا مزہ چکھاؤں کہ سات برس بعد توجہ سے پھر کرانا نصیب ہوا اب اُنکو ہجرت ہی کرنی پڑے تو سہی۔ آپا کا حصہ لینا ایسا کیا ہنسی کھیل ہے۔ حاضر بیچارہ اپنا سا منہ لے کر سید نگر واپس گیا غمگین اُداس کیا خدا کی شان ہر کہ کل شاموں شام سید متقی کے وعظ سے حاضر متنبہ ہوا توبہ کی تلافیِ مافات پر آمادہ ہوا راتوں رات بھاگا ہوا بھائی پاس آیا ابھی جی کھولکر بھائی سے باتیں نہیں کرنے پایا تھا کہ سخت امتحان میں پکڑا گیا وہ خوب واقف تھا کہ ناظر ایک سانپ ہے اِس بلا کا زہریلا کہ اُس کا کاٹا پانی نہ مانگے اُسکا ڈسا ہوا پھٹکا نہ کھائے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ناظر اگر بگڑا اور اب اُس کے بگڑنے میں کسر ہی کیا باقی تھی تو کیسی زمین داری اور کس کی حصہ داری گاؤں کا رہنا دشوار کر دیگا اور اُسکے ہاتھوں سے زندگی وبالِ دوش ہو جائیگی۔ یہ خیال کر کے وہ جی ہی جی میں اپنے آپکو سمجھاتا تھا کہ تجھ کو بھائی کے ساتھ بگاڑنا کیا ضرور ہے اگر وہ غیرۃ بیگم کا حصہ نہیں دیتا نہ دے وہ جانے اُس کا کام جانے اپنا اپنا کرنا اپنا اپنا بھرنا غیرت بیگم کو حصہ لینا ہوگا تو آپ سے آپ نالش کریں گی۔ ہر کسے مصلحتِ خویش نکو مے داند۔ میری طرف سے اتنا

میری طرف سے اتنا کافی ہے کہ ابھی سے غیرۃ بیگم کے حصّے سے دست بردار ہو جاؤں اور اگر نالش ہو تو دعوے کی تردید نہ کروں پھر سوچا تھا کہ ابتک جو غیرۃ بیگم حصے سے بے دخل رہیں اُسکا وبال جیسا ناظر پر ویسا مجھپر کیونکہ ہم دونوں نے ملکر غیرۃ بیگم کو محروم کیا بلکہ ایک اعتبار سے مجھ پر زیادہ اور ناظر پر کم کیونکہ میں پٹی کا نمبردار ہوں اور پٹی کی تحصیل وصول میرے ہاتھوں سے ہوتی ہے علاوہ اسکے کیا یہ انصاف کی بات ہے کہ ہم دونو بھائی تو بے زحمت اپنے حقوق پر قابض ہوں اور غیرت بیگم کو نالش کرنے پر مجبور کریں صرف اس وجہ سے کہ وہ عورت ہے پردہ نشین اور کوئی اُسکے حق کی حفاظت کرنیوالا نہیں دنیا میں آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی تو خدا کو کیا جواب دینگے اور مانا کہ میں غیرت بیگم کے حصّے سے دست بردار ہو بیٹھا تو وہی بات پھر آئی کہ میں نے نہ لیا ناظر کو لینے دیا غیرۃ بیگم کو تو اُسکا حق نہ پہنچا علاوہ بریں آجتک تو اکیلا غیرۃ بیگم کا معاملہ ہے اُس میں حجت ہے ابھی تو ایسے ایسے صدہا معاملے نکلینگے غربا کے ضعفا کے اور ایسے لوگوں کے جنکو سوا خدا کے کہیں پناہ نہیں اور ناظر کا منشا تو معلوم ہو چکا کہ وہ تو سوا قانون کے خدا و رسول کسی سے ڈرنے دینے والا نہیں تو بکری کی ماں کبتک خیر منائے گی بھائی سے تو ایک نہ ایک دن بگڑے ہی گی اور آج اگر غیرۃ بیگم کے معاملے میں میں نے ذرا بھی اپنا ضعف ظاہر کیا پھر تو ناظر کی جیت ہے غرض یہ تزلزل ٹھیک نہیں بلکہ وسوسۂ شیطانی ہے ؛

گیارہویں فصل سید حامد نے بتقاضائے دینداری علی رغم انف سید ناظر اپنی بہن کو اُس کا حق دلایا

ایسے ابتلا کے وقت میں خدا نے حامد کی مدد کی اُسکو معلوم تھا کہ ناظر کے پاس مسل وہ سٹامپ

کا ایک بستہ آخر ڈھونڈنے سے ملا کھولکر دیکھتا ہے تو اسمیں پرانے پچھلے سنوں کے متعدد قطعات ہیں سمجھا کہ ناظر نے کسی ارادہ فاسد سے انکو بہم پہنچایا ہے اُس نے اٹھنی کا ایک قطعہ نیا سادہ دیکھکر تو لیلیا اور باقی اُس فساد کی پوٹ کو چولہے میں جھونک دیا جو قطعہ اُسنے نکال لیا تھا اُس پر ایک درخواست لکھی جسکی عبارۃ یہ تھی (نقل درخواست) کہ میں اور سید ناظر اور غیرت بیگم تینوں حقیقی بھائی بہن ہیں غیرۃ بیگم کا نام پٹی داری میں داخل ہونیسے رہ گیا میں پٹی کا نمبردار ہوں اور میرے ہاتھوں پٹی کی تحصیل وصول ہوتی ہے غیرۃ بیگم کے حق اور قبضے کو میں تصدیق کرتا ہوں اسلیئے غیرۃ بیگم کا نام ایک خمس حصے پر چڑھا دیا جائے اور سید درخواست کو رجسٹری کرا حاکم پرگنہ کے نام روانہ کردیا وہاں سے معمول کے مطابق اشتہار جاری ہوا اشتہار کا آنا تھا کہ سید ناظر نے عذرداری کی مقدمہ لڑنے لگا کلکٹری میں تو سرسری کارروائی ہوتی ہے! ور صرف قبضہ دیکھا جاتا ہے۔ چونکہ نمبردار پٹی نے جسکے ہاتھ میں پٹی کی تحصیل وصول تھی غیرۃ بیگم کے قبضے کی تصدیق کی اس سبب سے ناظر کی عذرداری نامنظور اور غیرۃ بیگم کا نام ایک خمس پر داخل ہونیکا حکم ہوگیا مگر سید ناظر محکمۂ کلکٹری کو کیا مال سمجھتا تھا جس وقت داخل خارج کا حکم پہنچا تو اسکے مختار نے تسلی کے طور پر اُس سے کہا کہ نمبردار کے بیان محرر پر حکم ہوگیا ہے یہ حاکم کی رائے ہے اپیل کی بڑی گنجائش ہے ناظر نے کہا اے میاں کہاں کی اپیل اور کسکا مرافعہ کل تو نہیں پرسوں تمکو والد کا تحریری وصیت نامہ لا کر دیتا ہوں اُسکی بنیاد پر اثبات حقیت کا دعوی (خاک از تودہ کلاں بردار) دیوانی میں دائر کردو تو نمبردار صاحب کی ساری شیخی کرکری ہوجائیگی۔ ناظر وصیت نامہ لینے گھر دوڑا ہوا آیا اور سٹامپ کے لینے کی تلاش میں سیدھا کوٹھڑی میں گھسا بستہ ندارد اس کا ماتھا ٹھنکا معلوم ہوا کہ ایک بستہ تو ٹیٹے سمار) کوئی ڈیڑھ مہینا ہوا جلا چکے ہیں یہ سنتے ہی پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ حاضر ناظر

کا جھگڑا ہمارے قصے سے متعلق نہیں ہے خلاصہ یہ کہ دہ نو بھائیوں میں ایسی چلی ایسی چلی کہ سید نگر والوں میں جو بھی سنتا تھا دانتوں میں انگلی رکھ لیتا تھا۔ قاعدہ ہے کہ آلے کے ساتھ گھن بھی پیس جاتا ہے سید حاضر کے ساتھ غیرۃ بیگم اور غیرۃ بیگم کی لپیٹ میں سید متقی کی بھی شامت آئی۔

بارھویں فصل ۱۲ سید ناظر کے فسادات میر متقی کی نسبت عرضی گمنام میر متقی کے سمجھانے سے اصلاح ذات البین کا ہونا

ناظر کو شروع میں صرف اسی پر اصرار تھا کہ غیرۃ بیگم کو حصہ نہ دول سٹامپ کے بستے کا جلانا سنکر وہ بھائی پر نہایت برافروختہ ہوا اور اُس نے دیوانی میں سالم حقیت پدری کا دعوےٰ دائر کیا اس بیان سے کہ نہ حاضر میر باقر کا بیٹا ہے اور نہ غیرۃ بیگم میر باقر کی بیٹی اُس نے بات یہ بنائی کہ میر باقر کا اکلوتا بیٹا میں ہوں میرے پیدا ہونے میں دیر ہوئی تو میر باقر نے پالک کے طور پر حاضر کی پرورش اور پرداخت کرنے لگے اور اس بیان کی تائید میں سٹامپ کے کاغذ پر ایک وصیت نامہ پیش کیا جس پر میر باقر کی مہر تھی اور اُسکا سوادِ خط بھی میر صاحب کے خط سے اشبہ میر متقی کی نسبت ایک گمنام عرضی لفٹنٹی میں پہنچی کہ سلطانِ روم کیطرف سے جاسوس بنکر آئے ہیں اور لوگوں کو چپکے چپکے جہاد کی ترغیب دیتے ہیں اور عنقریب ہندو مسلمانوں میں انکے اغوا سے فسادِ عظیم ہونیوالا ہے۔ سید حاضر کو جب دیوانی کے دعوے کا حال معلوم ہوا تو عرضی دعوے کی نقل لیکر سید متقی کے پاس دوڑا ہوا آیا۔ سید متقی کو اسوقت تک داخلخارج کے سوا کچھ حال معلوم نہ تھا دور سے حاضر کو دیکھتے ہی خوش ہو کر لگے تحسین و رضا کی باتیں کرنے۔ حاضر نے پاس آکر ناظر کے عرضی دعوے کی نقل دکھائی تو اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون کہکر ایسے سناٹے میں گئے کہ بہت دیر ہو گئی اور بھلا یا برا کوئی ہی لفظ منہ سے نہ نکلا تو حاضر نے خود ابتدا کی

اور کہا کہ میں اس غرض سے حاضر ہوا تھا کہ میں تو اپنے میں ناظر کے مقابلے کی طاقت
نہیں پاتا عزت کو آبرو کو سچائی کو دین کو ایمان کو خوف خدا کو سب کو ایک دم سے بالائے طاق
رکھدوں تو ناظر کے ساتھ لڑنیکا نام لوں اور یہ مجھسے اب ہو نہیں سکتا ہر چند رہ رہکر غصہ آتا
ہے اور بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اس مردک کو اسی قانون سے جسپر اسکو بڑا گھمنڈ ہے
اُسکے کیے کی ایسی سزا دلواؤں کہ ساری عمر اُسکو قید سے نجات نہو اور اسکی تدبیریں سمجھ میں
آتی ہیں اور میرے اختیار کی بھی ہیں ناظر کتنا ہی قاعدہ دان اور ضابطہ شناس کیوں نہو
مگر آخر ہے تو مجھ سے چھوٹا لیکن آپکے ارشاد کیمطابق میں خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ دنیا
کیلیئے دین کو نہیں بگاڑونگا اب دنیا میں ایک فضیحت نہیں ہزار فضیحت اور ایک نقصان
نہیں ہزار نقصان کیوں نہ ہو جائیں اس عہد کو تو میں توڑ نہیں سکتا مگر ناظر کے حملے
سے بچنے کیلیئے میں نے ایک تدبیر سوچی ہے کہ میر غالب کو آپ جانتے ہونگے وہ بھی ان
دنوں سید نگر کے بڑے چلتے ہوئے پرزوں میں ہیں سید نگر خاص میں انکا بھی تھوڑا سا حصہ
ہے انکی وکالت آجکل بڑے زوروں پر ہے چندروز ہوئے مجھسے کہتے تھے کہ اگر کوئی
حصہ بکتا ہو۔ تو مجھکو خبر کرنا تو میں نے یہ تجویز سوچی ہے کہ اپنا حصہ اُنکے ہاتھ فروخت کردوں
جواب ترکی بترکی وہ ناظر سے سمجھ بوجھ لینگے اتنا ہی خیال ہے کہ گاؤں میں حصے سے تو علیا
بر سو طرح کی حکومت ہے مگر جس طرز پر مجھکو آئندہ زندگی کرنی منظور ہے اُس کیلیئے مجھکو
حکومت درکار نہیں آپ سے اتنی بات پوچھنی تھی کہ اگر آپکی صلاح ہو تو غیرت بیگم کے حصے کی
بھی بات چیت میر غالب سے کیجائے میں نہیں سمجھتا کہ غیرۃ بیگم کو ناظر چین لینے دیگا یہ سنکر
میر متقی نے کہا کہ ان معاملات کو تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو قرابت کے اعتبار سے بھی تم نزدیک
تر ہو اور تمہارے معاملے کی سچائی کا یہی بڑا ثبوت ہے کہ کتنے بے فریاد بے نالش غیرۃ بیگم

کو اُسکا حق دیا اور دلوایا اور بلکہ حق کیواسطے تمنے بھائی سے بگاڑ بھی اور اُس بگاڑ کے
نتائج کی پہلی قسط یہ عرضی ہے جو تمنے مجھکو دکھائی خدا حق ہے اور وہ حق سے راضی ہوتا
ہے اور وہی حق دار ونکی حمایت کرنیوالا ہے اور انشاء اللہ آخر حق کو غلبہ ہے اَلْحَقُّ یَعْلُوْا
اس بات میں تم اپنی بہن سے مشورہ کرو لیکن اگر میری رائے پوچھتے ہو تو شروع سے تمنے
غلطی کی تمنے وہ کیا اور آئندہ بھی وہی کرنا چاہتے ہو جو دنیا میں سبھی راست معاملہ کیا کرتے
ہیں اور بلا شبہہ شرع کی رُو سے تمپر کوئی الزام نہیں مگر الزام کے عائد نہونیسے تم کسی تحسین کے بھی
مستحق نہیں ہو سکتے مجھ سے اگر تمنے پہلے پوچھا ہوتا تو میں یہ صلاح دیتا اور اب بھی تمکو اور
عیزۃ بیگم دونو کو صلاح دیتا ہوں کہ اگر کر سکو تو اپنے اپنے حق سے دست بردار ہو جاؤ ایسی کونسی
بڑی مالیت ہے خدا نے تمکو بہت کچھ دے رکھا ہے ناظر کو موروثی کچوالنیاں مبارک لیکن وہی ٹٹے آدمی
بنیں آخر وہ بھی تو کوئی غیر نہیں تھی کہاں گیا کھچڑی میں تین بہن بھائیو نکے پاس نہ رہا ایک
کے پاس رہا بلا شبہہ حصّے کو گو کتنا ہی جزوی کیوں نہ ہو چھوڑنا مشکل ہے خصوصاً جبکہ موروثی ہو
اور اُسی گانو نکا ہو جسمیں رہنا سہنا ہو اور چھوڑنا بھی اسحالت میں کہ گالی گلوچ تک کی نوبت پہنچ
چکی ہو لیکن تم خود کہتے ہو کہ اب بدون فضیحت کے اسکا سنبھالنا ممکن نہیں حصّہ منتقل کر دینے
کی تجویز جو تمنے سوچی ہے صرف من سمجھوتی ہے آخر اسکی تحقیقات تو ہو ہی گی تمہارے مقابلے
میں ہو یا خریدار کے کہ تم دونو میر باقر کی اولاد ہو جیسا کہ واقعی ہے یا نہیں ہو جیسا کہ ناظر
نے عرضی دعوے میں لکھا ہے اگرچہ کامل یقین ہو کہ آخر کار تمکو ناظر کے مقابلے میں ظفر
ہوگی لیکن پھر ہمیشہ کیلیئے وہ تم سے چھوٹ جائیگا اور تم اُس سے اور مدت العمر تمکو باہمی
خرخشوں سے نجات ملنے کی امید نہیں مگر جو تدبیر میں بتاتا ہوں اُسکا انجام جہاں تک
میری سمجھ میں آتا ہے انشاء اللہ یہی ہونا ہے کہ حصّے کا حصّہ تمہارے پاس رہیگا اور تم بھائی

بہن پھر ایک کے ایک ہو جاؤ گے تھوڑی دیر کیلئے فرض کرو کہ ناظر نے کُل حصہ لیا مگر اسطرح
پر کہ وہ لینا چاہتا ہے یعنے جھوٹ بولکر جعل بنا کر بھائی کو بہن کو ماں کو باپ کو یعنی اپنے آپکو
رُسوا اور فضیحتہ کر کے کیسا صاف صاف گالیاں دیکر تو ناظر یہ حصہ لیکر تمکو تو خیر چھوڑ ہی دیگا
مگر کیا بیوی بچے رشتہ دار کنبہ دار قبیلہ برادری خاندان دوست آشنا جان پہچان ایک دم سے
ساری دنیا کو چھوڑ دیگا ایسا تو نہیں ہو سکتا مگر سمجھتے ہو کہ دنیا اُسکو کیا کہیگی لعنت کرے گی
یگانے اور بیگانے سب اُسکے مُنہ پر تھوکینگے لڑکے اُسکے پیچھے تالیاں پیٹیں گے سبکی نظروں میں
وہ خوار اور بے اعتبار اور انکو اور انگشت نما ہوگا در و دیوار اور کوچہ و بازار سے اُسپر پھٹکار
برسے گی یہ حصہ ڈھاک کے کوئلے کا ایک دہکتا ہوا انگارا ہوگا کہ وہ ہرگز اُس کو مٹھی میں سنبھال
نہ سکے گا مشکل سے مشکل مقدمات اور پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات میں تم ایک مختار یا وکیل کے
کہنے پر عمل کرتے ہو اس ایک بات میں خدا کی صلاح پر بھی چلکر دیکھو کہ کیا نتیجہ ہوتا ہے خدا کی
صلاح کیا ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝
یعنے اگر تجھ سے کوئی بُرائی کرے تو بھلائی کے ساتھ اُس کا توڑ کر اور پھر دیکھ کہ یا تو تجھ میں
اور اُسمیں دشمنی تھی یا بات کی بات میں وہ تیرے ساتھ گرمجوشی کرنے لگا حقیقت میں جیسی
میر متقی نے پیشینگوئی کی تھی ویسا ہی ہوا حاضر اور غیرۃ بیگم کیطرف سے ناظر کے دعوے کی
کچھ تردید نہ ہوئی قاعدے کے مطابق دعوے یکطرفہ ڈگری ہو گیا مگر کیسی ڈگری کہ حاکم اور
عملے اور اہل معاملہ اور چپراسی اور مذکوری سبھی نے تو ناظر کو ملامت کی جہاں گیا اُس نے
لتاڑا اور جس سے ملا اُس نے لتھیڑا اور آخر کار ہار کر جھک مار کر کلنک کا ٹیکا ماتھے پر لگا کر
جسقدر گالیاں تقدیر میں تھیں سُنکر جتنی بدنامی قسمت میں تھی بھگت کر بصد منت و ہزار
خوشامد ہاتھ جوڑ کر پاؤں پڑ کر دو (۲) خمس حصہ حاضر کو اور دو (۲) ایک خمس غیرۃ بیگم کو

دیا اور ساری عمر کیلئے ناحق بیٹھے بٹھائے بھائی بہن کا گنونڈا اپنا پڑا سو الگ ✦

تیرھویں فصل ۱۳ میر متقی کا مبتلا کو سمجھانا اور اُسکی اصلاح حال میں کوشش کرنا

پچھلے بیانات سے بخوبی ظاہر ہو گیا ہو گا کہ غیرۃ بیگم کے جتنے معاملات بگڑے تھے سبھی تو خدا نے میر متقی کے ہاتھ سے درست کرا دئے اور کیسی عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کہ نہ لڑائی نہ جھگڑا نہ قصہ نہ فساد نہ غل نہ شور تنخواہیں بھی جاری ہو گئیں مکانات اور دکانات کا بھی انتظام ہو گیا ناظر جیسے موذی کے پنجے سے حصۂ زمینداری بھی چھٹا جسکے چھوٹنے کا کسیکو سان گمان بھی نہ تھا مگر ابھی غیرۃ بیگم کا سب سے بڑا معاملہ باقی تھا یعنے اُس کے شوہر مبتلا کی اصلاح اُس کی آوارگی کا علاج اُس کی بدوضعی کی روک تھام عورت جب بیاہی گئی تو میاں ہی سے اُس کا عیش ہے اور میاں ہی سے اُس کا آرام میاں ہی سے اُس کی توقیر ہے اور میاں ہی سے اُسکا اعزاز و احترام۔ آپس میں پیار اخلاص ہو تو دنیا کی ساری مصیبتیں جھیلی جا سکتی ہیں اور جہاں دلوں میں محبت نہیں پہننے میں مزہ اور کھانے میں لذت نہیں دل میں امنگ نہیں سنگھار میں بہار نہیں پھولوں میں باس نہیں مہندی میں رنگ نہیں میر متقی کچھ اس سے غافل نہ تھے مگر مبتلا کے بارے میں اُنکو بڑی مشکل یہ پیش آ رہی تھی کہ اُنمیں اور مبتلا میں کسی سبب سے اختلاط اور وابستگی کا ہونا ممکن نہ تھا اول تو رشتہ کہ میر متقی مبتلا کے چچا باپ کی جگہ۔ دوسرے عمروں کی بڑائی چھٹائی کہاں میر متقی پچاس پچپن برس کے بڈھے اور کہاں مبتلا بیس برس کا پٹھا تیسرے مبتلا کے ہوش میں میر متقی کو دہلی آتے ہوئے یہ تیسرا پھیرا تھا ایسی صورت میں اجنبیت تو ہونی ہی چاہیے چوتھے وضع میں عادات میں خیالات میں ایک کو دوسرے سے مطلق مناسبت نہیں بس حال یہ تھا کہ میر متقی مردانے میں ہیں تو مبتلا زنان خانے میں اِدھر میر متقی نے زنان خانے میں قدم رکھا اُدھر مبتلا

آہٹ پاتے ہی جھٹ باہر نکل آیا رات دن میں صرف دو بار چچا بھتیجے بضرورت کھانیکے لئے دسترخوان پر جمع ہوتے تھے وہ بھی کسطرح کہ مبتلا نے چچا کے سامنے جانیکے لیئے ٹوپی اور کپڑے اور جوتی سب چیزیں سادہ بھلے مانسونکے استعمال کی الگ کر رکھی تھیں۔ کھانے کیلئے طلبی آئی اور اُس نے جلدی جلدی رگڑ رگڑ کر منہ دھویا موچھونکو جن پر سارے سارے دن مالش رہتی تھی بل نکالکر سیدھا کیا پٹیونکو اُبھارا بالوں کی سج دھج کو بگاڑا۔ کھانیکے نہیں چچا کے سامنے جانیکے کپڑے پہنے اور گریبکیں بنکر جھکے ہوئے نیچی نظر مودب دسترخوان پر جا بیٹھے پھر میر متقی کا کھانا کوئی انگریزی ڈنر تو ہوتا ہی نہ تھا کہ کھانا میز پر آیا اور جتنے کھانیوالے تھے اپنی اپنی کرسیوں پر چڑھنے لگے دنیا بھر کی بکواس شروع ہوئی اور یہ بھی نہیں کہ کھانیکے ضمن میں باتیں کرتے جاتے ہوں بلکہ یوں کہو کہ باتونکے ضمن میں کھانا بھی کھاتے جاتے ہیں میر متقی مولوی آدمی دُور سے کھانا آتا ہوا دیکھ کسی شغل میں ہوں چھوڑ چھاڑ پہنچ پل تک ہاتھ دھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہکر اکڑوں ہو بیٹھے کھانا کھایا مگر اُس کو بھی عبادت سمجھکر خیال یہ کہ آداب الطعام میں سے کوئی ادب متروک نہ ہو پس اِن کے دسترخوان پر بات چیت کا کیا موقع میر متقی مستعجل کہ کم کھاؤں مبتلا منتظر کہ اُٹھ جاؤں الغرض ایسا کوئی موقع نہیں پڑتا تھا کہ چچا بھتیجے میں جی کھولکر باتیں ہوں مگر میر متقی بلا کے تاڑنے والے تھے اُنہوں نے اتنی ہی دیر کی صحبت میں مبتلا کی حرکات و سکنات سے اُسکی نشست و برخاست سے اُس کی طرز عادات سے اتنا جان لیا اور ایسا پہچان لیا کہ مبتلا کے لنگوٹیے یار اور اُس کے بھیدی اور راز دار بھی اتنا ہی جانتے ہوں گے مبتلا گرچہ چچا کے سامنے اپنے آپ کو بہت ضبط کیئے رہتا تھا مگر اسی دن کے لیئے کہتے ہیں کہ آدمی بُری لت نہ ڈالے اور عادۃ کو بگڑنے نہ دے۔ مبتلا کو خبر تک نہیں ہوتی تھی۔

اور بے خیالی میں اُدبدا کر چچا کے سامنے اُس سے کوئی نہ کوئی حرکت ایسی سرزد ہو جاتی تھی
کہ ہر روز اُن کی نظروں میں اُس کی قلعی کھلتی رہتی تھی مثلاً بیٹھے بٹھائے خود بالوں پر ہاتھ
جا پڑا اور عادت کے مطابق لگا وہیں پٹیاں جمانے پھر جو کچھ ہوش آیا چچا کو کن انکھیوں سے
دیکھ جھجانے کے حیلے سے بالوں کو بگاڑ سیدھا ہو بیٹھا یا کھاتے کھاتے ایک دفعہ انگرکھے
کی چولی کے شکن نکال لگا تن کر سینے کو دیکھنے اتنے میں چچا پر نظر جا پڑی اور جلدی سے
پھر جھک کر ہو بیٹھا ایک مرتبہ تو اس نے کیا غضب کیا کہ خدا جانے کس خیال میں مستغرق
تھا کہ آپ ہی آپ لگا گنگنانے مگر میر متقی نے اِس کو ایسے طور پر ٹال دیا کہ گویا سنا ہی
نہیں۔ مبتلا اپنے دل کو یوں سمجھا لیا کرتا تھا کہ چچا نے دھیان نہیں کیا یا اگر کیا تو
آدمی سے ایسی لغو حرکتیں ہوا ہی کرتی ہیں اِتنی ہی بات سے اُن کا ذہن اِس طرف کیوں
منتقل ہونے لگا کہ پٹیاں جمانا یا اکڑنا یا گانا میری عادت ہے لیکن یہ اُس کی غلطی تھی میر متقی
کی آنکھ کبھی کسی چیز پر اُچٹتی ہوئی پڑتی ہی نہ تھی وہ جس چیز کو ایک نظر دیکھ لیتے اُسکی
تہ تک پہنچ جاتے اور اس کے لِمّ کو دریافت کرتے میر متقی نے مبتلا کی حرکات سے آخر یہ
استنباط کیا کہ اُس میں دو عیب بہت بڑے ہیں اوّل یہ کہ مذہب سے اُس کو مطلق سروکار نہیں
یہ جانتا ہی نہیں کہ خدا بھی کوئی چیز ہے اور آدمی اُس کے بندے ہیں اُس کو خبر ہی نہیں
کہ آدمی کو کھانے اور سو رہنے کے سوا دنیا میں کچھ اَور بھی کرنا ہے۔ دوسرے حُسن پرستی کہ
اُس کے نزدیک۔ دولت۔ شرافت حسب نسب۔ علم ہنر سلیقہ۔ اخلاق۔ دینداری غرض
دنیا کے سارے کمالات ہیچ ہیں صرف ایک حُسن صورت قابلِ قدر ہے اور بس میر متقی
کا ایک قاعدہ اَور بھی تھا کہ بڑے دھیمے آدمی تھے جب کسی خاص شخص کو نصیحت
کرنا منظور ہوتا مدتوں اُس کے حالات کی تفتیش میں لگے رہتے اور جب معلوم کر چکتے

جس قدر معلوم کرنے کی ضرورت تھی تو ہفتوں غور کرتے کہ کس پیرایہ سے اور کیسے وقت اُس کو نصیحت کروں کہ مؤثر ہو اور یہی سبب تھا کہ ان کی نصیحت کبھی خالی گئی ہی نہیں مثلاً اگر ایک شخص تارک الصلوٰۃ ہو اور انہوں نے اُس کو نماز کے لئے نصیحت کی تو پھر سفر یا مرض یا دنیا کی کوئی کیسی ہی ضرورت کیوں نہ ہو اُس نے مدۃ العمر نماز کو قضا نہیں ہونے دیا یا اگر کوئی شخص منہیاتِ شرعی میں سے کسی کا مرتکب ہے اور انہوں نے وعظ کہا تو پھر توبہ ہی کرا کے چھوڑا۔ غرض میر متقی نے ایک دن موقع پاکر جوں مبتلا کھانا کھا کر جانا چاہتا تھا اُس کو روکا اور کہا ذرا ٹھیرو مجکو تم سے کچھ کہنا ہے مبتلا سمجھا کہ آج نماز گلے پڑی بیٹھ گیا تو میر متقی نے فرمایا (وعظ) اگرچہ مجکو تمہارے حالات بالتفصیل معلوم نہیں مگر جس قدر معلوم ہیں اُن سے میرا خیال یہ ہو کہ تمہاری تعلیم جیسی درستی کے ساتھ ہونی چاہیے تھی نہیں ہوئی تمہاری تعلیم کا عمدہ حصّہ وہ ہو جو مدرسے میں ہوا۔ مدرسے کی تعلیم اس اعتبار سے کہ جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں دنیا میں بکار آمد ہیں بلاشبہہ مفید ہو مگر افسوس بڑے افسوس بڑے سخت افسوس کی بات ہے کہ مذہب کی طرف بھول کر بھی کوئی توجہ نہیں کرتا مذہب کو سلسلۂ درس سے اس طرح نکال کر پھینک دیا ہے جیسے دودھ میں سے مکھی جس سے لوگوں پر ثابت ہوتا ہو کہ مذہب ایک فضول اور لایعنی چیز ہے اور دنیا میں اس کی مطلق ضرورت نہیں۔ پس مدرسوں کی تعلیم کا نتیجہ کیا ہے کہ نوجوان لڑکے فارغ التحصیل فضیلت کے خطاب اور لیاقت کی سندیں لے کر مدرسوں سے نکلتے ہیں اُن کو تمام ملکوں کی نئی پرانی تاریخیں خوب مستحضر ہوتی ہیں جغرافیے میں شاید ان کی معلومات اس درجے کی ہو کہ سمندر کی مچھلی ہیں یا پہاڑی کوّے یا افریقہ کے ریچھ یا آسٹریلیا کے لنگور یا امریکا کے بن مانس یا تبت کے دُنبے یا تاتار کے مینڈھے یا عرب کے بدّو یا یورپ کے فرنگی یا ہندستان

کے بھیل وہ انگریزی شاید ایسی عمدہ لکھ سکتے ہوں گے کہ گویا اُن کی مادری زبان ہے
ریاضی میں وہ شاید وقت کے بطلیموس ہوں علم ہیئات میں وہ اپنے زمانے کے فیثاغورس
فلسفے میں افلاطون غرض اُن میں علوم دنیا کی ایسی جامعیت ہو گی کہ شاید اُن کا نظیر نہ ہو
مگر وہ نہ مذہب کے معتقد نہ خدا کے بندے نہ رسول کی اُمت نہ بادشاہ کی رعیت نہ باپ کے
بیٹے نہ بھائی کے بھائی نہ دوست کے دوست نہ قوم کے ساتھی نہ برادری کے شریک
نہ وضع کے پابند نہ رسم کے مقلد۔ ذرا نظر انصاف سے اس بات کو دیکھو کہ فی الحقیقت مدرسے
کی تعلیم میں ایسے خیالات پیدا کرنے کا رجحان ہے یا نہیں۔ ہے اور ضرور ہے اور اس کا سبب
ظاہر ہے کہ مختلف مذاہب کے نوجوان لڑکے ایک جگہ جمع رہتے ہیں اپنے اپنے عقائد
سے سب کے سب بے خبر عمروں کے تقاضے یہ کہ جہال اور ہنسی کی باتیں کہتے ہیں اُن میں یا
ایک مذہب کا استخفاف بھی سہی اگرچہ اپنا ہی مذہب کیوں نہ ہو مدرسے کے حاکم یا مدرس
کچھ مذہب کی پروا کرتے ہی نہیں طالب العلموں کے لیے تو سب کیونکہ ان کا فرض خدمت
نہیں اپنے لیے بھی بعض یا اکثر اس لیے کہ خود کسی مذہب کے قائل نہیں وظیفہ یا
انعام یا دوسرے موجبات ترغیب مذہب پر کسی کا انحصار نہیں۔ علوم جو پڑھائے جاتے
ہیں اکثر جدید زمانہ حال کے ایجاد کوئی مسئلہ نہیں جس میں متقدمین کی غلطی..... جس
میں سابقین کی خطا ظاہر نہ کی جاتے اور ایک بڑی خرابی آ کر یہ پڑی ہے کہ بہت سی باتیں
ہیں تو علوم دنیا سے متعلق مگر لوگوں کی غفلت یا بے مبالاتی سے داخل مذہب ہو گئی ہیں اب
جو اُنکی غلطی ثابت ہوتی ہے تو طالب العلموں کو جو مذہب سے ہیں کورے معلوم ہوتا ہے کہ انکے
باپ دادا جو مذہباً ایسی لغو اور بیہودہ باتوں کو تسلیم کرتے چلے آئے بڑے احمق تھے
اور انکا مذہب ہی سراسر ہیچ اور پوچ ہے ایک خرابی اور ہے کہ علوم جدیدہ جن کا مدارس میں

بڑا زور شور ہے سب ہیں از قسم بدیہیات مشاہدت پر مبنی اور تجربیات پر متفرع۔ ایسے علوم پڑھتے پڑھتے طالب العلموں کو اس بات کی عادت پڑ جاتی ہے کہ وہ ہر چیز کا ثبوت ایسا ہی ڈھونڈ لنے لگتے ہیں جیسا اوقلیدس کے دعووں کا اور مذہبی باتوں کیلئے ایسا ثبوت نہ ہوا ہے اور نہ ہونا ممکن ہے حضرت موسےٰ سے بھی یہود ایسی ہی بیجا فرمائشیں کرتے تھے لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ہم تو جب تک خدا کو کھلے خزانے نہ دیکھ لیں تجھ پر ایمان لانے والے ہیں نہیں لیکن مذہب کے لیئے ایسے ثبوت کا نہ بہم پہنچ سکنا ضعفِ مذہب کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ انسان کی ضعفِ خلقت کے سبب۔ کیا اگر موسیٰ خدا کا دیدار یہود کو نہ دکھا سکے تو اس سے لازم آ گیا کہ خدا نہیں ہے نہیں خدا تو ہے مگر وہ آدمی کی آنکھ میں آنے کی چیز نہیں ہے۔ مدرس کی ساری تعلیم بلکہ سچ پوچھو تو عملداری کا خلاصہ ہے آزادی بلا شبہہ آزادی ہر ایک فرد بشر کا ایک ضروری حق ہے۔ مگر آزادی کی بھی کوئی حد ہونی ضرور ہے آدمی کی بناوٹ اس طرح کی واقع ہوئی ہے اور آدمی فی حد ذاتہٖ اس طرح کا مخلوق ہے کہ آزادیِ مطلق تو اس کو حاصل ہونی ممکن نہیں اور مناسب بھی نہیں کیا آزاد ہو سکتا ہے وہ بندۂ ناچیز جس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے اختیار میں نہیں غیروں کا محتاج دوسروں کا دست نگر پہننے میں کھانے میں پینے میں مرنے میں جینے میں چند منٹ کے لیئے ہوا نہ ملے تو ہلاک۔ ایک وقت خاص تک غذا نہ پہنچے [illegible] اتنے کی دھوپ کا تحمل نہیں کڑاکے کی سردی کی برداشت نہیں۔ حالت تو اس قدر خستہ و خراب اور اس پر آزادی کا پر سرخاب وہی مثل ہے جھونپڑے کا رہنا اور محلوں کے خواب۔

شعر

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پا بہ گل + کیسی آزادی کہ یاں یہ حال ہے آزاد کا

میں اس میں لڑکوں کا زیادہ قصور نہیں پاتا سارا قصور اُن کی تعلیم و تربیت کا ہے گھڑی جو تمہاری جیب میں ہے اس میں فولاد کی ایک کمانی گنڈلی کے طور پر تہہ کی ہوئی موجود ہے کنجی کے زور سے کمانی کی تہوں کو خوب کس دیتے ہیں اسی کو کوکنا کہتے ہیں۔ کوکنے سے کمانی میں ایک قوت پیدا ہوتی ہے۔ کمانی چاہتی ہے کہ کھلے اور اپنی اصلی حالت پر عود کر آئے اگر کوئی چیز مانع نہ ہو تو کمانی سٹر سے دم کے دم میں ڈھیلی پڑ جائے اور وہ قوت جو اُس میں پیدا کی گئی تھی اکارت ہو۔ اس کے روکنے کے لیے گھڑی میں ایک پرزا لگایا جاتا ہے جس کا نام ہے رگیولیٹر اور جس کی وجہ سے کمانی بتدریج انضباط کے ساتھ کھلتی جاتی ہے اور اُس قوت سے وقت کی شناخت کا عمدہ کام لیا جاتا ہے۔ یہی حال ہے انسان کا کہ اُس میں بھی ایک حالت کے مناسب خدا کی دی ہوئی چند قوتیں ہیں اگر ان قوتوں کا کوئی روکنے والا رگیولیٹر نہ ہو تو یہ تمام قوتیں بے کار ہیں بلکہ بجائے مفید ہونے کے اُلٹی مضر۔ انسان کا رگیولیٹر ہے مذہب جو اس کو اندازہ مناسب اور حدّ اعتدال سے گھٹنے بڑھنے کرنے اُبھرنے نہیں دیتا۔ مدرسوں کی تعلیم کو کیسے اور رگیولیٹر نہ وارد۔ پس اس کا ضروری نتیجہ ہے کہ آزادی کا خیال دماغ میں سماتے ہی لوگ ہر طرح کے قیود سے نکلنے کی خواہش کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ قید عبودیت سے بھی۔ سرے سے مدرسے کی تعلیم کے اصول ہی غلط ہیں کہ صرف دنیاوی علوم کے پڑھا دینے سے آدمی دنیا کے کام کا ہو جاتا ہے اس سے تو یہ بات نکلتی ہے کہ دنیا اور دین دو چیزیں ہیں جداگانہ ایک کو دوسرے سے کچھ تعلق نہیں ہم نہیں جانتے کہ جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں دین سے کیا مراد رکھتے ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک بلکہ تمام اہل ادیان کے نزدیک دین کے معنے ہیں انسان کی اصلاح اور اُس کے دو حصے ہیں اصلاحِ معاش اور اصلاحِ معاد یس دین اور دنیا میں

اگر ایک طرح کی منطقی مغایرت ہے جیسے عموماً کل اور جزو میں ہوا کرتی ہے اس کو تباین یا تناقض یا تنافر یا بے تعلقی سے تعبیر کرنا مغالطہ دہی ہے۔ کتنا پڑھا ہو جب انسان میں دین نہیں تو اُس کو خوفِ خدا نہیں اور خوفِ خدا نہیں تو اُس میں راستی نہیں دیانت نہیں غیرت نہیں حمیت نہیں مروت نہیں محبت نہیں خلاصہ یہ کہ انسانیت نہیں اس پر بھی اگر وہ آدمی دنیا کے کام کا ہے تو اس دنیا کو خیرباد ہے اور اُس کام کو سلام۔ ایک بات تعلیم کے متعلق اور بھی سوچنے کی ہے کہ انسان کو دوسرے حیوانات سے ایک وجہ امتیاز یہ بھی ہے کہ حیوانات کو جبلی عقل دی گئی ہے فطری ہے تجربے یا امتدادِ عمر سے اُس میں ترقی نہیں ہوتی مثلاً بیا گھونسلا بناتا ہے کیسا عمدہ کہ انسان اس کی اگر پوری پوری نقل کرنا چاہے تو نہیں بن پڑتی مگر جیسا گھونسلا ایک بڈھا بیا بناتا ہے جو اپنی عمر میں شاید بیسیوں گھونسلے بنا چکا ہوگا بجنسہ ویسا ہی گھونسلا پہلی بار ایک جوان بیا بنائیگا برخلاف انسان کے کہ اُس کی عقل تجربے اور عمر کے ساتھ کمال حاصل کرتی جاتی ہے اس مضمون کو سعدی نے کیا قلّ و دلّ طور پر ادا کیا ہے۔

مرغک از بیضہ بروں آید و روزی طلبد	آدمی زادہ ندارد خبر و عقل و تمیز
آں بناگاہ کسے گشت و بجیٔے نہ رسید	ویں بہ تمکین و فضیلت بگذشت از ہمہ چیز

اس لیے انسان کی تعلیم و تربیت کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر چیز اُس کی عمر کا ایک مناسب وقت دیکھ کر سکھاتے ہیں مثلاً غیر ملک کی بولی ضرور ہے کہ بچپن میں سکھائی جائے ورنہ بڑے ہو کر زبان مشکل سے ٹوٹتی ہے چھوٹے لڑکے کو اگر منطق کے پیچیدہ مباحث سمجھانا چاہو تو سعیِ لاحاصل ہے اسی طرح دین کی تعلیم کے لیے بھی ایک وقت مناسب ہونا چاہیے اور وہ نہیں ہے مگر سنِ طفولیت کیونکہ آدمی کی عمر جس قدر بڑی ہوتی جاتی ہے اسی قدر فطرت سے دور اور اُسی قدر اُس کا دل لوثِ دنیا سے آلودہ اور زنگِ اغراض

سے تیرہ ہوتا چلا جاتا ہی پھر شاید ایک وقت ایسا آئے کہ اُس کے دل میں صبغت اللہ یعنی دین کا رنگ اُٹھانے کی قابلیت باقی نہ رہے نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا[1]
اسی حالت کی نسبت قرآن مجید میں فرمایا ہی۔ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ اور کچھ بات نہیں ان کے دلوں پر اِن کی بدکرداریاں جم گئی ہیں۔ دنیا میں اَور بھی ہزاروں لاکھوں اللہ کے بندے ایسے ہیں جن کو دین کی طرف مطلق توجہ نہیں مگر بے توجہی دو طور کی ہی ایک وہ جس کا سبب کاہلی اور غفلت اور مساہلت ہو دوسری وہ جو دین کے تخفاف سے پیدا ہو یہی بے توجہی ہے جو نہایت خطرناک اور نہایت مذموم ہے اور یہی بے توجہی ہے جس کو مدارس کی تعلیم پھیلاتی چلی جا رہی ہی لیکن دین مذہب لوگوں کی تسلیم اور قدردانی کا محتاج نہیں۔ ہمالیہ پہاڑ اپنی جگہ سے سرک جائے تو سرک جائے گنگا پورب کو بہتے بہتے پچھم کو بہنے لگے تو بہنے لگے مگر خدا کی باتیں نہ کبھی ٹلی ہیں اور نہ کبھی کسی کے ٹالے ٹلیں گی۔ دین تم سے چاہتا کیا ہی صرف اتنی بات کہ خدا نے تم کو آدمی بنایا ہی آدمی بنکر رہو تم کو آنکھیں دی ہیں اور دیکھتے ہو کان دیئے ہیں اور سنتے ہو زبان دی ہی اور بولتے ہو غرض ہر قوت سے وہ کام لیتے ہو جو اُس کے کرنے کا ہے۔ قوتوں میں سب سے قوی اور سب سے عمدہ عقل ہے اس نے تمہارا ایسا کیا قصور کیا ہے کہ اُس کے کرنے کا کام اس سے نہیں لیتے روے زمین پر خدا کی جتنی مخلوق ہی سب میں اعلےٰ اور افضل اور اشرف انسان ہے اور اُس کی برتری اِسی سے ظاہر ہی کہ دوسری مخلوقات پر حکمرانی اور اُن میں مالکانہ تصرف کرتا ہی۔ دیکھو انسان کی بنائی ہوئی عمارتیں اُس کے بسائے ہوئے شہر اُس کے

[1] ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی بدیوں سے ۱۲

لگائے ہوئے باغ۔ نہریں۔ سڑکیں پل۔ ریل۔ تار۔ دخانی بادبانی جہاز۔ انواع و اقسام کی کلیں۔ زندگی کے ساز و سامان۔ مگر یہ برتری جو انسان کو استحقاقاً حاصل ہو۔ کیوں ہے اُس کی جسمانی قوتیں تو حیوانات کی قوتوں سے بہت ضعیف ہیں مثلاً اُس کی نظر سے گدھ کی نظر کہیں تیز ہے۔ اُس کے شامے سے شکاری کتوں کا شامہ کہیں قوی وہ اگر ذائقے سے چیزوں کا صرف مزہ پہچانتا ہے تو بعض جانور مزے کے سوا خاصیت طبّی کی شناخت بھی کر لیتے ہیں۔ توانائی کے لحاظ سے تو ہاتھی اور شیر وغیرہ کے سامنے وہ ایک مورِ ضعیف سے بھی زیادہ کم زور ہو۔ پھر انسان کی بڑائی کس چیز میں ہے عقل میں۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ عقل کا کام کیا ہو۔ یہ سمجھنا کہ عقل ہمکو صرف اتنے واسطے دی گئی ہو کہ کھانا پینا کپڑا مکان ساز و سامان بہم پہنچانے میں مدد کرے عقل کو ذلیل اور بے قدر کرنا ہے یہ تو عقل کے نہایت متبذل کام ہیں جانور جن کے جُثّے ہمارے جُثّوں سے بہت بڑے اُن کی بھوک پیاس ہماری بھوک پیاس سے کہیں زیادہ ہے ہماری جتنی عقل نہیں رکھتے اور ہم سے زیادہ آسودگی کے ساتھ زندگانی کرتے ہیں ساٹھ ستّر برس کی زندگی اور معدودے چند ضرورتوں کیلیئے ایسی عقل جو ماضی اور مستقبل کے قلابے ملائے اور زمین سے آسمان تک پاؤں پھیلائے کسی بڑے اور عمدہ کام کے لیئے دی گئی ہو اور وہ نہیں ہو مگر یہ کہ مخلوق سے خالق اور فانی سے باقی اور دنیا سے آخرت کو پہچان کر اُس گھر کے لیئے تیاری کریں جہاں ہماری روح کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ لیکن فرض کرو کہ ہم ان خیالات کو اپنے ذہن میں نہ آنے دیں اور آنکھیں بند کر لیں دنیا وَ مَا فِیہَا سے جس کا ایک ایک ذرہ ہستیِ صانع اور ایک ایک واقعہ وجودِ مسبب پر دلالت کر رہا ہے تو اس سے واقعات کا بُطلان تو نہیں ہو سکتا خدا ہو اور ہمیشہ کو رہے گا ہم

اُس کے بندے ہیں اور کسی طرح اُس کے فرمان سے باہر نہیں ہو سکتے ہم کو مرنا ہے اور جو کچھ دنیا
میں کیا ہے اس کی جواب دہی کرنی ہے عمل اچھے ہیں تو تسلی ہے اور امن ہے اور عافیت ہے
اور سکون ہے اور قرار ہے یعنی یہ کہ بیڑا پار ہے بُرے ہیں تو حسرت ہے اور افسوس ہے اور ندامت ہے
اور پھٹکار ہے اور دھتکار ہے یعنی یہ کہ دُکھ کی مار ہے کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اصل میں تو ہوتی
ہے غفلت اور اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ اختلاف مذاہب بے توجہی کا باعث ہو جاتا ہے۔ آدمی
دیکھتا ہے کہ دنیا میں سیکڑوں ہزاروں مذہب ہیں ہر ایک صرف اپنے آپ کو بر سر حق
سمجھتا ہے اور باقی سب کو گمراہ اور کافر اور مردود اور ملعون اور جہنمی تو یہ دیکھ کر خواہ
نخواہ اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ پہلے ان ہزاروں مذاہب کے معتقدات سے
واقفیت حاصل کروں پھر ان کے سوال و جواب سنوں پھر اُن میں محاکمہ کروں اس کے
لئے میں کیا میری تو دس نسلوں کی عمریں بھی کفایت نہیں کر سکتیں اس سے بہتر ہے کہ مذہب
کی پہیلی کو جس کا اتا پتا کچھ نہیں سوچو ہی مت لیکن یہ بھی ایک وسوسہ شیطانی ہے اور
انسان کے لا مذہب ہونیکے لئے حجت نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں جتنے مذہب ہیں جہاں تک
مذہب کو دنیا سے تعلق ہے سب کا مقصود اصلی ہے آدمی کی اصلاح اور اختلاف اگر ہے تو
ملکوں کی آب و ہوا لوگوں کی طبائع اور عادات اور ضرورتوں کے اختلاف کی وجہ سے
اور فروع میں ہے نہ اصول میں جزئیات میں ہے نہ کلیات میں پس تم جیسے نوجوان کے
کیلئے اس سے بہتر صلاح کی بات نہیں کہ جو جس شان میں ہے اُسی شان میں رہ کر پابندی
مذہب کو نہ چھوڑے اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ نیکی کا خیال دل میں راسخ ہو جائیگا
خدا سے لگاؤ پیدا ہوگا اور حق کی تلاش میں اس کو مزہ ملیگا آدمی اگر اتنا کرے اور اس
سے زیادہ کر ہی کیا سکتا ہے تو ضرور خدا کی رحمت اسکی دست گیری کریگی وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا

فَبِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا لوگ مذہب کی طرف سے جو اس قدر غافل اور منگر سے بن رہے ہیں اِس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خدا نے بندوں کی آزمائش کے لیئے دنیا کا انتظام ایسے طور پر رکھا ہے کہ دنیاوی حالات کے اعتبار سے نیک و بد اور پابند مذہب اور لامذہب اور مومن و کافر اور موحّد و مشرک کسی کا کچھ امتیاز نہیں۔ خداوند تعالےٰ کی عام رحمتوں سے سب کے سب بلا تخصیص یکساں طور پر متمتّع ہوتے ہیں۔ وقت پر پانی سب کے واسطے برستا ہے۔ ہوا کا ذخیرہ سب کے لیئے موجود ہے۔ رزق ہر ایک کی خاطر مہیّا ہے۔ صحت و مرض تموّل و افلاس توالد و تناسل حیات و ممات غرض زندگانی کی بھلی بری تمام کیفیتیں جیسی مسلمانوں میں ویسی عیسائیوں میں ویسی یہود میں کوئی قوم بلکہ کوئی گروہ بلکہ کوئی فرقہ بلکہ کوئی تنفس اس بات کا دعوے نہیں کر سکتا کہ مذہب کی وجہ سے مجھ کو دنیا میں یہ خصوصیت حاصل ہے اور کہیں ایسی ایک ادنےٰ سی خصوصیت بھی پائی جائے تو تمام روے زمین سے اختلافِ مذاہب کے معدوم کر دینے کو کافی ہے۔ یہ بے خصوصیتی ان لوگوں کے حق میں سم قاتل ہے جن کی طبیعتیں لامذہبی کی طرف مائل ہیں۔ غور کرنیکی تو اِن لوگوں میں عادت ہوتی نہیں دنیا میں ہیں اور دنیا ہی کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس جو کچھ ہے یہی دنیا ہے ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ لیکن ذرا عقل کو کام میں لائیں تو معلوم ہو اور اندر سے دل آپ ہی آپ گواہی دینے لگے کہ نہیں ایک جہاں اور بھی ہے یہ دنیا خواب ہے اور وہ جہاں اس کی تعبیر یہ مجاز ہے وہ حقیقت یہ نمونہ ہے وہ اصل جس طرح عقلِ دنیا سب کی یکساں نہیں اسی طرح عقلِ دین کے مدارج بھی متفاوت ہیں۔ بعض لوگ وہ ہیں جو صرف موجوداتِ دنیا سے خدا کو اور خدا سے اُس کی عظمت کو اُس کی عظمت سے اس کی معبودیت کو مانتے پہچانتے ہیں۔ اور بعض موجودات سے نہیں بلکہ تغیرات سے

اور بعض تغیرات سے بھی نہیں بلکہ حادثات عامہ سے اور بعض حادثات عامہ سے بھی متنبہ نہیں ہوتے تا وقتیکہ خود اُن پر کوئی آفت نازل نہ ہو اور بعض حلول مصیبت پر بھی کہنے کے محتاج گویا بیل ہیں کہ آر بھی گھپوڑ اور ساتھ منہ سے بھی ٹشکاری دو تب اُن کو خبر ہو کہ چلنا چاہیئے ۔ اے میرے پیارے بھتیجے اے مرحوم کے یادگار اے مغفور کی نشانی مجھ کو بھائی کے مرنے کا اتنا رنج نہیں ہوا جتنا تمہارے دین کی تباہی کا ۔ بھائی اگر مرے تو عمر طبعی کو پہنچکر مرے اور ایک دن مرنا ضرور تھا میں نے اپنی موت کے لیئے دعا تو نہیں مانگی اس واسطے کہ موت کے لئے دعا مانگنا منع ہی مگر سات برس عرب میں رہا کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ میں نے اس سرزمین میں اپنے دفن ہونے کی تمنا نہ کی ہو مگر خدا کی مبارک مرضی یوں تھی کہ میں یہاں پھر آؤں اور بھائی کا مرنا سنوں جب سے میں نے بھائی کا مرنا سنا ہر روز بلکہ دن میں کئی کئی بار (دعا نہیں) دل میں تمنا کرتا ہوں کہ الٰہی اگر عرب کی مٹی سے میرا خمیر نہیں ہی تو مجھ کو با ایمان دنیا سے اٹھا کر اس شخص کے پہلو میں جگہ دے جو مجھ کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھا یعنی میرے بڑے بھائی اور تمہارے والد مرحوم میں نہیں جانتا کہ یہ تمنا بھی پوری ہو یا نہ ہو مگر بھائی کے مرنے کے بعد اب زندگی بے مزہ ہی اور اس ملک میں رہنا اس سے زیادہ بے مزہ ۔ یہ مت سمجھو کہ آدمیوں کے باہمی تعلقات اس زندگی تک کے تعلقات ہیں نہیں نہیں ۔ یہ تعلقات روحی تعلقات ہیں اور چونکہ روحوں کو فنا نہیں اُن کے تعلقات کو بھی انقطاع نہیں یقین جانو کہ تمہاری اس طرز زندگی سے بھائی کی روح کو ایذا ہوتی ہی ۔ کیونکہ اُن کو اس زندگی میں بھی تمہاری تکلیف کی برداشت نہ تھی ۔ اور اس طرز زندگی کے ہاتھوں تم پر جو سخت بلا نازل ہونیوالی ہی میں اُس کو عقل سے جانتا ہوں اور تمہارے باپ اُس کو آنکھوں سے

دیکھ رہے ہیں۔ باپ سے ہو سکتا ہے کہ بیٹے کو کنوئیں میں گرتا ہوا دیکھے اور پروا نہ کرے باپ سے ممکن ہے کہ بیٹا جلتی ہوئی آگ میں کودے اور وہ کھڑا تماشا دیکھے۔ مرحوم نے لوگوں کی نظروں میں سلامت روی نیک وضعی اور بھلمنساہت سے جو ایک وقار پیدا کیا تھا تم ہی اپنے دل میں انصاف کرو کہ تم نے اس کو بڑھایا یا گھٹایا۔ روشن کیا یا مٹایا۔ ایسے چاہنے والے ایسے شفیق ایسے مہربان ایسے دل سوز باپ کے احسانات کا یہی معاوضہ تھا اُن کے سلوک ایسی پاداش کے قابل تھے جو باتیں میں تم سے کہہ رہا ہوں تمکو شاید پہلی بار اُن کے سُننے کا اتفاق ہوا ہوگا مگر میری ساری عمر ان ہی غور و فکروں میں گزری ہی اس کو میں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ شروع سے مجھ کو اچھے لوگوں کی صحبت رہی ہندوستان سے لیکر عرب تک ہزارہا علما اور شیوخ سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ملا اور جس سے جتنا فیضان قسمت کا تھا حاصل ہوا۔ الحمد للہ علی ذلک۔ تم دیکھتے ہو کہ میں دین کے کاموں میں بھی جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہی اور افسوس ہی کہ قدر واجب کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہو سکتا لگا لپٹا رہتا ہوں اس پر بھی جب خدا کی عظمت اور اس کے جلال پر نظر کرتا ہوں تو مجھ کو اپنی نجات کی طرف سے بالکل مایوسی ہوتی ہی اور تنہائی میں خصوصاً رات کے وقت جب دنیا کی بے ثباتی قیامت کے حساب اور اپنی بے بضاعتی کے افکار ہجوم کرتے ہیں تو مجھ کو اس قدر وحشت ہوتی ہی کہ تمکو اُس کا اندازہ سمجھانا مشکل ہے صرف اس کی رحمت بے انتہا کی توقع اس وقت دست گیری کرتی ہے جس سے دل کو تسلی ہوتی ہی یہ زحمت جو مجھ کو دین کے کاموں میں اٹھاتے ہوئے دیکھتے ہو اگر اسکو زحمت سے تعبیر کرنا درست ہو تو اتنی مدد کرتی ہی کہ امیدواری رحمت کی ڈھارس بندھاتی ہی۔ اگر خدا عقل میں راستی دے تو دنیا کی سب باتوں سے دین کی تعلیم نکلتی ہی۔ دنیا

میں جن کو جن پر کسی طرح کی حکومت ہے جیسے شوہر کو بی بی پر یا باپ کو اولاد پر یا بادشاہ کو رعایا
پر اگرچہ دنیا کی ساری حکومتیں عارضی اور ضعیف ہیں اس پر بھی کوئی حاکم کسی محکوم کی
کسی نافرمانی سے درگزر نہیں کرتا کیا غفلتیں ہیں کیا بیفکریاں ہیں کیا مغالطے ہیں
کیا بے مناسبتی ہو کہ بندہ بے حقیقت و ناچیز نافرمانی کیسی اُس قادرِ ذوالجلال کے اوامر
کا استخفاف کرے گویا اس کا مدمقابل ہو اور پھر درگزر کی توقع۔ کیا ہیکڑی ہو مغفرت
کی امید۔ کیا بے حیائی ہو۔ تم کو جہاں اکثر باتوں میں مغالطہ واقع ہوا ہو دوستوں کے
بارے میں بھی تمہاری رائے غلطی سے محفوظ نہیں رہی۔ یہ لوگ جو تمہارے آگے پیچھے پڑے
پھرتے ہیں اور ہر وقت تم کو گھیرے رہتے ہیں جہانتک میں نے خیال کیا ہو ایک کو
بھی تمہارا خیر خواہ نہیں پاتا اِن کے کچھ مطلب ہیں بیہودہ اغراض ہیں فاسد۔ تم کو
دیکھ پایا عقل کے کوتاہ گانٹھ کے پورے آپ نے شکاری اور تمکو گردانا ٹٹی اور لگے
تمہاری آڑ میں تُکّے چلانے۔ غرض مندانہ رابطے عموماً اور خاصکر جبکہ اغراض خسیس
ہوں نہایت بے ثبات ہوتے ہیں اور سریع الانقطاع مجھ کو توقع یہ ہو کہ تمنے خود اس کا
تجربہ کر لیا ہوگا ورنہ میرا اس وقت کا کہنا چاہو لکھ رکھو کہ تمہارے اتنے دوست ہیں اِن
میں سے کسی ایک کے ساتھ دو برس تک بھی صحبت یوں ہی چلی جائے تو جاننا کہ بہت چلی
خیال کو اور وسعت دو تو یہی حال ہو دنیا کے تمام جسمانی تعلقات کا غیروں کی کیا شکایت
دوسروں کا کیا گلہ اپنے ہی اعضا و جوارح اور اپنی ہی قوتیں کب تک کی ساتھی ہیں۔
دیکھو مجھ جیسے بوڑھوں کو ایک بصارت سے معذور ہو تو دوسرا ثقل سمع سے مجبور
کسی کی بھوک تھکی ہوئی ہو اور کسی کے ہاضمے میں فتور۔ پیری و صد عیب زندہ درگور
دنیا کی یہی بے ثباتی دیکھ کر جن کی عقلیں سلیم ہیں فانی لذتوں کے گرویدہ اور عارضی منفعتوں

کے فریفتہ نہیں ہوتے جس قدر میں نے تم سے کہا اگرچہ ضرورت سے بہت کم کہا مگر مجھ کو
تمہاری طینت کی پاکیزگی سے امید ہے کہ انشاء اللہ رائگاں نہ جائیگا اور خدا نے چاہا
تو میں دعا بھی کرونگا کہ تمہارے دل میں سوچنے اور غور کرنیکا شوق پیدا ہو مگر
قاعدہ ہے کہ دنیا میں کوئی مبتذل سے مبتذل فائدہ بھی بے طلب نہیں ملتا سچ ہے
کہ جبتک بچہ روتا نہیں ماں بھی دودھ نہیں دیتی پس دین کے عمدہ اور دائمی فائدے
بدرجۂ اولیٰ طلب پر موقوف اور پے روی پر منحصر ہونے چاہئیں اور وہ تمہارے کرنیکا
کام ہے۔ دین کے کام ہیں تو دل سے متعلق اور کوئی شخص دوسرے کے خیالات یعنی
دلی حالات پر مطلع ہو نہیں سکتا مگر خیالات کی اصلاح سے ارادے کی اور ارادے سے
افعال کی طرز تمدن کی وضع کی گفتگو کی نشست و برخاست کی حرکات و سکنات کی
سبھی چیزوں کی اصلاح ہوتی ہے یعنی انسان کا ظاہر حال اس کے دل کا ترجمان ہوتا
ہے۔ پس تم کہو یا نہ کہو خود بہ خود منکشف ہوتا رہے گا کہ جس راستے پر میں نے تم کو
لگا دیا ہے تم نے اس میں چلنا شروع کیا یا نہیں ؛۔

چودھویں فصل مبتلا پر میر متقی کے وعظ کا کہاں تک اثر ہوا

مبتلا کو جب چچا نے پکڑ کر نصیحت سننے کے لئے بٹھایا تھا تو خواہ مخواہ اس کی طبیعت میں از
خود ایک ضد سی آگئی تھی تاہم تھوڑی دیر ادب کی وجہ سے دم نہ مار سکا اور پھر تو میر متقی کی
باتوں پر ایسا ریجھا کہ آنکھیں اور منہ دونو کھلے کے کھلے رہ گئے اور جب تک میر متقی
نے بات کو ختم نہیں کیا مبتلا کو کوئی دیکھتا تو کیا معلوم ہوتا کہ بس حیرت کا ایک پتلا ہے چچا
کے پاس سے چلے جانے کے بعد بھی کتنی دیر تک تو مبہوت سا رہا اس کا دل تو مان گیا

تھا کہ چچا نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا مگر جس بات کی آن پڑ گئی تھی اُس کو بدلتے ہوئے اُس کا جی ہچکچاتا تھا۔ آوارگی اُس کی طبیعت میں یہانتک سما رہی تھی کہ ترک وضع کرتے ہوئے اس کو عار آتی تھی وہ سوچتا تھا کہ چچا کے کہنے پر چلوں تو دوست آشنا کھانا پہننا سیر تماشا تفریح تمامی مشاغل سب کو یکدم سے چھوڑوں یعنی ترک دنیا کردوں تو پھر جیوں کیونکر اور فرض کیا کہ جبراً قہراً میں نے ترک دنیا کیا بھی تو لوگ مجھکو کیا کہیں گے آخر پرہیزگار بنوں تو پورا پورا بنوں جیسے چچا۔ زربفت کی ٹوپی خلاف ثقاہت تو اب ہیں پہننے سے رہا ناچار شملہ۔ ڈوپٹا۔ عمامہ باندھنا پڑیگا اور اس کی زد میں بالوں کی جیسی گت بنے گی ظاہر تو ضرور ہوا کہ سب سے پہلے سر منڈاؤں منڈے سر پر یہ خشخاشی ڈاڑھی اور چڑھی ہوئی موچھیں کیا بھلی لگیں گی تو لازم آیا کہ ڈاڑھی چھوڑوں اور موچھوں کو سیدھا کروں پھر ایسی مقطع صورت پر گلے میں کرتہ نہ ہو تو خیر نیچی چولی کا انگرکھا اور ٹانگوں میں ایک بر کا گھٹنا۔ اس وضع سے کیا مُنہ لیکر بازار میں نکلونگا۔ ساری عمر کبھی مسجد میں جانیکا اتفاق نہیں ہوا اب جو ایکدم سے جا کھڑا ہوں تو جتنے نمازی ہیں سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھ کو گھورینگے۔ غرض جن کو چھوڑتا ہوں اور جن میں جا کر ملتا ہوں سبھی کا انگشت نما ہونا پڑیگا۔ مبتلا اسی پس پیش میں تھا کہ میر متقی ایکدن اس کو وضو کرا کپڑے بدلوا اپنے ساتھ جمعے کی نماز میں لے گئے اور اس کے بعد سے جبتک رہے جب نماز کو جاتے مبتلا کو گھر سے ساتھ لیکر نکلتے۔ غرض مبتلا کی وہ جھجک تو جاتی رہی اور اس کی وضع میں بھی رفتہ رفتہ اصلاح آتی چلی۔ اگر میر متقی کا دو تین مہینے بھی اور رہنا ہو جاتا تو مبتلا کے درست ہو جانے میں کوئی کسر نہ تھی ابھی میر متقی نے کیا ہی کیا تھا مبتلا کو صرف ایک وعظ سنایا صرف اتنی غرض سے کہ اس کی غفلت کو تازیانہ ہو۔ دیندار بھلا مانس بنتے ہوئے

چھپتا تھا اس کی شرمندگی مٹادی۔ اگر زیادہ رہنے کا اتفاق ہوتا خدا جانے کتنے وعظ اور کہتے اور کیا کیا اس کو سکھاتے سمجھاتے وہ تو اچھی طرح جانتے تھے کہ برسوں کے جمے ہوئے زنگ ہیں یہ کیا ایک رگڑے سے چھوٹنے والے ہیں حسن پرستی کا وہ بڑا سخت عیب بھی جو گویا مبتلا کی گھٹی میں داخل تھا میر متقی موقع پا کر اس کا علاج کرتے پر کرتے مگر مبتلا کو تو اپنے اعمال کی شامت کھلتی تھی:۔

پندرھویں فصل میر متقی کا دفعتًا بے وقت رامپور روانہ ہونا اور مبتلا کو سید حاضر اور عارف کے سپرد کر جانا

میر متقی نے مبتلا کی صلاح پر توجہ شروع کی تھی کہ اتنے میں چپکے چپکے اس گمنام عرضی کی تحقیقات ہونے لگی جو ناظر کی شرارت سے میر متقی کی شکایت میں گورنر کے پاس پہنچی تھی اور تو کچھ حال نہ کھلا مگر خلاف عادت پولیس کے لوگ وقت بے وقت کوئی وعظ سننے کے بہانے سے کوئی نماز کے حیلے سے آمد و رفت کرنے لگے۔ ان میں جو زیادہ ہوشیار تھے مُتّقی بن بن کر ٹیڑھے ٹیڑھے مسئلے پوچھتے تھے۔ مثلاً یہ کہ کیوں حضرت ہندوستان آپ کے نزدیک دارالحرب ہے یا نہیں۔ انگریزوں سے اور ہنود سے سود لینا روا ہے یا نہیں۔ انگریز اگر کابل پر چڑھائی کریں اور ایک پلٹن کو امیر کے مقابلے میں لڑنے کا حکم دیں اور ایک مسلمان اس پلٹن میں پہلے سے نوکر ہو تو اس کو کیا کرنا چاہئے مہدی جنہوں نے مصر میں خروج کیا ہے مہدی موعود ہیں یا نہیں اور ان کو مدد دینا از روے شرع شریف کیا حکم رکھتا ہے۔ انگریزی دواؤں کا استعمال درست ہے یا نہیں کچہری سے برابر سود کی ڈگریاں ہوتی ہیں اس سود کا دینا گناہ ہے یا نہیں انگریزوں کے ساتھ کھانا

اور لباس اور طرزِ تمدّن میں اُن کے ساتھ تشبّہ کیا حکم رکھتا ہے میر متقی جہاں دیدہ آدمی تھے اِن باتوں کو دیکھ کر اُن کے کان کھڑے ہوئے اور سمجھے کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے، کوتوال شہر سے معرفت اور دور کی صاحب سلامت تو تھی ہی ایک دن جمعے کی نماز کو جاتے ہوئے راہ میں کوتوال سے آمنا سامنا ہو گیا میر صاحب نے کہا مجھ کو آپ سے کچھ کہنا ہے وقتِ فرصت معلوم ہو تو میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کوتوال نے کہا آج بعد نماز مغرب میں خود آپکی خدمت میں حاضر ہونگا۔ غرض کوتوال کے آتے ہی تخلیہ ہوا تو میر صاحب نے فرمایا کیوں کوتوال صاحب یہ ماجرے کیا ہے کہ چندروز سے پولیس کے لوگ میری نگرانی کرنے لگے ہیں میں دیکھتا ہوں کہ جتنی دیر میں باہر رہتا ہوں پولیس کا ایک نہ ایک آدمی ضرور موجود ہوتا ہے مسئلے پوچھتے ہیں تو بیجا۔ باتیں کرتے ہیں تو گھڑی ہوئی ہیں میں نے دھوپ میں ڈاڑھی سفید نہیں کی یہ لوگ مجھ سے چھپاتے ہیں اور میں سب سمجھتا ہوں مجھ سے پردہ کرتے ہیں اور میں اُن کے تیور سے پہچانتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہو کہ میں یہاں کا رہنے والا نہیں سات برس بعد سفرِ حجاز سے واپس آیا رامپور جانا چاہتا تھا میں نے کہا کہ لاؤ لگتے ہاتھ بھائی سے ملتا جاؤں یہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ بھائی کا انتقال ہو چکا ہے اُنکے معاملات خانہ داری کو دیکھا سب ابتر ناچار ٹھیرنا پڑا۔ اکثر معاملات خدا کے فضل سے درست ہو گئے ہیں بعض باتیں باقی ہیں۔ اگر میرے حال سے تعرض نہ بھی کیا جائے تاہم تین چار مہینے سے زیادہ مجھ کو ٹھیرنا منظور نہیں اور ٹھیر سکتا بھی نہیں لیکن اس نظر بندی کی حالت میں تو میں ایک دن نہیں رہ سکتا بے اطمینانی کی وجہ سے وہ مطلب بھی فوت ہوتا ہے جس کی وجہ سے میں ٹھیرا ہوں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے سرکار کا ایسا کونسا قصور کیا ہے۔ ورس میں نہیں دیتا کہ میرے

ساتھ طالب العلموں کا ہجوم ہو صاحب سلسلہ میں نہیں کہ مریدوں کا گروہ میرے پاس جمع
رہے خطا یا قصور اگر ہے تو یہی کہ جو کوئی اللہ کا بندہ پاس آ بیٹھتا ہے تو نصیحت کی دو چار
باتیں اُس سے کہہ دیتا ہوں اور یہ کام ایسا ہے کہ دنیا کی حکومت کیسی ہی قاہرہ کیوں نہ ہو
مجھکو اس سے باز نہیں رکھ سکتی نصیحت تو لوگوں کو میں نے کی ہے اور کرتا ہوں اور آئندہ
بھی جہاں رہوں گا کرونگا ضرور کرونگا اگر یہ بغاوت ہے تو میں پکارے کہتا ہوں کہ میں
باغی۔ سرکار کو اختیار ہے مجھے قید کرے مگر انشاء اللہ وہاں بھی قیدیوں کو نصیحت کرتا
رہونگا۔ سرکار شاہنشاہ زبردست اور میں اُس کی ایک ادنےٰ رعیت میرے واسطے
ایسی کارروائی کی کیا ضرورت ہے اگر کچھ اشتباہ پیدا ہوا ہے مجھ کو علی رؤس الاشہاد طلب
کرے میں جواب دہی کو اور اگر قصور ثابت ہو تو سزا کو حاضر ہوں۔ مگر ابنائے جنس
کی نظر میں ناحق نکو بنانا مشتبہ ٹھیرانا شیوۂ انصاف سے بہت بعید ہے۔ کوتوال
یہ سب باتیں چپ بیٹھا ہوا سنتا رہا اور آخر بولا تو یہ بولا کہ میں ارادتمندانہ اتنا ہی
کہہ سکتا ہوں کہ جب حضرت کا ارادہ تین چار مہینے بعد خود رامپور روانہ ہونیکا ہے اگر
ابھی قصد فرمائیے تو مناسب ہے۔ یہاں کا اگر کوئی کام مجھ کو سپرد کر جائیے انشاء اللہ
اُس کا سرانجام خاطر خواہ میرے ذمے۔ میر متقی نے سمجھا کہ اب ٹھیرنا مصلحت نہیں
اور زیادہ کاوش کرنے سے بھی کچھ حاصل نہیں فوراً سفر رامپور کا ارادہ کر دیا غیرت بیگم
باپ کے مرنے پر تو کیا روئی تھی جیسا کہ چچا کے جانے کا اُس نے ماتم کیا۔ مبتلا کے خیالات
میں بھی تھوڑے ہی دنوں میں اتنا فرق پڑ گیا تھا کہ اُس کو بھی یکایک چچا کے چلے جانیکا
رنج ہوا میر متقی نے ہر ایک کو اس کی جگہ تسلی دی۔ چلتے چلتے مبتلا سے اتنا کہہ گئے
کہ سید حاضر کے خیالات بہت راستے پر آ گئے ہیں اگر تم ان سے مشورہ لوگے تو امید ہے

کہ نیک صلاح کے دینے میں دریغ نہیں کرینگے یا میاں عارف جن کو تم میرے پاس اکثر دیکھتے
تھے تمہارے مدرسے ہی کے طالب العلم ہیں بڑے اچھے دل کا لڑکا ہی تیر تو تمہارا ہمعمر مگر استعداد
اور معلومات کے اعتبار سے پورا مولوی ہی بڑی خوبی اُس میں یہ ہی کہ اُس کے خیالات حکیمانہ
اور شگفتہ ہیں میں نے اس سے بھی تاکید کہدیا ہی اور وہ خود ہفتے میں ایک دوبار
تمہارے پاس آیا کرینگے تم بھی اُن سے ربط بڑھا لینا اُن سے تمکو سب طرح کی مدد ملیگی

سولھویں فصل میر متقی کے چلے جانیکے بعد مبتلا کس رنگ میں رہا

مبتلا کی تو اس وقت بعینہ ایسی مثال ہوگئی کہ ایک مریض مرض مہلک میں گرفتار ایک طبیب
حاذق نے اُس کا علاج شروع کیا ارادہ تھا کہ منضج ہوں منضجوں کے بعد مسہل
مسہلوں کے بعد تبرید پھر معجونات کا استعمال کرایا جائے ابھی منضج بھی پورے نہ ہونے
پائے تھے کہ طبیب صاحب تشریف لے گئے۔ سید حاضر اگرچہ اس کا پھوپھی زاد بھائی تھا مگر
رشتہ داری کے جھگڑوں کے سبب ایک دوسرے کے ساتھ اُنس نہ تھا رہ گئے میاں
عارف مولوی تھے حکیم تھے شگفتہ خیال تھے سب کچھ تھے مگر مبتلا کے چچا تو نہ تھے
مبتلا کو انکا کیا لحاظ اور انکو مبتلا کا کیا درد پھر بھی بیچارے نے خدا اُنکو جزائے خیر دے
میر متقی کے کہنے پر اتنا تو کیا کہ پیر کے پیر جمعے کے جمعے مبتلا کے پاس آتے اور گھنٹے دو گھنٹے
بیٹھکر چلے جاتے اسی طرح مبتلا بدھ کے بدھ اور اتوار کے اتوار عارف کے گھر جاتا اور یوں
ایک دن بیچ دونوں کی ملاقات کا سلسلہ بندھ گیا اس سے اتنا تو ہوا کہ مبتلا کے پرانے یار
دوستوں کو اس پر احاطہ کرنیکا موقع نہ ملا اور جس ڈھرّے پر چچا نے اس کو لگا دیا تھا
اس پر تھوڑا چلا سُست چلا بدیر چلا مگر چلا۔ دینداری میں اگر سچ پوچھو تو مبتلا نے ترقی

نہیں کی مگر اُس کا اتنا سنبھلا رہنا بھی غنیمت ہوا کہ پھر اُس نے آوارگی نہیں کی وہ نماز بھی پڑھ لیتا تھا مگر گنڈے دار اب دین کی باتوں کا اگر اہتمام نہیں کرتا تھا تو پہلے کی طرح اُن پر ہنستا بھی نہ تھا اُس کی ظاہری وضع میں بھی اگلی سی سخافت باقی نہ تھی جب سے باپ مرے اُس نے گھر میں سونا بالکل چھوڑ دیا تھا چچا کے آنے سے وہ پھر گھر میں سونے لگا تو اُن کے چلے جانے کے بعد وہی معمول رکھا غرض مبتلا دیندار نہیں تو ایک خانہ اربھلا آدمی بن گیا تھا جیسے اکثر لوگ ہوتے ہیں مگر حسن پرستی کی ٹھرک ہر روز دو ایک بار اُسکو اُبھرتی رہتی تھی

سترھویں فصل حسنِ صورت پر مبتلا اور عارف کا مباحثہ

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ عارف کے آنے کا وقت تھا اور مبتلا بیٹھا ہوا اُن ہی کی راہ دیکھ رہا تھا بیٹھے بیٹھے اُسی حسن پرستی کے خیال میں ایسا محو ہوا کہ عارف سر پر آ کھڑے ہوئے اور اُس نے عادت کے مطابق نہ تو اُن کا استقبال کیا اور نہ کھڑے ہو کر اُنکو تعظیم دی جب عارف نے جھککر السّلام علیکم کہا تب سٹ پٹا کر کھڑا ہونے لگا مگر عارف بیٹھ چکے تھے انھوں نے ہاتھ پکڑ کر اپنی برابر بٹھا لیا اور پوچھا کہ خیر ہے آج کس خیال میں مستغرق تھے مبتلا نے ٹالنا چاہا عارف نے اصرار کیا کہ نہیں کوئی بات تو ضرور ہے جس کو تم اس قدر غور کے ساتھ سوچ رہے تھے مبتلا۔ غور کے بارے میں تو چچا نے مجھ پر بڑی سخت تاکید کی ہے۔ عارف بلا شبہہ اُن کا فرمانا درست ہے۔ غور کے معنے کیا ہیں عقل سے کام لینا اور انسان نے اگر عقل ہی سے کام نہ لیا تو اُس میں اور دوسرے حیوانات میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں مگر پوچھنے سے میری غرض یہ تھی کہ اگر وہ بات مجھ پر ظاہر ہو تو جہانتک مجھ سے ممکن ہو تمہاری مدد کروں تمہارے چچا نے جنکو میں اپنے والد کی جگہ سمجھتا ہوں تمسے غور کرنیکو کہا

اور مجھ سے تمہاری مدد کرنیکو پس اگر تم اُن کے کہنے کے مطابق غور کرتے ہو تو اُن ہی کے ارشاد کے موافق مجھ سے مدد بھی لو۔ مبتلا جس بات کو میں سوچ رہا تھا اکثر سوچا کرتا ہوں مگر ابھی تک کچھ سمجھ میں نہیں آیا تاہم اتنا تو جانتا ہوں کہ آپ سے اُس میں کچھ مدد ملنے کی توقع نہیں۔ عارف جبتک تم اُس بات کو مجھ سے بیان نہ کرلو اور میں جواب دے دوں کہ میں کچھ نہیں کرسکتا اُس وقت تک تم کو میری مدد سے ناامید ہونیکا کوئی محل نہیں۔ مبتلا۔ اچھا تو آپ مدد کرنیکا وعدہ کرتے ہیں۔ عارف ابھی تم سے کیا وعدہ کرونگا میں تو وعدہ کرچکا ہوں جناب میر متقی صاحب سے۔ مبتلا۔ اُس خاص بات کا اس وقت تک کچھ مذکور نہ تھا۔ عارف۔ مجھ سے جناب میر صاحب نے کسی بات کا مذکور نہیں کیا عام طور پر تمہاری مدد کرنیکو فرمایا اور میں نے اُس کو تسلیم کیا اس سے بڑھکر اَور وعدہ کیا ہوگا مبتلا آپ کو میرے خانہ داری کے حالات معلوم ہیں۔ عارف جس قدر حالات جناب میر صاحب کو معلوم تھے مجھکو بھی معلوم ہیں۔ مبتلا۔ بھلا چچا باوا نے آپ سے میری خانہ داری کے بارے میں کبھی کچھ کہا تھا۔ عارف۔ اکثر اس بات کا سخت افسوس کیا کرتے تھے کہ بی بی کے ساتھ تمہارا معاملہ درست نہیں۔ مبتلا۔ نادرستیِ معاملہ سے اُن کی کیا مراد تھی۔ عارف۔ مراد یہ تھی کہ تم کو بی بی کے ساتھ اُنس نہیں محبت نہیں۔ مبتلا۔ بھلا اِسکا کچھ سبب بھی انھوں نے بیان کیا تھا۔ عارف۔ ہاں یہ فرماتے تھے کہ تمہارے مزاج میں آوارگی ہے حُسن پرستی کے مزے پڑے ہوئے ہیں دل میں یہ خبط سما رہا ہے کہ میں حسین ہوں بی بی نظر میں کھپتی نہیں۔ مبتلا۔ کیا چچا باوا اِس بارے میں بھی کچھ کرنے کو تھے۔ عارف بیشک فرماتے تھے کہ مطالب کو تو میں نے اپنے ذہن میں ترتیب دے لیا ہو اب موقع کی تاک میں ہوں۔ مبتلا۔ شاید اُن کا ارادہ تھا کہ اسپر بھی کوئی وعظ کہیں مگر بھلا ہوا کہ اسکی نوبت نہ آئی

ورنہ چار و ناچار مجھ کو مخالفت کرنی پڑتی۔ عارف۔ کچھ تم نے پہلے وعظ کی مخالفت کی ہوگی
کہ اس کی کرتے۔ مبتلا۔ پہلے وعظ میں چچا باوا نے کسی بات میں واقعات کی
مخالفت نہیں کی اس سے میں نے اُن کی مخالفت نہیں کی مگر میری سمجھ میں نہیں
آتا کہ خوبصورتی کے بارے میں وہ کہتے تو کیا کہتے۔ عارف۔ میں نہیں کہہ سکتا
کہ کیا کہتے مگر اتنا انہوں نے ضرور کہا تھا کہ جس قدر اُس کو حسن کے ساتھ فریفتگی ہے
انشاء اللہ اسی قدر نفرت کرنے لگے تو سہی۔ مبتلا۔ (چونک کر) میں اور حسن سے نفرت تو
یوں کہیے کہ میرے سر سے دماغ کو اور دماغ سے عقل کو اور عقل سے سلامت کو سب کو سلب کر لینے
کے فکر میں تھے۔ بھلا آپ چچا باوا کے اس ارادے کی نسبت کیا خیال کرتے ہیں۔
عارف۔ میں تو جناب میر صاحب کی شان کو اس سے بہت ارفع سمجھتا ہوں کہ غلط بات
اُن کے منہ سے نکلے یا اُن کے کلام میں مبالغہ ہو۔ اُن کو خدا نے علم کی دینداری کی
خلوص کی۔ خیر خواہیِ خلائق کی۔ گویائی کی بہت سی قوتیں دی ہیں۔ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ
انہوں نے چھٹانک بھر کو کہا تو من بھر کر دکھاتے مگر افسوس ہے کہ یکایک اُن کا چلنا ٹھہر گیا
مبتلا۔ آپ بھی تو اُن کے شاگردِ رشید ہیں حسن سے نفرت نہیں تو خیر اتنا ہی کیجیے کہ کسی طرح میری
یہ شورش تو فرو ہو کہ مجھے اس تصور میں رات کو نیند ہے نہ دن کو قرار ہے۔ یہ کیا بلا میرے سر پر
سوار ہے۔ عارف۔ کبھی تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ حسن کیا چیز ہے اور لوگوں کو اس قدر
فریفتگی حسن کے ساتھ کیوں ہے۔ مبتلا۔ یہ تو کوئی غور کرنے کی بات نہیں ہے۔ مرد۔ عورت۔
بوڑھا۔ جوان۔ شہری۔ دیہاتی۔ خواندہ۔ ناخواندہ ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے کہ خوبصورتی اس کو
کہتے ہیں تفصیل پوچھیے تو تمام شاعروں نے معشوقوں کے سراپا لکھے ہیں آپ کی نظر سے بھی
تو ضرور گزرے ہونگے۔ رند لکھنوی کا سراپا مرقع خوبی میرے نزدیک سب سے بہتر ہے۔

اس سراپا میں کئی باتیں خاص ہیں۔ اول تو سر سے لے کر ناخنِ پا تک کسی عضو کو نہیں چھوڑا دوسرے امردوں کا سراپا الگ ہے اور عورتوں کا الگ تیسرے اعضا کی ساخت کے علاوہ اُن کی حرکات کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں۔ چوتھے حسنِ خلقی اور حسنِ مصنوعی کا تفرقہ بڑے عمدہ طور پر دکھایا ہے۔ غرض جو کچھ شعرا کے سراپاؤں میں ہے وہی حسن ہے۔ اور یہ جو آپ نے پوچھا کہ لوگوں کو اس قدر فریفتگی حسن کے ساتھ کیوں ہے تو یہ میرے نزدیک انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ اور اس کیواسطے سوائے اس کے کہ آدمی کی طبیعت ہی خلقۃً حسن کی طرف راغب واقع ہوئی ہے اور کوئی وجہ درکار نہیں۔ آپ کا یہ سوال بجنسہٖ اُسی طور کا ہے جیسے کوئی پوچھے کہ کہربا گھاس کو اور مقناطیس لوہے کو کیوں کھینچتا ہے آگ کیوں جلاتی ہے۔ عارف شعرا نے جو خیالات سراپاؤں میں ظاہر کئے ہیں آپ کی سمجھ میں آتا ہے انکا ماخذ کیا ہے۔ مبتلا میرے نزدیک اِن تمام خیالات کا ماخذ وہی طبیعتِ انسانی ہے جو حکم کرتی ہے کہ اس عضو کو اس وضع اور اس ساخت اور اس انداز کا ہونا چاہیئے۔ عارف۔ ہاں۔ لیکن اگر یہ خیالات طبعی ہوتے تو ضرور تھا کہ سب آدمیوں کے ایک ہی طرح کے ہوں کیوں کہ آدمی آدمی انسانیت میں سب یکساں ہیں تو اس کے یہی معنی ہیں کہ طبیعت انسانی سب میں یکساں ہے اور طبیعت یکساں ہوئی تو چاہیئے کہ سب کے تقاضے یکساں ہوں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں جو ایک کے نزدیک مطبوع ہے دوسرے کے نزدیک مکروہ مثلاً بڑی خوب صورتی رنگ کی ہے۔ کہنے بھی ہیں ایک رنگ ہزار ڈھنگ لیکن رنگ کے بارے میں مذاق اس قدر مختلف ہیں کہ گورا سرخ و سفید۔ گندم گوں۔ ملیح۔ چمپئی۔ وغیرہ کتنی قسم کے رنگ ہیں جن کے پیچھے ہمارے ملک کے لوگ سر دھنتے ہیں۔ لیکن فرض کرو کہ ان رنگوں میں سے کسی رنگ کا آدمی افریقہ میں جا نکلے تو وہاں اس کی کیسی قدر ہوگی جیسی کہ ہمارے یہاں جذامی کی

یا ممبر و ص کی۔ افریقہ کے باشندے بھی آدمی ہیں اُن کی طبیعتوں میں بھی ایسے ہی جوش
اور ایسے ہی ولولے پائے جاتے ہیں عشق و محبت اُن میں بھی ہو اُن میں بھی حسین ہیں
مگر اُن کے سراپا تمہارے سراپا سے بالکل مختلف۔ خاص خاص اعضا کی نسبت بھی
مذاقوں کے اختلاف کا یہی حال ہو۔ ہم پسند کرتے ہیں بالوں کی سیاہی جس کو ہمارے
شعرا تشبیہ دیتے ہیں شبِ دیجور سے کالی گھٹا سے مارِ سیاہ سے عاشق کی تیرہ بختی
سے ظلمات سے۔ اور اہلِ یورپ چاہتے ہیں بھورے بال سونے کے ہم رنگ اور سونا
بھی ہندوستان کا نہیں کیلیفورنیا کا پیلی۔ ہم ڈھونڈتے ہیں آنکھ موتی جو جس کی پُتلی
سیاہ ہو۔ صاحب لوگ نیلی کرنجی چینیوں کی نسبت مشہور ہو کہ کمانیاں چڑھا چڑھا آخر
ناک کو بٹھا چھوڑا کیوں کہ اُن کے نزدیک ناک کی اُٹھان سے چہرہ ناہموار ہوتا تھا
عورتوں کے پاؤں کو ایسا شکنجے میں کسا کہ کھڑے ہونے سے اُن کا مرکز ثقل ہی ٹھکانے
پر نہیں رہتا ناچار گر گر پڑتی ہیں۔ ہمارے ہاں دانتوں کا وصف ہے صفائی اور چمک۔
چینیوں میں تیرگی اور سیاہی۔ افریقہ میں عورتیں دانتوں کو سوہن کرا کے آرے کا
ہم شکل بناتی ہیں۔ انگریزنیں ساری دنیا کی عورتوں پر ہنستی ہیں کسی کے گہنے پر کسی کے
لباس پر کسی کے بالوں کی بندش پر کسی کے بناؤ سنگار پر اور خاصکر چینیوں پر اور ان کا
کہنا یہ ہو کہ انسان کی اصلی خوبصورتی اُس کی قدرتی بناوٹ میں ہو مگر جس وقت اپنی
بہنوں پر جو دوسرے ملکوں کی رہنے والیاں ہیں ہنستی ہیں اُن کو اپنی کمر یاد نہیں رہتی
مختلف ملکوں کی تاریخیں اور جغرافیے پڑھو تو معلوم ہو کہ حسن کی نسبت لوگوں کے خیالات
کس قدر مختلف ہیں۔ قومی اختلافات سے اُتر کر شخصی اختلافات پر آؤ تو ہر جگہ وہی معاملہ
ہو کہ ع لیلیٰ را بچشمِ مجنوں باید دید۔ غرض جہاں تک غور کیا جاتا ہو حسن کا کوئی مفہوم متعین

نہیں ٹھیرتا لیس مفہوم حسن کو انسان کا طبعی خیال سمجھنا غلط ہے بلکہ وہ ایک شخصی خیال ہے۔ مبتلا۔ یہ تو ایک لفظی بحث ہے حسن کی نسبت میرا خیال طبعی ہو تو اور شخصی ہو تو نتیجہ واحد ہے کہ مجھ سے بدون حسن کے صبر نہیں ہو سکتا۔ عارف۔ واہ واہ لفظی بحث کی بھی خوب کہی اجی حضرت یہ تو علم اخلاق کا ایک بڑا ضروری مسئلہ ہے جتنی باتیں طبعی ہیں یعنی تقاضائے طبیعت انسانی سے سرزد ہوتی ہیں کسی کے روکے رک نہیں سکتیں ان کی تبدیل میں کوشش کرنا محض لاحاصل ہے اور مطلق بے سود۔ مگر جن کو میں نے شخصی سے تعبیر کیا ہے ضرورتیں ہیں ادعائی حاجتیں ہیں تکلفی جن کو آدمی عموماً نہیں بلکہ افراد خاص اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں۔ اگرچہ ان ادعائی ضرورتوں کا تقاضا کبھی طبعی ضرورتوں سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے مگر پھر بھی چونکہ تقاضائے طبیعت نہیں ہے اس کی شورش کو فرو اس کی تیزی کو مدھم کرنا ممکن ہے، مثلاً مطلق کھانا پینا تقاضائے طبیعت انسانی ہے اور کسی تدبیر سے یہ خواہش دفع نہیں ہو سکتی مگر خاص قسم یا خاص ذائقے یا خاص کیفیت کے کھانیکا التزام تقاضائے طبیعت انسانی سے خارج ہے۔ جو لوگ شراب یا افیون یا مدک یا چنڈو یا گانجے یا چرس یا تاڑی یا حقے یا کسی قسم کے نشے کی عادت ڈال لیتے ہیں اس کی طلب میں ایسے بے قرار ہو جاتے ہیں جیسے بھوبھل میں مچھلی تاہم یہ ایک ضرورت ہے جس کو ان کی طبیعت شخصی تقاضا کرتی ہے نہ طبیعت انسانی۔ اسی طرح خداوند تعالے کی حکمت کاملہ نے نوع انسان کے باقی رہنے کے لیئے ایک قاعدہ ٹھیرا دیا ہے کہ دو طرح کے آدمی بنائے مرد اور عورت اور دونو کے لیئے عمر کا ایک وقت مقرر کر دیا کہ جب اس حد پر پہنچیں تو دونوں میں از خود ایک دوسرے کی طرف رغبت پیدا ہو بس یہاں تک اور صرف یہیں تک تو تقاضائے طبیعت انسانی ہے جیسے مطلق غذا اور اس سے بڑھکر کہ جس کی طرف رغبت کرتا ہے پورا یا ادھورا

رند کے سراپا کا مصداق سوا قبیل نشہ ہی اور یہاں انسان کے اور ہزار ہا لغویات ہیں۔ کہ شاید دس ہزار آدمیوں میں ایک بھی اُن سے محفوظ نہیں ایک طرح کی لغویت حسن پرستی بھی ہے بھلا کوئی مجھکو اتنا تو سمجھا دے کہ طبیعت انسانی جس رغبت کا تقاضا کرتی ہو اُس سے اور رند کے یا کسی دوسرے شاعر کے سراپا سے کیا مناسبت۔ مبتلا میں لیا سمجھتا ہوں کہ اُسی رغبت میں جس کا طبعی ہونا آپ تسلیم کرتے ہیں سراپا کو ایسا دخل ہو جیسا غذا میں مسالے کو۔ عارف۔ بالکل غلط مسالہ جزو غذا ہوتا ہو۔ داخل غذا اور خود غذا۔ مبتلا۔ حسن کی نسبت آپ کی رائے تمام دنیا کی رائے کے خلاف ہے۔ اور اگرچہ بادی النظر میں آپ کی دلیل لاجواب معلوم ہوتی ہو مگر چونکہ فی الواقع ایک عالم فریفتۂ حسن ہو اور ازاں جملہ میں بھی ہوں گو آپ کو قائل نہ کرسکوں تاہم دل ہو کہ حسن کے تصور سے کھلا جاتا ہو۔ عارف۔ اگر دنیا عبارت ہے اُن لوگوں سے جن کو تمہاری طرح حسن پرستی کا خبط ہے تو بلاشبہ تمہارا کہنا درست ہے مگر زیادہ نہیں تو اپنی ہی معرفت کے مثلاً دس گھر معین کرو اور دیکھو کہ اُن میں کتنے آدمی ہیں پھر اُن میں اپنے جیسے عاشق مزاج منتخب کرو تب تم کو معلوم ہو کہ جنونِ عشق عالمگیر ہے یا نہیں۔ اور ایک بات میں تم سے اور بھی کہتا ہوں کہ یہ تمام خرمستیاں پیٹ بھرے کی ہیں۔ ایک۔ اور دوسرے یہ روگ اکثر شہر ہی والوں ہی کو ہوتے دیکھا اور تم نے اپنے دل کا جو حال بیان کیا اس کو میں مانتا ہوں لیکن بُرا مت ماننا مدرسے کے تمام طالب العلموں میں تم سب سے زیادہ معروف و مشہور تھے مگر کس بات میں مدرسے کے چند آوارہ اور بدوضع نوجوان لڑکے تمہاری محبت کا دم بھرتے تھے اور اُنھوں نے گفتار سے کردار سے یہ بات بخوبی ثابت کردی تھی کہ تم بھی حسین ہو۔ آدمی فربہ شود از راہِ گوش۔ سنتے سنتے وہ خیال تمہارے ذہن میں

راسخ ہوگیا جب خود جوان ہوئے اس خیال کا پیرایہ بدل گیا۔ **شعر**

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر	بارے ستم کی کچھ تو مکافات چاہیئے

مبتلا۔ آپ مولوی ہوکر داب مناظرہ کا لحاظ نہیں رکھتے آپ کا دعوے یہ ہے کہ حسن کی نسبت لوگوں کے خیالات طبعی نہیں بلکہ شخصی ہیں اور اس دعوے کے اثبات میں آپ میری خاص حالت سے استدلال کرتے ہیں دعوے عام ہے اور دلیل خاص۔ دنیا میں ہزار ہا آدمی حسن پرست ہیں تو کیا سب کی حسن پرستی کا یہی سبب ہوسکتا ہے کہ میری طرح وہ بھی حسین ہیں۔ عارف۔ تم نے اچھی طرح خیال نہیں کیا جیسا میرا دعوے عام ہے ویسی ہی میری دلیل بھی عام ہے اور تمہارا تذکرہ تمثیلاً تھا نہ استدلالاً میری دلیل یہ ہے کہ حسن کی نسبت مختلف ملک کے باشندوں اور مختلف قوموں اور مختلف شخصوں کے مذاق مختلف ہیں اور اگر طبعی ہوتے تو مختلف نہ ہوتے۔ مبتلا۔ آپ کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اقتضاءات طبیعتِ انسانی تمام دنیا میں یکساں ہیں مگر میرے سمجھنے میں تو یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی میں دیکھتا ہوں کہ روے زمین کے مختلف قطعات میں مختلف طور کی آب و ہوا اور مختلف طور کی پیداوار ہے اور آب و ہوا اور پیداوار کے اختلاف سے باشندوں کے طبائع کا مختلف ہونا ضرور ہے چنانچہ بعض ملکوں کے لوگ آرام طلب ہوتے ہیں اور بعض کے جفاکش بعض کے غصیلے زود رنج بعض کے متحمل بردبار بعض کے بہادر دلیر بعض کے بزدل ڈرپوک بعض کے سیدھے سادے بعض کے مفسد چالاک اور باایں ہمہ اختلافات یہ سب خصائص طبعی سمجھے جاتے ہیں اسی طرح حسن کی نسبت لوگوں کے مذاق مختلف سہی ہوں۔ مذاقِ حسن پھر بھی طبعی ہی کہا جائیگا۔ عارف۔ جن خصائص کے خلاف پر تم مذاقِ حسن کے اختلاف کو قیاس مع الفارق کرتے ہو وہ خصائص طبعی اور کیمیائی

ہیں آب وہوا اور غذا کی حرارت اور برودت اور رطوبت اور یبوست خون پر اثر کرتی ہے گرم ملکوں کے لوگوں کے مسامات کشادہ خون گرم اور رقیق اور اُس کی گردش تیز اور سرد ملکوں میں اِس کے بالکل خلاف اور یہی وجہ ہے کہ گرم ملکوں کے لوگ آرام طلب غصیلے اور بزدل اور ذہین ہوتے ہیں لیکن آب وہوا اور غذا کو اس طرح کا مدخل مذاقِ حُسن میں ہو نہیں سکتا اور اگر ہے تو اس کا ثابت کرنا تمہارا کام ہے ہاں اگر یہ کہو کہ بعض گرم ملکوں کے لوگوں میں توالد تناسل کی رغبت جلد پیدا ہوتی ہے یا وہ لوگ اس رغبت پر زیادہ حریص ہوتے ہیں تو میں اس کو مانتا ہوں کیونکہ مطلقاً اس رغبت کا طبعی ہونا مجھکو تسلیم ہے رہی عجلت اور حرص دونوں حرارت کے آثار کیمیائی ہیں مگر پھر پھر کر وہی بات آئی کہ اس رغبت طبعی کو شاعروں کے سراپا سے کہ وہی حُسن ہے کیا تعلق میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی شخص دوسرے شخص کے کسی عضو کو بے سبب بے غرض بے مطلب کیوں اچھا یا بُرا کہہ سکتا ہے مثلاً تمہاری ناک سے اگر کسی کی کوئی غرض متعلق ہوسکتی ہے تو وہ تم ہی ہو کہ تم اس سے سونگھتے یا سانس لیتے ہو اگر تمہاری ناک تمہارے کام اچھی طرح دیتی ہے تو وہ اچھی ہے مگر تمہارے لیئے۔ میرا کون سا مطلب تمہاری ناک سے اٹکا ہے کہ میں اسکو اچھا یا بُرا سمجھوں اور یہی حال ہے تمام سراپا کا جس کے پیچھے رندوں نے جزو جزو کے جزو سیاہ کیئے ہیں غرض تم کو دو باتیں ثابت کرنی چاہئیں اوّل یہ کہ مذاقِ حسن تقاضائے طبیعتِ انسانی ہے۔ دوسرے یہ کہ توالد تناسل کی رغبتِ طبعی میں اسکو مدخل ہے۔ مبتلا ابھی تو میں اسی بات کو سوچ رہا ہوں کہ لوگوں میں مذاقِ حسن مختلف کیوں ہیں۔ عارف میں نے اِن باتوں کو برسوں سوچا ہے آخر اس بات سے دل کو تسلی ہوگئی کہ حُسنِ صورت فی نفسہ کوئی چیز نہیں پھر یہ خیال پیدا ہوا تو کہاں سے پیدا ہوا۔ پہلے ذہن اس طرف منتقل ہوا تھا

کہ شاید حسن کا ماخذ علمِ قیافہ ہو یعنی انسان کی روح اور جسم میں ایک تعلق ہے ایسا کہ اعضا کی ساخت اور وضع سے اُس کے دلی خیالات اور اخلاق پر استدلال کیا جاتا ہے۔ لوگوں نے تجربے سے اس تعلّق کو دریافت کر کے جمع کیا تو علمِ قیافہ مدوّن ہو گیا۔ جو لوگ علمِ قیافہ کے بڑے ماہر ہوتے ہیں آدمی کے اعضا کی بناوٹ سے اُس کے خصائصِ طبیعت کو پہچان جاتے ہیں۔ عجب نہیں کہ اعضا کی جو وضع محاسنِ اخلاق پر دلالت کرتی ہو اُس کو اچھا سمجھنے لگے ہوں لیکن جن لوگوں کے حُسن کا بڑا چرچا ہے اُن کو دیکھا تو من حیث الاخلاق سب سے بدتر پایا۔ معلوم ہوا کہ علمِ قیافہ تو حسن کا ماخذ نہیں ہو سکتا۔ آخر غور کرتے کرتے یہ بات سمجھ میں آئی کہ جس طرح اب لوگوں میں اعلےٰ اور ادنےٰ اور شریف اور وضیع اور خواص اور عوام کا تفرقہ ہے ایسا ہی ابتدائے دنیا میں سب لوگ تو یکساں حالت میں نہیں رہے ہونگے۔ جسمانی قوت یا اعوان و انصار کی کثرت یا کسی دوسری وجہ سے بعض لوگ ضرور اکابرِ قوم سمجھے جاتے ہونگے اور قاعدہ یہ ہے کہ جسکو انسان اپنے سے بہتر اور برتر سمجھتا ہے اُس کی سبھی باتیں اُس کو بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ یوں سب سے پہلے حسن کا خیال پیدا ہوا ہو تو عجب نہیں اور پھر تو مثل دوسرے خیالات کے یہ خیال بھی اباً عن جدٍ متوارث ہوتا چلا آیا۔ اور یہی سبب ہے ملکوں میں مذاقِ حسن کے مختلف ہونیکا کہ ہر ملک میں جو شخص سب سے بہتر اور برتر تھا لوگوں نے اس ہی کو نمونہ حسن قرار دے لیا۔ تم نے نپولین شاہِ فرانس کی تصویر تو دیکھی ہوگی اس کی ڈاڑھی کٹھی چُگی اور ڈاڑھی کی خوبصورتی ہی بھری ہوئی گول مگر نپولین کے دیکھا دیکھی سارے فرانس نے اپنی ڈاڑھیاں چُگی کر لیں اور اسی کو شعارِ خوبصورتی ٹھیرا لیا اور چُگی ڈاڑھی کا نام رکھا امپیریل بیرڈ یعنی شاہانہ ڈاڑھی۔ ہم لوگوں میں جو انگریزی وضع کھانے میں پینے میں لباس میں نشست

و بر خاست میں طرزِ تمدن میں ہر چیز میں وبا کی طرح پھیلتی چلی جا رہی ہو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ انگریز ہیں وقت کے حاکم ان کی تمام ادائیں خوشنما لگتی ہیں۔ اور ہم لوگوں کے مذاق ہیں کہ یوماً فیوماً انگریزی طور کے ہوتے چلے جاتے ہیں تغیّرِ خلقت تو اختیاری بات نہیں مگر رفتہ رفتہ مہندی اور وسمے کے عوض ہمارے یہاں کے بڈھے انڈے کی زردی کا خضاب تو ضرور کرنے لگیں گے حسن کی نسبت شخصی مذاقوں کی تادیل چنداں مشکل نہیں ایک شخص میں تمام محاسنِ صورت کا جمع ہونا تو کمیاب ہے اکثر یونہی ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑے حسینوں میں بھی دو چار نقص ضرور ہوتے ہیں اب یہ پسند کرنیوالے کی تجویز پر منحصر رہا کہ چاہے جس پہلو کو ترجیح دے۔ بعضے رنگ پر مرتے ہیں اور بعضے نقشے کی نزاکت پر نظر کرتے ہیں بعضے حسن و ادا کے خریدار ہیں اور بعضے دامِ زلف کے گرفتار۔ مبتلا حسن اگر صرف خصائصِ انسانی سے ہوتا تو جو ماخذ آپ نے بیان کیا بلاشبہہ قابلِ تسلیم تھا۔ مگر جمادات نباتات حیوانات غرض تمام موجودات میں کوئی چیز حسن سے خالی نہیں والدِ مرحوم زندہ تھے کہ ایک مقدمے کی پیروی کے لیئے انھوں نے ناظر بھائی کو گرمیوں کے دنوں میں نینی تال بھیجا اور مجھکو اُن کے ساتھ کیا یوں تو پہاڑ دھندلا دھندلا کئی منزل سے نظر آتا تھا مگر تین چار کوس کے فاصلے سے تو ہم اُس کو اچھی خاصی طرح سموچا دیکھنے لگے وہ صبح کا وقت اور پہاڑ کی چوٹیوں پر سفید براق برف گویا سنگھار میز پر بڑا قدِ آدم آئینہ لگا ہو کہ آفتاب سوتا اُٹھ کر پہلے شبنم سے منہ دھوئے اور پھر اپنا چہرہ اُس آئینے میں دیکھے اور جب چوٹیوں کے گرداگرد شفق کی سرخی اور دامانِ کوہ کی سبزی پر آنکھ پڑتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک نازنین گلابی دوپٹا اوڑھے اور ہری پشواز پہنے غور سے کھڑا ہوا

آس پاس کی چیزوں کی سیر دیکھ رہا ہو۔ شروع میں تھوڑی دیر تک تو اس کا شعور
تھا کہ واقع میں پہاڑ ہو اور ہماری قوت متخیلہ نے اُس کو نازنین اور شفق و سبزے
کو اُس کا لباس رنگین بنالیا ہو مگر آفتاب کی کرن نکلتے ہی اوپر برف کے کنارے
اور نیچے ندی نالے سارے جگمگا اٹھے جیسے عین مین سچا گوٹا اب تو جو خیال تھا وہ
حقیقت الحال ہو گیا۔ قوتِ نامیہ کا ہر طرف یہ زور شور کہ ایک چپا بھر جگہ سبزۂ خود رو
سے خالی نہیں۔ شاعر تو سبزے کو خوابیدہ باندھتے ہیں مگر وہاں کا سبزہ بیدار ہوا
کے جھکولوں سے ہر وقت متموج بلا تصنع اُس وقت تو یہی خیال میں آتا تھا کہ ہوا کے
گدگدانے سے پہاڑ کے پیٹ میں ہنسی کے مارے بل پڑ پڑ جاتے ہیں۔ دونوں ہاتھوں سے
پگڑی سنبھالکر درختوں کو دیکھو تو ایسا شبہہ ہو کہ آسمان کی چھت بہت پُرانی ہو چلی تھی
شاید اُس کی آڑ واڑیں ہیں۔ رنگ برنگ کے جانور پھُدک پھُدک کر اِدھر سے اُدھر اور
اُدھر سے اِدھر اس طرح اُڑتے پھرتے تھے کہ گویا جگہ جگہ چوتھیاں کھیلی جا رہی ہیں غرض
ہر چیز پر ایک قدرتی جوبن تھا کہ جی بے اختیار لوٹا چلا جاتا تھا۔ ایسے کسی موقع پر
آپکے جانیکا اتفاق ہو تو آپ کو معلوم ہو کہ حسن ایک کیفیت خداداد ہی ہر جگہ ہو اور
ہر چیز میں ہو۔ اسی نینی تال کے رستے میں ایک ندی ملی تھی اُس میں پتھر کی ہزاروں بٹیاں
تھیں اُن میں بھی جو سُڈول تھی نہایت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ دنیا کی تمام صنعتیں
تمام دستکاریاں کس غرض سے ہیں صرف اتنی بات کیلئے کہ چیزوں میں حسن پیدا ہو
کسی انگریزی شاپ (دکان) میں میرے ساتھ چلیئے تو میں آپ کو دکھادوں کہ صرف
مکان کی آراستگی کیلیئے کیسا کیسا اسباب انگریزوں کی ولایت سے بنکر چلا آرہا ہی
زندگی کے تمام ساز و سامان میں کونسی چیز ہی جس میں خوبی نہیں اور یوں آدمی

آنکھوں پر ٹھیکری دھر لے اور بداہت کا انکار کرے تو اس کا علاج نہیں حسن کو تقاضائے طبیعت ماننا آسان ہے یا ایک عالم کو مجنون اور مبتلائے خبط۔ عارف بات کو بہت طول ہوتا جاتا ہے اور حجت اور تقریر سے کبھی کسی بات کا تصفیہ ہوا نہیں اور مدت العمر کے جمے ہوئے خیال کا دفعتًہ دل سے نکلنا بھی مشکل ہیں تم کو اتنی نصیحت کرتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اُس کو مختلف اوقات میں تم خود سوچا اور میں نے بھی یہی کیا تھا کہ مدتوں خود غور کرتا رہا یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ آخر کار تم میری رائے کے ساتھ اتفاق کروگے یا نہ کروگے مگر اِس کا تو مجھ کو پورا یقین ہے کہ انشاءاللہ تمہاری یہ شورش تو ضرور فرو ہو جائیگی۔ جس طرح تم دوسری چیزوں کا استحسان کرتے ہو یعنی مثلاً نینی تال کی سیر سے تمہاری طبیعت کو ایک طرح کی تفریح ہوئی اگر اسی طرح کی تفریح تمکو خوبصورت آدمی کے دیکھنے سے ہو تو اِس میں میرے نزدیک کوئی اعتراض کی بات نہیں بلکہ اس استحسان کو تم تقاضائے طبیعت بھی سمجھو تو چنداں مضائقہ نہیں مگر دل میں انصاف کرو کہ اس استحسان کو اُس استحسان کے ساتھ کیا مناسبت۔ اور فرض کرو کہ استحسان مردم یعنی حسن پرستی جیسا تم کہتے ہو تقاضائے طبیعت انسانی ہی سہی تو طبیعت انسانی کے اور بہت سے تقاضے ہیں مگر چار و ناچار اُن کو روکنا اور ضبط کرنا پڑتا ہے سب میں زیادہ شدید تقاضا غذا کا ہے تاہم بعض اوقات طبیب حکم دیتا ہے کہ فاقہ کرو اور فاقہ کرتے ہیں یا غریب آدمی کو ایک وقت کھانا میسّر نہیں آتا اور وہ انتڑیوں کو مسوس کر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح تقاضائے حسن پرستی مطلق العنان تو رہ نہیں سکتا حسن کمیاب اور اُس کے خواہاں بہت معشوقوں کے غمزہ و ادا سے شہید ہونے کا انتظار بھی نہ کریں آپس ہی میں رقابت کی وجہ سے لڑ مریں اور مشکل یہ ہے

کہ کیا بی ٹھیری شرطِ حسن کیونکہ اگر حسین کثرت سے ہوں تو حسن بے قدر ہو جائے کوئی اُس
کی طرف رغبت بھی نہ کرے۔ پس حُسن پرستی فی نفسہا ایسی خواہش ہی کہ ہزار خواہشوں میں
ایک کی کامیابی کی بھی توقع نہیں۔ تو کیوں آدمی ایسی لت اپنے پیچھے لگائے کہ اُس سے
سوائے رنج کے اَور کچھ ہاتھ نہ آئے۔ موقع پر آئی ہوئی بات کہنی ہی پڑتی ہی تمکو معلوم
ہی کہ واقعی اور ادّعائی ضرورتوں کی شناخت کیا ہی قاعدہ یہ ہی کہ جو چیز جس قدر زیادہ
سہولت سے میسّر آسکتی ہو بس جان لو کہ ہم کو اُسی قدر زیادہ اُس کی حاجت ہے مثلاً
ہوا اور پانی اور غلّہ سب ضرورت ہی کی چیزیں ہیں۔ غلّے سے زیادہ پانی اور پانی سے
زیادہ ہوا۔ مگر ہوا سب سے زیادہ سہل الحصول ہی پانی اُس سے کم اور غلّہ اُس سے
بھی کم اسی طرح لوہا اَور چاندی اَور سونا اور موتی اور جواہرات۔ سب سے زیادہ بکار آمد
لوہا ہی اور اسی کی زیادہ افراط ہی۔ پس حُسن اگر حقیقت میں ہمکو درکار ہوتا تو ضرور
تھا کہ اس کی افراط بھی ہوتی اور افراط ہوئی تو پھر حسن کہاں۔ حسن تو اُسی وقت تک
حسن ہی کہ اُس کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہوں۔ مبتلا۔ آپ کا یہ فرمانا بالکل ٹھیک
ہے کہ حسن کمیاب ہے اور جو ہی اُس پر دسترس کا ہونا مشکل اور میں اسی سوچ میں
بیٹھا تھا کہ آپ تشریف لائے۔ مگر دنیا کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں بھی مشکلیں
پیش آتی ہیں اور یہ تو وہ لذتیں ہیں کہ دنیا کے سارے مزے اُس کے آگے ہیچ ہیں
بلکہ میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ جب تک لذتِ حسن کا شمول نہ ہو دنیا کی کسی چیز میں کوئی
مزہ ہی نہیں تو ایسے عمدہ مطلب کے حصول میں اگر جان تک کی بھی جوکھوں ہو
تو کیا مضائقہ اتنا خدا کا شکر ہی کہ دوسروں کو محال ہی اور مجھ کو آسان۔ عارف۔ کیوں
تم میں خصوصیت کیا ہے کیا تم کہیں کے حاکم ہو یا تمہارے یہاں کچھ دولت پھٹ

پڑی ہے۔ مبتلا۔ بس آپ کے نزدیک تو دنیا میں حکومت اور دولت دو ہی چیزیں ہیں۔ اجی حضرت میں حسن کی دولت رکھتا ہوں۔ اب چند روز ہوئے چچا باوا کے لحاظ سے میں نے آنا جانا چھوڑ دیا ورنہ شہر میں ایسا کون نازنین ہے جو مجھ کو پیار نہیں کرتا ذرا میرا رخ دیکھیں تو گلے کی ہار ہو جائیں مجھ کو حسن کی کیا کمی آج چاہوں تو ایک ریوڑ پال لوں۔ عارف۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ میں تو سمجھا تھا کہ تم کچھ عقل رکھتے ہو اب معلوم ہوا کہ عقل اور حیا اور غیرت اور عزت اور آبرو اور مذہب کسی چیز سے تم کو بہرہ نہیں اور تمہاری حالت بڑی خطرناک حالت ہے۔ تم تو جناب میر متقی صاحب کے پاس برسوں رہو تب کہیں جا کر آدمی بنو تو بنو۔ تمہاری عقل کا تو یہ حال ہے کہ ابھی تک خوبصورتی کا خبط تمہارے سر سے نہیں نکلا تم بات بات میں اس طرح منہ بھر بھر کر اپنے تئیں حسین اور خوب صورت کہتے ہو کہ گویا حسن صورت بڑا جوہر ہے۔ مرد ہو کر تم کو عورتوں کے ہنر پہ ناز کرتے ہوئے شرم نہیں آتی خوبصورتی کے خیال سے کچھ تم ہی اپنے دل میں خوش ہوتے ہو گے۔ مگر غیرت مندوں کی نظر میں تو اس گورے چمڑے نے تمہارے سارے خاندان کی عزت کو ڈبو دیا اور تم کو دنیا اور دین دونو کے کام سے کھو دیا آور خیر جوان ہوئے پیچھے وہ کمبخت خوبصورتی گئی گزری ہوئی تھی تو بچپن کے اس خیال کو جانے دیا ہوتا نہیں۔ وہ خبط ہے کہ بدستور تازہ ہے منہ پر ڈاڑھی نکل آئی چہرہ پکا کمبخت ہو گیا وہ رنگ و روغن وہ نرمی و نزاکت کوئی چیز باقی نہیں رہی مگر خدا جانے وہ تمہاری خوبصورتی کس چیز سے عبارت ہے کہ اسی میں فرق نہ آیا۔ شہر کے نازنینوں کا حال تو معلوم نہیں مگر مدرسے میں جو تمہارے چاہنے والے تھے وہ تو تمہارے رہتے ہی

ایک ایک کر کے تم سے بے رخی کرنے لگے تھے اور کیا تمکو اس کا امتیاز نہوا ہوگا اور جب تمہاری وہ لڑکپن کی کیفیت بدل گئی کہ خیر وہ ایک طرح کی خوبصورتی تھی تھی تب بھی مردِ خدا تم کو تنبہ نہ ہوا کہ کیا ایسی بے ثبات اور ناپائدار چیز کے درپے ہونا جو آج ہے اور کل نہیں۔ یہ کیفیت جو تم میں اب ہے اگرچہ اس کو خوبصورتی سمجھنا تمہارا ہی ادعا ہے مگر بُری یا بھلی جیسی ہے اُمی کاش اس کو قیام ہو۔ جس نے تمکو بچپن میں دیکھا ہے اب سے چار برس بعد پہچاننے کا بھی تو نہیں کہ یہ وہی مبتلا ہے یا دوسرا شخص ہے۔ میرے نزدیک تو خوبصورتی کا دعوے اب بھی تمکو زیب نہیں دیتا۔ مگر ایک وقت آنیوالا ہے اُس کو آیا ہوا سمجھو جبکہ تم خود پکار اُٹھو گے۔ دُریغا کہ عہدِ جوانی برفت۔ جوانی مگو زندگانی برفت۔ ذرا خیالات کو اونچا کرو نظر کو تھوڑا آگے بڑھاؤ۔ یہ خواہشیں جن کا تم اس قدر اہتمام کر رہے ہو خدا نے گدھے۔ کتے۔ بندر۔ سور۔ ذلیل سے ذلیل جانوروں کو بھی دی ہیں بلکہ جانوروں میں یہ قوتیں آدمی سے بہت زیادہ ہیں۔ کیا آدمی کے لیئے شرم کی بات نہیں کہ جانوروں کی ریس کرنے پر حریص ہو۔ تم کو اس بات پر بڑا گھمنڈ ہے کہ نازنینانِ شہر یعنی بازاری عورتیں تمکو پیار کرتی ہیں یہ جھوٹی رکابیاں یہ چچوڑی ہوئی ہڈیاں یہ کھائی ہوئی قلفیاں کسی بھلے مانس کی غیرت تقاضا کر سکتی ہے کہ ان کو منہ لگائے یا پاس بٹھائے نری خوبصورتی کو اگر ہو بھی لے کر کیا آگ لگانی ہے جبکہ اُن میں شرم وحیا نہیں مہر و وفا نہیں عفت و عصمت نہیں غیرت و حمیت نہیں۔ مبتلا۔ میں نے تو ان لوگوں کا تذکرہ آپ سے صرف اس غرض سے کیا تھا کہ میں حسن کی خواہش کروں تو غالباً میرے لیئے اس کا بہم پہنچنا کچھ دشوار نہ ہوگا۔ کیونکہ میں ان لوگوں کو اپنی طرف بھی مائل پاتا ہوں مجھے دوسرا ذریعہ لقمہ

درکار نہیں جس دن چچا باوا تشریف لائے میں نے ان لوگوں سے ملنا جلنا قطعاً موقوف کردیا اور آئندہ بھی میرا ارادہ ان لوگوں سے ملنے کا ہرگز نہیں چچا باوا کے آنے کا تو مجھ کو ایک حیلہ ہاتھ لگ گیا ورنہ میں نے تھوڑے ہی دنوں کے اختلاط میں ان لوگوں کو خوب آزما لیا بک گیا برباد ہوگیا چچا باوا نہ آئے ہوتے تو فاقوں پر نوبت پہنچ چکی تھی۔ مگر حقیقت میں عجب بے مروّت قوم ہے چندے کے بندے اور دام کے غلام۔ اس میں شک نہیں کہ مجھ کو پیار بھی کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ لے بھی مرتے ہیں۔ عارف۔ الحمد للہ میرا جی یہ سنکر بہت خوش ہوا کہ تم کو اس نالائق گروہ سے تو نفرت ہوئی اور میں تو بھائی اس کو جناب میر صاحب کا تصرف سمجھتا ہوں مبتلا۔ خیر جو کچھ ہو مگر حسن پرستی کی کسک میرے دل میں باقی ہے وہ نہیں نکلتی۔ عارف۔ اب بہت دیر باتیں ہوئیں آدمی کے دل کا حال ہر وقت یکساں نہیں رہتا انشاء اللہ پھر کسی دن موقع دیکھ کر گفتگو کرینگے اس اثنا میں تم بھی وقتاً فوقتاً سوچنا اور غور کرنا اگر خدا کو منظور ہے تو خود تمہارے ہی دل سے کوئی نہ کوئی بات ایسی پیدا ہوگی کہ اس سے تمہاری تسکین ہوجائیگی اتنی بات تمہارے کان میں اور ڈالے دیتا ہوں کہ دنیا کے تمام معاملات کا مدار خیالات پر ہے **شعر** ہر خیالے صلح شان و جنگ شان ہر خیالے نام شان و ننگ شان ہ ایک شخص کو دیکھتے ہیں کہ ایک غرض کے پیچھے دیوانہ بن رہا ہے اور اسی جیسے ہزاروں لاکھوں آدمی ہیں کہ اس غرض سے مطلق سروکار نہیں رکھتے۔ زندگی کے دن پورے کرنیکو گنتی کی چند چیزیں درکار ہیں اور انکے بہم پہنچانے کیلئے کچھ زیادہ زحمت اٹھانیکی ضرورت نہیں صائب نے کیا خوب کہا ہے **شعر**۔ حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب جہاں ۔ آنچہ من درکار دارم بیشتر درکار نیست ہ

اور جب دوسرے لوگ ہمارے ہی ابنائے جنس ایک چیز کے بغیر چند دن خوش و خرم رہ سکتے ہیں تو اس سے بخوبی ثابت ہے کہ حقیقت میں وہ چیز داخل ضروریات زندگی بلکہ داخلِ تفریحات بھی نہیں ہے اُن لوگوں نے ایک طرح پر خیال کیا اور اُس چیز پر غالب آئے اور ہم نے دوسری طرح پر سوچا اور مغلوب ہو گئے یوں تو سوچنے اور غور کرنے کو ہزاروں باتیں ہیں مگر تمہاری حالت کے واسطے موت کا تصور کرنا بالخاصہ مفید ہے۔ اگر دن رات میں تھوڑی دیر کے لیے بھی آدمی اپنے تئیں مرتا ہوا فرض کر لیا کرے اور یہ تو یقینی ہے کہ ایک نہ ایک دن سچ مچ اُس کو مرنا ہوگا تو دنیا کی بہت سی ترغیبات سے محفوظ رہ سکتا ہے اور چونکہ دینداری کے خیالات ابھی تمہاری طبیعت میں راسخ نہیں ہوئے موجباتِ ترغیب کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ سارا کیا کرایا دم کے دم میں اکارت ہو جائے گا۔

اٹھارھویں فصل مبتلا کا ایک عورت کے دام محبت میں مبتلا ہونا

عارف تو یہ کہکر اُس وقت رخصت ہو گیا۔ مبتلا کے شیاطین برابر اُس کی گھات میں لگے ہوئے تھے میر متقی کا جانا سنتے ہی سب نے چاروں طرف سے یورش شروع کی۔ مبتلا تو ایک مدت سے اودھار پر عیاشی کر ہی رہا تھا سیکڑوں روپے اُن لوگوں کے اُس پر چڑھے ہوئے تھے پہلے کے ملے ہوئے خدا جانے میر متقی کے رہتے بھی اُنھوں نے کیونکر صبر کیا ہوگا۔ میر متقی کا اگر جانا نہ ہوتا تو آخر ایک نہ ایک دن اُس قرض کا جھگڑا اُن کے روبرو پیش ہوتا پر ہوتا اور اُن کے روبرو پیش ہوتا تو وہ عمدہ طور پر فیصلہ بھی کر دیتے آپ اُونے پَونے کیسے سوائے ڈیوڑھے کی قسط بندی پر تو قرضے کا چکوتا

مبتلا اور اُن لوگوں کے پاس آکر بیٹھنے بات کرنے سے مبتلا کی طبیعت جو میر متقی اور عارف کے سمجھانے سے کسی قدر سنبھل چلی تھی پھر بگڑی۔ سامان تو ایسا بندھا تھا کہ مبتلا پھر بدستور سابق آوارہ مزاج ہو جائے۔ مگر اُدھر تو نصیحت کے خیالات تھے تازہ اور ادھر اداے قرض کی وجہ سے مبتلا کو اُن لوگوں سے ہوئی ایک طرح کی ناخوشی اور تو کسی کے پاؤں نہ جمے مگر اب سے کوئی تین چار برس پہلے کا مذکور ہے مبتلا کے والد اُن دنوں زندہ تھے اسی محلے میں مبتلا کے گھر سے ذرا فاصلے پر ایک عورت کرایہ کے مکان میں آکر رہی وہ تھی تو لکھنو کی کوئی خانگی پر اُس نے اپنے تئیں بیگم مشہور کیا باوجودیکہ تھوڑے ہی دنوں کی آئی ہوئی تھی مگر سارے محلے میں اُس کی خوبصورتی اور لیاقت کا غل مچ گیا عیاش مزاجوں میں جو جس ڈھب کا تھا اپنے شوق کی چیزیں بیگم کا مداح تھا۔ شاعر کہتے تھے فی البدیہہ شعر کہتی ہے۔ ستار بجانے والوں میں چرچا تھا کہ بول خوب بجاتی ہے تاش گنجفہ چوسر شطرنج کھیلنے والے ان تمام کھیلوں میں اُس کے کمال کے قائل تھے ضلع جگت پھبتی حاضر جوابی پہیلی مکرنی نسبت میں سب مانتے تھے کہ اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اس کی خوبصورتی میں لوگ کچھ کلام کرتے تھے مگر اُس کے جامہ زیب ہونے پر سب کو اتفاق تھا۔ مبتلا تو خود ایسی خبروں کی ٹوہ میں لگا رہتا تھا اس کو بیگم کا حال سب سے پہلے معلوم ہوا ہوگا لیکن باپ کے رہتے محلے کے محلے میں بد لحاظی نہیں کر سکتا تھا نہ جا سکا۔ باپ کے مرے پیچھے جب مبتلا کھل کھیلا تو جہاں اس نے اور نالائقیاں کیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بیگم سے ملا۔ شاعری اور ستار اور شطرنج اور کیا اور کیا یہ تو سب مبالغے تھے مگر اس میں شک نہیں کہ عورت تھی بڑی گویا اُس کی زبان کہے دیتی تھی کہ خواصی یا مصاحبت یا کسی دوسرے طور پر اس نے بادشاہی محلات

میں ضرور تربیت پائی ہو یا کیا عجب ہے کہ جیسا وہ کہتی تھی خود بیگم رہی ہو۔ لسانی کے علاوہ اُس کا سلیقہ مجلس بھی بہت ہی دل کش تھا وہ نہایت جلد آدمی کے دل کو ٹٹول لیتی اور ہر ایک کے ساتھ اُس ہی کے مذاق کی باتیں کرتی یہ عمل تھا جس کے ذریعے سے وہ لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتی تھی ورنہ صورت شکل کے اعتبار سے وہ کچھ چنداں قدر کی چیز نہ تھی۔ مبتلا کے ساتھ آنکھیں دو چار ہوتے ہی وہ پہچان گئی کہ یہ کوئی نیا مرد وا بنا ہے اُس نے مبتلا کو دور سے کھڑے ہو کر ایسے انداز کے ساتھ سلام کیا جیسے کوئی ہندو آفتاب کو ڈنڈوت کرتا ہے۔ اور گاؤ تکیہ جس سے لگی ہوئی بیٹھی تھی چھوڑ اپنی جگہ مبتلا کو بٹھایا اور آپ مودّب سامنے ہو بیٹھی۔ مبتلا نے چاہا کہ اُس کو اپنی برابر بٹھائے مگر وہ ایاز قدر خود بشناس کہکر پہلو پر نہ آئی۔ مبتلا تو تمہید کلام ہی سوچتا رہا کہ اتنے میں وہ آپ ہی بولی ایک مدت سے دلی کی تعریفیں سُن سُن کر جی پھڑکتا تھا اور دل میں ارمان تھا کہ اگر پر ہوتے تو اُڑ کر جاتی اور ایک نظر دلی کو دیکھ آتی بارے سان نہ گمان خود بخود ایسا اتفاق پیش آیا کہ خدا نے دلی میں لا بٹھایا اور جیسا سُنا تھا اُس سے ہزار حصے بڑھکر پایا چشم بد دور لکھنؤ میں دولت کی افراط ہے اور لوگ بھی وہاں کے بڑے زندہ دل ہیں حسن کی جو قدر و منزلت آج ہمارے لکھنؤ میں ہے کسی دوسرے شہر میں کم ہوگی اور یہی سبب ہے کہ ملکوں ملکوں سے حسن کھنچ کر سب لکھنؤ میں سمٹ آیا ہے اور میرا رہنا بھی ایسی ہی جگہ ہوا ہے کہ اس کو حسن کا اکھاڑا کہنا چاہیے مگر اپنا شہر ہے تو ہونے دو بات تو سچی ہی کہی جائیگی ما شاء اللہ آپ کی صورت کا آدمی بھی میری نظر سے تو نہیں گذرا۔ مبتلا۔ یہ تو سب تمہاری مہربانی ہے چونکہ تم نظر محبت سے دیکھتی ہو تمکو میری صورت بھی بھلی معلوم ہوتی ہے ہم مردوں کی صورت اگر اچھی ہوئی بھی تو کیا بے مصرف صورتیں

تو تم لوگوں کی ہیں کہ ایک عالم تمہاری اِن صورتوں ہی کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے میں نے بھی تمہاری صفت وثنا بہت کچھ سُنی تھی اور تمہارے دیکھنے کیلیئے دل بے قرار تھا مگر موقع نہیں بن پڑتا تھا۔ اب جو تمکو دیکھا تو معلوم ہوا حقیقت میں لکھنؤ کی خراش تراش اور وضع داری کو دلّی والے نہیں پا سکتے۔ مگر یہ تو کہو کہ گھر تمہارا ٹھیرا لکھنؤ یہاں دلّی میں تمہارے قیام کا کیا بھروسا۔ بیگم۔ ہم لوگوں کا کمبخت اس طرح کا بُرا پیشہ ہے کہ قرآن کا جامہ پہن لیں تب بھی تو کوئی اعتبار نہیں کرتا آپ کو یقین آئے یا نہ آئے میں ایک عزت دار خاندان کی بیٹی ہوں خدا جانے یہ کیسی کرم میں کیا لکھا تھا کہ ایسے بُرے احوال سے پردیس میں پڑی ہوں میرا حال اس قطعے کا مصداق ہے قطعہ

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہو	ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار	اور اگر مرجایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

میں جس وقت لکھنؤ سے نکلی دل میں یہ ٹھان کر نکلی کہ اب اس شہر کو پیٹھ دکھائی ہے جیتے جی مُنہ نہیں دکھاؤنگی۔ جس حالت میں آپ مجھ کو دیکھتے ہیں جس قدر مجھے اس سے نفرت ہے بس خدا ہی کو خوب معلوم ہے۔ مگر موت اپنے بس کی نہیں "شاد بابید زیستن ناشاد بابید زیستن"۔ آج اگر کوئی بھلا آدمی خدا اُس کے دل میں رحم ڈالے اور میری دست گیری کرے تو مجھ کو چرخہ کاتنا منظور چکی پیسنی قبول میں اُس کی کفش برداری کو حاضر ہوں مگر یاں نہ ماں میں تیرا مہمان زبردستی کس کے سر ہو جاؤں آپ سے آپ کس کے ساتھ لگ لوں۔ ہر چند مبتلا کی آوارگی اُن دنوں بڑے زوروں پر تھی مگر اُس کے دل میں کسی عورت کے ساتھ تعلق لازمی پیدا کرنے کا خیال کبھی نہیں آیا تھا یہ بیگم کی سحر بیانی تھی کہ ابھی اُس کی تقریر پوری نہیں ہونے پائی کہ مبتلا نے

اُس کو گھر میں ڈال لینے کا پہلے پہل کچھ یوں ہی سا ارادہ کیا۔ بیگم میں دو باتوں کی کمی تھی ایک تو اُس کی صورت کچھ بہت عمدہ نہ تھی بنانے سنوارنے سے وہ اتنی بھی لظروں میں جنچتی تھی دوسرے گانا ناچنا جس کی ان دنوں مبتلا کو چاٹ لگی ہوئی تھی اُس کو مطلق نہیں آتا تھا تاہم اُس نے اپنی لستانی سے مبتلا کو پہلی ہی ملاقات میں اتنا تو گرویدہ کرلیا کہ شام کا گیا گیا ڈیڑھ پہر رات کی توپ اُس کو وہیں بیٹھے بیٹھے چل گئی اس اثنا میں بیگم نے خوب مزے مزے کی گلوریاں اپنے ہاتھ سے بنا بنا کر مبتلا کو کھلائیں دو دو رجائے اور کافی کے چلے۔ مبتلا اگر ایک جلسے میں مدعو نہ ہوتا تو اس سے رات کا رہ پڑنا بھی کچھ تعجب نہ تھا بارے مکان پر سے آدمی آیا کہ صاحب جلسہ خود آپ کو لینے آتے ہیں ناچار اُٹھنا پڑا اور جلسے کی سن کر بیگم کو بھی اصرار کرنیکا کوئی قع نہ تھا مگر چلتے چلتے بیگم نے اتنا عہد تو لے ہی لیا۔ کہ جلسے کے سوا اپنے یہاں ہو یا کسی دوست کے یہاں بلاناغہ ہر روز ملاقات ہوا کریگی اور میر متقی کے آنے تک ایسا ہی ہوتا رہا اور اتنے دن میں بیگم نے مبتلا کے دل میں بخوبی اپنی جگہ کرلی۔ میر متقی کی لاحول سے جہاں اور شیطان بھاگ کھڑے ہوئے تھے اُن میں ایک بیگم صاحب بھی تھیں۔ میر متقی کے رہتے بھی بیگم نے بہتیرے ڈھب لگائے کہ مبتلا زیادہ نہیں تو کبھی کبھا کھڑے کھڑے صورت دکھا جایا کرے مگر مبتلا خود ان دنوں ہتے سے اُکھڑا ہوا تھا آنا جانا تو درکنار زبانی سلام و پیام تک کا بھی تو وہ روادار نہ ہوا۔ مبتلا بے چارے کے حال پر خیال کرکے کس قدر افسوس آتا ہے۔ **شعر** قسمت تو دیکھیے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند + دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہگیا + غریب تھا کہ بیگم اس کو صبر کرکے بیٹھ رہے اتنے میں تو میر متقی کو منا کہ تشریف لے گئے بیگم تو اس خبر کو سنتے ہی مارے خوشی کے اُچھل پڑی اور اسیوقت سے لگی مبتلا کے

انتظار میں بار بار مڑ مڑ کر دروازے کی طرف دیکھنے ایک دن گزرا دو دن گزرتے تین دن گزرے مبتلا کا پتہ نہیں سمجھی کہ چچا نے ضرور بھتیجے کو کچھ پٹی پڑھائی آخر جب اپنے اہلِ برادری کو سنا کہ حساب کتاب کے لیے آنے لگے تو اس نے بھی کسی کے ہاتھ ایک رقعہ بھیجا (رقعہ) جانِ من۔ یا ہاں شوراشوری و یا ہاں بے نمکی۔ اِس قدر بے مروتی ایسی بے وفائی کچھ قصور کوئی خطا۔ دل کے ایسے بودے اور ارادے کے اتنے کچے تھے تو اتنا ربط بڑھانا ایسا گہرا اختلاط کرنا کیا ضرور تھا۔ ازبرائے خدا چند لمحے کے لیئے تشریف لاؤ اور اپنی حقیقت مجھکو سناؤ میں خدانخواستہ کوئی بلا نہیں کہ جھٹ جاؤنگی آپ کوئی بچے نہیں کہ پھسلا لونگی اور اگر آپ کو آنا منظور نہیں تو مجھ سے وہاں پہنچنا کچھ دور نہیں شعر

تم جا تو غیر سے جو تمہیں راہ و رسم ہو	ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

مبتلا یہ رقعہ پڑھکر غوطہ میں تھا کہ عارف اُس کے سر پر آ کھڑے ہوئے تھے عارف کے چلے جانے کے بعد مبتلا نے رقعے کو پھر کئی بار پڑھا وہ اُس وقت جانے میں ہچکچاتا تھا مگر پھر اُس نے سوچا کہ اگر میں نہ گیا تو بیگم خود چلی آئیگی اس سے تو میرا ہی جانا بہتر ہے۔ غرض دل کو خوب مضبوط کر کے بیگم کے گھر گیا مگر افسوس ہے کہ کچھ ایسی گھڑی کا گیا کہ بس اُسی کے گھر کا ہو رہا۔ بیگم نے جو کئی مہینے کے بعد مبتلا کو دیکھا تو نہایت تپاک سے ملی بس اس کا وہ تپاک ایک جادو تھا کہ مبتلا کی تو کیا حقیقت تھی اُس کے چچا یا واعظ میر متقی صاحب بھی ہوتے تو پھسلتے نہیں تو لڑکھڑا ضرور جاتے دیر تک آپس میں گلے شکوے ہوتے رہے آخر مبتلا نے شروع سے آخر تک میر متقی کا آنا اور اُمور خانہ داری کی اصلاح اور اُن کی نصیحت اور ناظر کی فضیحت اور میر صاحب کا تشریف لیجانا اور عارف سے معرفت کرانا اور عارف کا سمجھانا اور اربابِ نشاط کا حساب کتاب ذرا ذرا بیان کیا

بیگم نے بہت ہی توجہ سے مبتلا کے قصّے کو سنا اور کہا کہ اتنے دن برابر جو آپ کا آنا نہ ہوا اس سے مجھے بڑی آزردگی ہوئی تھی اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ آپ سے اخیر دو دو باتیں کر کے ضرور اس محلے سے اُٹھ جاؤں گی مگر اب جو آپ سے ساری حقیقت معلوم ہوئی میرا جی بہت خوش ہوا اور اگر میں جانتی ہوتی تو ضرور میر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرتی سبحان اللہ اچھوں کی اچھی ہی باتیں ہوتی ہیں انہوں نے باپ سے بڑھ کر آپ کے ساتھ سلوک کیا اُن کے فرمانے پر چلو تو دنیا اور دین دونوں میں سرخ رو۔ میں تو خود آپ سے کہنے والی تھی کہ ان بیواؤں سے ملنا اور یوں پیسے کو برباد کرنا اور یہ ہرجائی پن اچھا نہیں۔ مبتلا۔ مشکل یہ آکر پڑی ہے کہ بی بی کی طرف تو مجھ کو رغبت نہیں پھر اب کسی طرح زندگی بسر بھی کروں یا نہ کروں۔ بیگم۔ بیاہتا بی بی سے اگر مرضی نہیں ملتی تو ایک اپنی مرضی کی بی بی کر لو خدانخواستہ تم کچھ غریب نہیں ہو کہ دو بیبیوں کا خرچ نہ چلا سکو گے مردوں پر تو خدا نے تنگی نہیں کی ایک ایک کو چار چار نکاح کا حکم ہے۔ مبتلا۔ تم مجھ سے نکاح پڑھانے پر راضی ہو۔ بیگم۔ میں تو خود تم سے کہہ چکی ہوں کہ میں اس حالت میں رہنا پسند نہیں کرتی میں تو کوئی دن جاتا ہے کہ کسی نہ کسی کا دامن پکڑ کے بیٹھ رہونگی اور اگر تم میری دستگیری کرو تو زہے قسمت مگر تم کو بہتیری مجھ سے بہتر ملیں گی نکاح کرو تو ایسی کے ساتھ کرو کہ پھر بی بی کی تمنا باقی نہ رہے بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ نکاح مت پڑھاؤ چندے کسی کو آزماؤ۔ مبتلا۔ میں تو فکر کرتے کرتے تھک گیا اور سوچتے سوچتے میرا سر دُکھنے لگا۔ چچا باوا اور میاں عارف کی تو مرضی یہ ہے کہ میں ساری عمر رنج و غم میں گھل گھل کر مر جاؤں۔ بیگم۔ نوج دور پار نصیب دشمناں رنج کرے تمہاری بلا اور غم اٹھائے تمہاری پاپوش دنیا میں بار بار جنم لینا نہیں ورنہ

کی عمر بھی چلتی چھائوں ہے۔ جب اپنا ہی جی خوش نہ رہا تو دنیا کو لے کر کیا چولھے میں ڈالنا ہے۔ مبتلا۔ دل پر تو قابو نہیں چلتا اس بی بی سے ممکن نہیں کہ مجھ کو انس ہو چار و ناچار دوسری بی بی تو کرنی پڑے ہی گی۔ اچھا تو آج کے آٹھویں دن بیگم۔ بلکہ پندرھویں دن مگر ایک شرط سے کہ ہست و نیست جو کچھ کہنا ہو تم خود آکر مجھ سے کہنا ایسا نہ ہو کہ پہلے کی طرح بیٹھ رہو۔ مبتلا۔ نہیں کچھ ہی کیوں نہ ہو میں ضرور خود آؤں گا بلکہ ہو سکا تو بیچ میں بھی ایک دو پھیرے کرونگا۔ بیگم۔ قسم کھاؤ۔ مبتلا۔ تمہاری جان کی قسم۔ بیگم۔ میری جان تو تم ہو۔ مبتلا۔ اپنے سر کی قسم۔ یہ عہد و پیمان ہو کر مبتلا بیگم سے رخصت ہوا۔ مگر سچ پوچھو تو آج ہی کا جلسہ جلسۂ نکاح تھا۔ بیگم ایک بلا کی عورت تھی اور اس کو بشرے سے دلی حالات کے معلوم کر لینے کا بڑا ملکہ تھا آج کی ملاقات میں اس کو پورا لقین ہو گیا کہ مبتلا پر اس کا جادو چل چکا ہے اور اسی بھروسے پر اس نے آپ مہلت دی ورنہ وہ ایسا ڈھنگ ڈالتی کہ بے نکاح پڑھائے مبتلا جانے کا نام نہ لیتا۔ بیگم کے پاس یہ آج کا جانا مبتلا کے حق میں غضب ہو گیا اس کو میر متقی نے ایک حالت پر پایا اور انہوں نے اور عارف نے اس کو ٹھیل ٹھیل کر کچھ دور سرکایا آج وہ پھر اپنی جگہ پر عود کر آیا۔

انیسویں فصل مبتلا اور عارف کا مباحثہ تعدد نکاح کے بارے میں

عارف نے اس خیال سے کہ اس کو اچھی طرح بطور خود غور کر لینے دو ایک ہفتے تک اس کی خبر نہ لی پھر جو ملاقات ہوئی تو مبتلا کا تیور ہی بدلا ہوا تھا پوچھا کیوں صاحب تم نے کچھ سوچا غور کیا۔ مبتلا۔ جی ہاں دوسرے نکاح کی ٹھیرائی ہے۔ عارف۔ (چونک کر)

آپس دوسرا نکاح سچ کہو۔ مبتلا۔ کیا کروں میں بھی آدمی ہوں میرے سینے میں بھی دل اور دل میں خواہش ہے مجھ کو بھی موافق سے راحت اور ناموافق سے ایذا پہنچتی ہے میری زندگانی کا زمانہ بھی محدود ہے اور جوانی کا تو محدود نہیں بلکہ مختصر میں بھی اتنی بات سوچتا ہوں کہ دنیا سے ایک بار جاکر پھر آنا نہیں ان تمام باتوں پر نظر کر کے میں نے یہی فیصلہ کیا کہ آخر مجھ کو تو آسائش ملے۔ عارف۔ بیشک آسائش جائز کو کون منع کر سکتا ہے۔ اور یہ کیا موقوف ہے تمام آدمی کوشش کرتے ہیں اور سب کی کوششوں کا دینی ہو یا دُنیاوی ماحصل ہے آسائش مگر غور طلب یہ بات ہے کہ جس کو تم نے آسائش سمجھا ہے وہ حقیقت میں بھی آسائش ہے یا نہیں۔ مبتلا۔ یہ تجویز کرنا میرا کام ہے۔ عارف بس یہ غلط ہے ہم سب ہیں بیمار اور شارع ہے ہمارا طبیب اگر بیمار کو اختیار دیا جائے کہ اپنی آسائش کے لیئے آپ تجویز کرے تو بیمار یقیناً اپنے تئیں ہلاک کریگا۔ مبتلا آپ اطمینان رکھئے میں نے شرع ہی کے مطابق اپنی آسائش کی تجویز کی ہے کیا میں نے نہیں کہا کہ دوسرے نکاح کی ٹھیرائی ہے اگر بے نکاح کسی عورت کو گھر میں ڈال لیتے یا پانچویں نکاح پڑھانے کا نام لیتا تب ہی آپ کے کان کھڑے کئے ہوتے۔ عارف۔ جوازِ تعددِ نکاح کی نسبت تم نے جس طرح پر اپنا اطمینان کر لیا ہو ذرا مجھ کو بھی تو سناؤ۔ مبتلا۔ میں تو آپکے ادنیٰ شاگردوں کی برابری بھی نہیں کر سکتا میرا کیا مقدور ہے کہ آپ کو سمجھاؤں مگر تعددِ نکاح کی سند کو قرآن کی وہی ایک مشہور آیۃ ہے وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ۔ عارف۔ لیکن اسی کے آگے فرماتے ہیں۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً یعنی اگر تم کو یہ خوف ہو کہ متعدد بیبیوں میں برابری نہ کر سکو گے تو ایک ہی بی بی کرو اور اسی سورت اور اسی پارے میں اور آگے چل کر ولَنْ

تَسْتَطِيعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ یعنی تم بہتیرا چاہو مگر تم سے یہ ہو ہی نہ سکیگا کہ عورتوں میں برابری کر سکو پس سارے کے سارے بھی ایک طرف کو مت جھک جاؤ کہ اس بے چاری کو اَدھر میں لٹکتا ہوا چھوڑ دو اب اِن دونوں باتوں کو ملاؤ کہ برابری نہ کر سکو تو ایک کرو اور تمہارے کیئے برابری ہو ہی نہ سکے گی۔ ایک شخص نے حال میں حُرمت تعدّد نکاح پر ایک کتاب لکھی ہو اُس کے نزدیک اِن دونوں آیتوں کے ملانے سے نتیجہ نکلتا ہو کہ بس ایک بی بی کرو۔ مبتلا ایسی ہی ایسی تفسیریں کرکے تو لوگوں نے دین میں رخنے ڈالے ہیں پیغمبر صاحب اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور تمام بزرگانِ دین سب متعدد بیبیاں کرتے چلے آئے ہیں اُن کو بھی یہ دونوں آیتیں معلوم تھیں اور قرآن کو بھی سب سے بہتر سمجھتے تھے اور ان کا تدیُّن بھی بہت زیادہ تھا مگر کسی نے تعدّد نکاح کی مُمانعت کا نتیجہ نہیں نکالا اور وَلَنْ تَسْتَطِيعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس برابری کی نسبت ارشاد ہو کہ تم سے ہو ہی نہیں سکے گی وہ پُوری پُوری برابری ہو یعنی عدل حقیقی کیونکہ مُطلق عدل سے قاعدے کے مطابق فرد کامل مراد لینی ہوتی اور وہ نہیں ہو مگر عدل حقیقی اور اِسی لئے فرمایا ہو کہ تم سے عدل حقیقی تو ہو نہیں سکے گا تو ایسا بھی تو غضب مت کرو کہ ایک ہی طرف کے ہو رہو اور دوسری کو لٹکا رکھو کہ وہ بے چاری بیچ میں پڑی جھولا کرے اس سے معلوم ہوا کہ عدل حقیقی کے علاوہ کہ وہ اعلیٰ درجے کا عدل ہو اور انسان سے اس کا ہونا ممکن نہیں ایک ادنےٰ درجے کا عدل مجازی بھی ہو کہ انسان صرف ایک ہی کا نہ ہو رہے بلکہ دوسری کی بھی خبر گیری

کرتا رہے۔ پچا باوا کے رہتے میرے دل میں اس بات کا کھٹکا تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور مجھ کو ٹوکیں گے تو میں نے مولوی محمد فقیہ سے اس مسئلے کی خوب تحقیق کی تھی میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ پہلی آیت وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً میں عدل سے عدلِ مجازی مراد ہے کہ اگر تم کو اس بات کا ڈر ہو کہ تم ادنے درجے کا عدل بھی نہ کر سکو گے اور بالکل ایک ہی کے ہو رہو گے تو ایسی صورت میں تم کو ایک ہی بی بی کرنی چاہیئے اور اگر تعدد نکاح میں عدل حقیقی مشروط ہو تو فی الواقع جیسا آپ کہتے ہیں ممانعت ہوئی تعلیق بالمحال اور اگرچہ اس آیت میں بھی مطلق عدل ہے اور چاہیئے کہ یہاں بھی عدل حقیقی مراد ہو مگر دوسری آیت مابعد وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْا الخ قرینۂ صارف موجود ہے اور اگر خدا کو تعدد نکاح کی ممانعت منظور ہوتی تو تعلیق بالمحال کا پیرایہ اختیار کرنا کیا ضرور تھا صاف صاف کہدینا تھا کہ بس ایک بی بی کرو نہ یہ کہ اگر عدل حقیقی نہ کر سکو تو ایک کرو کیونکہ یہ تو معلوم ہی تھا کہ عدلِ حقیقی مقدور بشر نہیں۔ اگر وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا سے ممانعت تعدد نکاح مراد ہو تو معاذ اللہ اس آیت کی ایسی مثال ہوگی کہ پوچھیں ناک کہاں ہے اور جواب میں بائیں کان سے شروع کر کے گُدّی کی طرف سے داہنی جانب ہاتھ لا کر بتایا جائے کہ یہ ہے۔ عارف۔ اس میں شک نہیں کہ مولوی محمد فقیہ نے اس مسئلے کی اچھی تحقیقات کی اور تم نے جو کچھ سمجھا میرے نزدیک نہایت دُرست سمجھا مگر پیغمبر صاحب سے جو تم نے استشہاد کیا اُس کو میں نہیں مانتا یہ دونوں آیتیں عام مسلمانوں کے واسطے ہیں پیغمبر صاحب کے نکاح ان میں داخل نہیں پیغمبر صاحب کے لیئے سورۂ احزاب میں ایک پورا رکوع موجود ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ الخ پیغمبر صاحب کے لیئے چار بیبیوں کی قید نہ تھی اور اگرچہ آں حضرت

ازواجِ طاہرات میں اپنی طرف سے عدل فرماتے تھے مگر خدا نے اُن پر اس کو کبھی لازم نہیں کیا تھا چنانچہ اُسی رکوع میں یہ آیت ہے تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ یعنی اپنی بیبیوں میں سے جس کو چاہو اپنے سے جُدا رکھو اور جس کو چاہو اپنے پاس جگہ دو اور جس کو چاہو ہٹا کر پھر بُلا لو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اسی طرح پیغمبر صاحب کو بلا مہر بھی نکاح کر لینا جائز تھا اور یہ باتیں خصائصِ نبوی میں سے ہیں۔ اور کیا مصلحتیں پیغمبر صاحب کے اِن ذاتی معاملات میں مضمر تھیں اس کی تفصیل ہے جس کے بیان کرنے کو بڑی فرصت چاہیے اسی طرح صحابہ وغیرہ سے بھی استشہاد کرنیکو میں درست نہیں سمجھتا۔ مبتلا۔ ازبرائے خدا آپ جلدی سے فرما بھی چکو کہ تعددِ نکاح کے مؤید ہو یا مخالف۔ عارف۔ سخت مخالف۔ مبتلا۔ مذہبًا یا عقلًا۔ عارف۔ یہ تو تم نے عجیب لغویات پوچھی اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اور عقل دو چیزیں ہیں اور ممکن ہے کہ دونوں کی دو راہیں ہوں حالانکہ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ مذہب مخالفِ عقل باطل عقل مخالفِ مذہب گم راہ۔ مبتلا۔ جس چیز کے جواز کے لیے نص قرآنی موجود ہے اُس سے آپ کو مخالفت کرنیکا سبب عارف۔ بات یہ ہے کہ شارع نے مردوں اور عورتوں کی معاشرت کے قاعدے ٹھیرا دیے ہیں نکاح اور مہر اور نفقہ اور طلاق اور خلع اور لعان اور ظہار اور رجعۃ اور رضاع وغیرہ جتنے معاملات ہیں سب کے واسطے احکام ہیں۔ اگر ان احکام کی پوری پوری تعمیل ہو تو کسی قوم اور کسی مذہب کے زن و شوہر میں اس سے بہتر معاشرت ہو نہیں سکتی مگر خرابی کیا آ کر پڑی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے رسم اور مذہب دو چیزوں کو ملا کر اپنے طرزِ معاشرت کو آدھا تیتر اور آدھا بٹیر بنا لیا ہے۔ مثلًا پردے سے چلو

بلا شبہ اسلام کا حکم ہے کہ بیبیاں پردہ کریں اور اس میں بھی شک نہیں کہ ایک پردے سے ہزارہا مفسدوں کا انسداد ہوتا ہے مگر جس سختی کے ساتھ ہم لوگوں نے پردے کو لازم کرلیا ہے افراط ہے حدِ شرع سے متجاوز ہے پردہ نہیں ہے مگر قید اور قید جس قدر سخت اُسی قدر ایذادہ نکاح ایک ایسا معاہدہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کی زندگانی کی کامیابی اور ناکامیابی راحت اور تکلیف خوشی اور ناخوشی اسی پر موقوف ہے۔ معاہدہ تو ایسا مہتم بالشان اور معاہدہ کرنے والے جن کو اس کا نباہ کرنا ہے اور جن پر اِس معاہدے کا اثر مترتب ہوگا اُس سے بے تعلق کیوں کہ اکثر تو معاہدۂ نکاح ایسی چھوٹی عمروں میں ہو جاتا ہے کہ فریقین میں سے کسی کو بھی اُس کے نتائج کے سمجھنے کی اہلیت نہیں ہوتی اور اگر شاذ و نادر ہوتی بھی ہے تو اظہارِ رائے کر کے بے شرم اور بے حیا اور بے غیرت اور منہ بولا کون کہلائے پس معاہدۂ نکاح تو کرتے ہیں مثلاً زید اور ہندہ اور ایجاب وقبول کرتے ہیں اُن کے ولی۔ کھلم کھلا پوری آزادی تو نکاح کے معاملے میں مرد عورت کسی کو بھی نہیں۔ رہ گئے دبے دبائے اشارے کنائے وہ بھی مردوں کیلئے بدنمائی ہے اور عورتوں کے لیے فضیحت اور رسوائی۔ سب سے بڑا ظلم جو ہم نے اپنی عورتوں پر کر رکھا ہے یہ ہے کہ بیوہ کو دوسرا نکاح نہیں کرنے دیتے ہزارہا اللہ کی بندیاں ہیں کہ اُنھوں نے شوہر کا مُنہ تک نہیں دیکھا اور نصیبوں پر ایسے پتھر پڑے کہ رانڈ ہو گئیں ہندوؤں کی طرح ستی ہو کر ایک بار کا جل مرنا ساری عمر کے جلاپے سے ہزار درجے بہتر تھا مگر حرام موت ستی کیونکر ہوں۔ دنیا میں ناک کٹتی ہے دوسرا نکاح کس طرح کریں غرض جیتی ہیں تو لطفِ حیات نہیں اور مرتی ہیں تو اپنے اختیار کی بات نہیں۔ تو اس کا مطلب کیا نکلا کہ شارع نے جو حقوق عورتوں کو دیئے تھے وہ تو پورے پورے ہم نے

اُن کو لینے نہ دیئے اور اپنے حقوق میں سے رتی بھر چھوڑنا نہیں چاہتے تو جو نسبت
مرد اور عورت میں شارع کو بھی منظور تھی کیونکر باقی رہ سکتی ہے اور وہ نسبت کیا تھی
اس کے لیئے میں تمہارے آگے قرآن کی دو آیتیں پڑھتا ہوں سورۂ بقرہ میں ہے
وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ یعنی جیسے عورتوں
کی ذمہ داریاں ہیں ویسی ہی راست معاملگی کے ساتھ اُن کے حقوق بھی ہیں اور
مردوں کو عورتوں پر برتری ہے۔ پھر سورۂ نسار میں ہے وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ
فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا عورتوں سے راست
معاملگی کے ساتھ برتاؤ کرو پس اگر وہ تم کو بھلی نہ لگیں تو عجب نہیں تم کو ایک چیز بھلی
نہ لگے اور خدا اُس میں بہت سی بہتری کر دے۔ اب فرمایئے کہ تعددِ نکاح جائز
ہے یا ناجائز۔ مبتلا۔ میں تو مذہب کا کوئی بڑا محقق نہیں مگر اسی طرح جورویں اگر زبردستی
ہمارے گلے مڑھی جائیں گی تو جو حالت آپنے بیوہ عورتوں کی بیان کی اُس سے بدتر
ہماری ہوگی۔ بیوہ عورت کو تو خیر صبر کرنے کیلیئے ایک بات بھی ہے کہ شوہر نہیں ہے نہ سہی
یہ کیا مصیبت ہے کہ ایک عورت کو آنکھ بھر کر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا بات کرنیکی طرف
طبیعت رغبت نہیں کرتی اور آپ کہتے ہیں کہ زبردستی اُس کے ساتھ عاشقی کرو اگر
خدا کے یہاں ایسی ہی ہیکڑی ہے تو اُس کو اختیار ہے دوزخ میں ڈالے جہنم میں جھونکے
بندگی و بے چارگی مگر میں تو آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ ایسی مجبورانہ عاشقی مجھ سے
ہوئی ہے نہ ہوگی۔ عارف۔ بلاشبہہ تم مغلوبِ طبیعت ہو رہے ہو اور جب تک تمہاری
یہ حالت رہے گی حقیقت میں تم سے خلافِ طبیعت کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ مبتلا۔
اسی لیے تو میں آپ سے مدد چاہتا تھا کہ طبیعت پر غالب آنے کی کوئی تدبیر بتایئے۔ عارف۔

جو تدبیر مجھ کو معلوم تھی اور معلوم کیا تھی وہی ایک تدبیر ہے میں نے تو اُس کے بتانے میں
دریغ نہیں کیا۔ پہر گھر تک تمہارے ساتھ اپنا مغز خالی کیا تم لاجواب ہوتے اور
چلتے چلتے تم سے کہتا گیا کہ تم اِن تمام باتوں کو فرصت سے سوچنا اور موجباتِ ترغیب کے
پاس نہ جانا۔ تم یوں سمجھو کہ جس پیتی مرض ہو سوچنا دوا اور موجباتِ ترغیب سے دور
رہنا پرہیز۔ بھائی مرض جسمانی بھی اگر مزمن ہوتا ہے تو اس سے جلد صحت نہیں ہوتی
اور بعض صورتوں میں برسوں علاج اور ساری عمر کے لیے پرہیز کرنا پڑتا ہے یہی حال
ہے امراض روحانی کا جن کا دوسرا نام ہے بُری لت۔ بدعادت۔ تمہارا علاج تمہارے
ہی ہاتھ میں ہے کرو تو تم اور نہ کرو تو تم۔ مبتلا۔ آپ تو تعددِ نکاح میں چند در چند طرح کے
خدشات پیدا کرتے ہیں اور بزرگانِ دین میں کوئی بھی اس سے خالی نہ تھا۔ عارف
جب ایک بات کی صراحت ہم کتاب اللہ میں پاتے ہیں تو ہم کو کسی بزرگ کے قول و
فعل پر نظر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک۔ اور دوسرے یہ معاملات ہیں شخصی جب تک
کسی کی طبیعت کیفیت حالت ضرورت کا کچا حال معلوم نہ ہو ہم بھلی یا بُری کوئی رائے ظاہر
ہی نہیں کر سکتے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ اپنے لیے اس آزادی کو عمل
میں لاتے تھے وہ عورتوں کی آزادی میں بھی مضائقہ نہیں کرتے تھے ہماری طرح
اُن کا معاہدۂ نکاح مرنے بھرنے کا معاہدہ نہ تھا ذراسی ناموافقت ہوئی مرد نے
طلاق دے دی یا عورت نے خلع کر لیا۔ تھوڑے تھوڑے ٹھیرے ہوتے تھے اُن کو معاہدۂ
نکاح کا فسخ کر دینا ایک بات تھی نہ طلاق کا عیب نہ دوسرے نکاح کی عار تو اُن کی آزادی
حق بجانب ہم کیا اُن کی ریس کر سکتے ہیں کہ ہماری بیبیاں کونڈیوں سے بڑھکر بے اختیار
دائم الحبس ناک چوٹی گرفتار اور پھر تعددِ نکاح سے جو بے لطفیاں اور بدمزگیاں

خانہ داری میں پیدا ہوتی ہیں ہم دیکھتے ہیں تو بزرگانِ دین کو بھی اس سے نجات نہ تھی اُمہات المومنین یعنی پیغمبر صاحب کی ازواجِ طاہرات میں باوجودے کہ دنیا کے عیش و آرام کسی کو میسر نہ تھے تاہم فقر وفاقے میں بھی باہم ویسے ہی محاسدات تھے جیسے سوکنوں میں ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں سُنی شیعہ کا تفرقہ جو تم دیکھتے ہو کہ دونوں گروہوں کا خدا ایک رسول ایک قرآن ایک اور پھر آپس میں اس درجے کی عداوت اگر سچ پوچھو تو متفرع ہے ان ہی محاسدات پر۔ حضرت پیغمبر صاحب کی سب سے پہلی بی بی حضرت خدیجۃ الکبریٰ تھے جن کے بطنِ پاک سے حضرت فاطمۃ الزہرا پیدا ہوئیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پاس اُن کے پہلے شوہر کا بڑا سرمایہ تھا جس کو اُنھوں نے تجارت میں لگا رکھا تھا اُن کو ضرورت تھی ایک دیانت دار اور ہوشیار کارندے کی اُنھوں نے (البعثت سے بہت پہلے کا مذکور ہے) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت امانت راست بازی کا حال سُنکر اُن کو اپنی تجارت کے کام میں لگایا اللہ نے حضرت کی نیک نیتی سے تجارت میں بڑی برکت دی۔ حضرت خدیجہؓ نے حسنِ کارگزاری سے خوش ہو کر اُن کے ساتھ نکاح پڑھا لیا اس نکاح کی وجہ سے جو لوگ بڑے دنیادار تھے البتہ حضرت کی زیادہ وقعت کرنے لگے پھر جب حضرت کا زمانہ بعثت نزدیک آیا تو خوارقِ عادات پیش آنے لگے۔ کبھی آسمان پر فرشتوں کو دیکھتے۔ کبھی درخت اُن کو سلام کرتے کبھی غیب سے آواز آتی۔ اِن واقعات کو دیکھکر ڈرے اور حضرت خدیجہ پر اس تمام حقیقت کو ظاہر کیا حضرت خدیجہؓ تھیں بڑی باخدا بی بی۔ اور اُن کے گھر میں صحفِ انبیاء اور توریت کی تلاوت کا بڑا چرچا تھا اُنھوں نے سُنکر حضرت کی بڑی تسلی کی کہ تم خدا ترس آدمی ہو بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں پر رحم اور رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتے ہو ایسا

تو نہیں ہو سکتا کہ خدا تم جیسے آدمی کو ضائع کرے اور حضرت کو اپنے بھائی کے پاس لے گئیں جو توُرات کے بڑے عالم تھے پیغمبر آخرالزماں کی پیشین گوئیاں تو آسمانی کتابوں میں موجود ہی تھیں اور لوگ دن گن رہے تھے انہوں نے جو حضرت کو دیکھا اور ان کی ساری حقیقت سُنی تو پہچان گئے اور صاف کہدیا کہ آپ پیغمبر ہونے والے ہیں۔ جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں پیغمبر صاحب نے دوسرے نکاح کا قصد تک بھی تو نہیں کیا۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد پیغمبر صاحب نے متعدد بیبیاں کیں جن میں سب سے زیادہ عزیز اور سربرآوردہ حضرت ابوبکر کی بیٹی اُمّ المومنین حضرت عائشہ تھیں۔ رشتے میں ماں اور عمر میں حضرت فاطمہؓ سے بھی چھوٹی۔ اس سے انکار کرنا بدیہی سے انکار کرنا اور واقعات کا جھٹلانا ہے کہ حضرت عائشہ کا تعزّز تمام ازواج طاہرات پر شاق تھا اور اسی طرح حضرت فاطمہؓ پر بھی جو اپنے تئیں اپنی والدہ حضرت خدیجہ کی جگہ سمجھتی تھیں اور جن کو پیغمبر صاحب کا معاملہ اپنی والدہ کے ساتھ اپنے کانوں کا سُنا اور آنکھوں کا دیکھا سب یاد تھا۔ یہی فی الاصل سُنّی اور شیعہ کی بنیاد۔ جنہوں نے یہ سمجھا کہ پیغمبر صاحب کو دنیا میں حضرت فاطمہؓ کے سوا کسی کے ساتھ کچھ اُنس نہ تھا وہ شیعہ ہو گئے باقی مہم یعنی تفضیلی اور نصیری اور کیا اور کیا خوارج ٹوٹ کر بیبیوں کی طرف داری کرنے لگے۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ بی بی بی کی جگہ۔ اور بیٹی بیٹی کی جگہ۔ یہاں تک درست ہے۔ مگر آگے چل کر انکار کرنے لگتے ہیں۔ کہ خاندانِ نبوت میں کسی کو کسی سے کسی طرح کا ملال نہ تھا بس سنیوں کی یہ بات دل کو نہیں لگتی میں بھی سُنّی ہوں۔ مگر میرے نزدیک پھوٹ اور نا اتفاقی بے شک تھی تاہم اس سے ان بزرگوں کی مذہبی شان میں کچھ بھی فرق نہیں آتا یہ تقاضائے

رکھوں گا اور کیونکر اس نئے گھر کا انتظام ہو گا۔ اب جو دفعتہً اس کو معلوم ہوا کہ بیگم بے سر و سامان محض بکیک بینی و دو گوش اس کے سر پڑی تو بہت سٹ پٹایا اور جتنا اختلاط وہ معمولی ملاقاتوں میں کر لیا کرتا تھا طبیعت کو اس کے لیے بھی حاضر نہ پایا۔ یہ حقیقت تھی اس خواہش کی جس کے پیچھے مبتلا اس قدر دیوانہ بن رہا تھا کہ دنیا اور دین کچھ اس کو نہیں سوجھتا تھا اب ایک ذرا سا تردد پیش آ گیا تو کہیں اس خواہش کا پتا نہ تھا۔ میر متقی اور عارف اس کو یہی تو سمجھاتے تھے کہ کس فکر خسیس میں پڑے ہو فکر کرنے کی باتیں دوسری ہیں عمدہ۔ اونچی اور ضروری اگر ان میں دل لگاؤ تو اس فکر بیہودہ سے نجات پاؤ۔ بیگم پر اپنی درماندگی ظاہر کرتے ہوئے تو اس کو شرم آئی آخر وہ یہ کہہ کر اٹھ آیا کہ ابھی تھوڑی دیر میں بندوبست کر کے تم کو لے چلتا ہوں طیار رہو۔ ایک بات یہ بھی اکثر دیکھنے میں آئی کہ آوارہ اور عیاش مزاج لوگ دھوکا دینے میں بڑے چالاک ہوتے ہیں اور اس کا سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خود ہمیشہ تختۂ مشق مغالطات رہتے ہیں مبتلا کو بھی عین وقت پر غضب کی سوجھتی تھی جس وقت تک وہ بیگم کے پاس بیٹھا رہا کوئی بات اس کے ذہن میں نہ تھی اٹھ کر باہر آتا تھا کہ اس نے اپنے دل میں کہا بیگم کو اپنے ہی مکان میں بلکہ زنان خانہ میں بلکہ غیرت بیگم کے ساتھ رکھنا ٹھیک معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ بات چھپنے والی تو ہی نہیں آخر کبھی نہ کبھی کھلے گی ضرور پس جو کچھ ہونا ہے وہ پرسوں کا ہوتا کل اور کل کا آج ہو چکے یہ دل میں ٹھان وہ گھر کی طرف چلا آ رہا تھا کہ راہ میں اس کو اپنے گھر کی دو عورتیں ملیں۔ ماما۔ ماما کے ساتھ انا۔ انا کی گود میں مبتلا کی دودھ پیتی ہوتی دس گیارہ مہینے کی ننھی بچی۔ چور کی ڈاڑھی میں تنکا مبتلا تو سمجھا کہ غیرت بیگم کو نکاح کی خبر ہو گئی اور سنتے کے

ساتھ ہی شاید ناظر کے گھر چلی گئیں اور یہ عورتیں پیچھے سے جا رہی ہیں گھبرا کر پوچھا ماما بولی ننھی بچی کا جی دس بارہ دن سے ایسا ماندہ ہو رہا ہے کہ بخار کسی وقت نہیں اترتا کل شام سے مطلق آنکھ نہیں کھولی۔ اب کے ایسی بھاری نظر ہوئی ہے کہ دوپہر سے دودھ بھی منہ میں نہیں لیتیں بتوکل شاہ صاحب کے پاس دم کرانے لئے جاتے ہیں۔ مبتلا سے اور ایک ڈاکٹر سے بہت ملاقات تھی مبتلا لڑکی کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا اُس نے دیکھ کر کہا بخار بڑے زور کا ہے مگر کچھ گھبرانے کی جگہ نہیں گلپھیاں پھول رہی ہیں میں مسوڑھا کھولے دیتا ہوں ڈسپنسری ایک بھیج دیتا عرق دو دو گھنٹے گھنٹے بعد ایک ایک چمچہ پلانا پسینا آ کر تپ اتر جائیگی اور دودھ تو خدا نے چاہا لڑکی ابھی پینے لگے گی مسوڑھے کی تکلیف کے مارے منہ نہیں چلا سکتی یہ کہکر نشتر نکال مسوڑھا کھول دیا انا نے پیٹھ موڑ کر دودھ لگایا تو غٹ غٹ پینے کی آواز آنے لگی سب لوگ خوشی خوشی گھر واپس آئے جب مردانے میں پہنچے تو مبتلا نے لڑکی کو آپ لے لیا یہ تو خیر لڑکی تھی۔ اِس سے بڑا لڑکا معصوم ساڑھے تین برس کا ہوا اِس بلا کی باتیں جیسے بنگالے کی مینا اور ایسی پیاری صورت کہ کوئی راہ چلتا بھی دیکھتا تو گود میں اٹھا لیتا مبتلا نے کبھی بھول کر بھی آنکھ اُٹھا کر اُس کی طرف کو نہ دیکھا بلکہ وہ بچہ جب اس کو دیکھتا ابا ابا کہکر دوڑتا اور یہ ظالم دور سے اُس کو جھڑک دیتا خلافِ عادت بیٹی کو گود میں لیے ہوئے جو گھر میں گھسا غیرت بیگم تو دیکھتے ہی ریجھ گئی۔ اور بیٹی کو لینے کے لیئے دوڑی اور لگی پوچھنے کہ میں نے تو اس کو دم کروانے کیلیئے بھیجا تھا کیا تم اس کو اُلٹا پھر والائے۔ مبتلا تم کو خبر بھی ہے اس کی گلپھیاں نکل رہی ہیں اور گلپھیوں کا تو معمول ہے کہ بچے کو کچلا کر کے بڑی مشکل سے نکلتی ہیں ہیں اسکو

ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا اُس نے نشتر سے اس کا مسوڑھا کھول دیا ہی اور بخار کیلئے
عرق دینے کو کہا ہے شیشی بیج دو ماما جا کر عرق لے آئے خدا نے چاہا آج ہی رات کو
بخار بھی اُتر جائے گا اور کچلی کو تو سمجھو نکل آئی۔ غیرت بیگم۔ آئے ہئے کیا مسوڑھے کو
چیرا لگایا ہی۔ مبتلا۔ کچھ خوف کی بات نہیں انّا سے پوچھو کہ لڑکی کو خبر تک بھی نہیں ہوئی
اُسی وقت تو اُس نے خاصی طرح دودھ پیا۔ ڈاکٹر کہتا تھا کہ جب دانت نکلنے کو ہوتا
ہے تو مسوڑھا پہلے سے مُرار پڑ جاتا ہے اس وجہ سے تکلیف نہیں ہوتی کچھ خدا کو بہتری
کرنی تھی کہ عین وقت پر تدبیر ہو گئی ورنہ آج رات بھر میں معلوم نہیں کیا ہو جاتا۔
غیرت بیگم نے لڑکی کا مُنہ کھول کر دیکھا تو اتنی ہی دیر میں بخار بھی کسی قدر ہلکا ہو گیا
تھا اور صورت بھی ہوشیار تھی پکارا بتول۔ بتول۔ تو ماں کی آواز پہچان کر آنکھیں
کھول دیں اور دیکھ کر مسکرائی بھی ماں نے پیار کر کے انّا کی گود میں دیا تو پھر دودھ
پیا یہ دیکھ کر غیرت بیگم بولی کہ ننھے بچّوں کی یہی تو بڑی مصیبت ہے کہ آپ تو مُنہ سے
کچھ کہہ نہیں سکتے اوپر والوں کو کیونکر معلوم ہو کہ اِن کو کس بات کی ایذا ہے۔ آنکھوں
کا نہ کھولنا اور ڈر ڈر کر اُچھل اُچھل پڑنا اور ہتھیلیوں میں لسانڈی لسانڈی بُو کا آنا
اِن باتوں کو دیکھ کر یہاں تو سب لوگ یہی کہتے تھے کہ نظر ہو گئی ہی۔ مبتلا۔ ڈاکٹر
نے دیکھنے سے پہلے زبانی حال سُنکر کہہ دیا تھا کہ کوئی دانت نکل رہا ہو گا پھر جو مُنہ
کھول کر دیکھا تو حقیقت میں دور سے کچلی صاف جھلک رہی تھی۔ غیرت بیگم۔ گھر میں
کوئی بڑا بوڑھا ہو تو ان باتوں کا دھیان رکھے بچّے ذرا ماندے پڑتے ہیں تو میرے
ہوش و حواس ٹھکانے نہیں رہتے لو اب مغرب کی اذان یا تو ہو چکی ہو گی یا ہو رہی
[illegible] گشت کا تو اب وقت

نہیں رہا کہو تو خاگینہ پکوالوں۔ مبتلا۔ جو تمہارے جی میں آئے پکواؤ مگر خدا کیلئے کوئی سلیقہ مند عورت ضرور رکھو۔ غیرت بیگم۔ ماماؤں کا تو ہمارے شہر میں ایسا توڑا ہے کہ دوا کیلئے بھی میسر نہیں جو عورتیں اس کام کی ہیں مزے میں گھر بیٹھے گوٹے کناریاں بنتی یا سلائی کا سیتی ہیں نوکری پرائی تابع داری کرے اُن کی بلا اور جن سے یہ کام ہو نہیں سکتا اُنھوں نے سر پر ڈالا برقع اور جدھر کو منہ اٹھا چل کھڑی ہوئیں پھر چھے گھڑی بھیک مانگی لدی پھندی گھر لوٹ آئیں۔ مبتلا۔ لیکن میرے نزدیک تم کو ماما کی نہیں بلکہ ایسی عورت کی ضرورت ہے جو بال بچوں کی خبر گیری کرے وقت پر اُن کا ہاتھ منہ دھلائے کھانا کھلائے کپڑے پہنائے گھر کی چیز بست دھرے اُٹھائے۔ غرض داروغہ کی طرح گھر کے سارے انتظام کی نگرانی کر کے تمکو آسائش پہنچائے۔ غیرت بیگم۔ تم ہی کوئی اس طرح کی عورت ڈھونڈ کر نہیں لا دیتے۔ مبتلا۔ لادوں تو رکھو گی اور کیا تنخواہ دو گی۔ غیرت بیگم۔ ضرور رکھوں گی اور تنخواہ پانچ روپے اور کھانا کپڑا۔ مبتلا۔ خیر۔ اتنی ہی تنخواہ دینا مگر خاطر داری سے رکھنا۔ لکھنؤ کی ایک عورت ہے خدا جانے کس تباہی میں آکر یہاں چلی آئی ہے اگر پھٹا پُرانا ایک جوڑا کپڑا دو تو میں پہنا کر ابھی اُس کو لے آؤں۔ غیرت بیگم نے جلدی سے گٹھڑی کھول ایک جوڑا کپڑا نکال میاں کے حوالے کیا۔ مبتلا کپڑے لے بیگم پاس پہنچا اور اس کو سمجھا دیا کہ اس طور پر میں نے تمہارے گھر لے چلنے کی راہ نکالی ہے۔ مجھے اپنی بی بی کا حال معلوم ہے وہ یہی نہیں کہ صورت کی اچھی نہیں بلکہ اس میں عقل کی بھی کوتاہی ہے۔ صورت تو خیر۔ تم خود چل کر دیکھ لو گی مگر عقل کی کوتاہی اسی سے ظاہر ہے کہ اُس نے عورت کے لانے کی فرمائش کی بھی تو مجھ سے پس تم کو چند روز البتہ عزّتی کا تحمل کرنا پڑے گا

اس کے بعد مجھے کامل یقین ہو کہ تم گھر والی ہوگی اور وہ رہے گی تو تمہاری خدمت کرے گی
یا اپنے میکے چلی جائیگی۔ غرض غیرت بیگم کا اُتارن پہن معزز ماما یا داروغہ کا بھیس بنا
بیگم مبتلا کے گھر جا داخل ہوئی بھلے مانسوں کی بہو بیٹیوں کی طرح دبی جھکی سکڑی سمٹی
مبتلا کو تو اتنی جرأت نہ ہو سکی کہ خود لے جا کر غیرت بیگم سے ملا دیتا۔ دروازے کے اندر
کر اتنا پکار دیا لو صاحب یہ داروغہ جی آتی ہیں اور آپ مردانے میں جا بیٹھا۔ بیگم نے
اپنے تئیں سنبھالا بہت مگر وہ جس قدر اپنے تئیں چھپاتی تھی اسی قدر اس کا پردہ فاش
ہوتا جاتا تھا۔ آئی تو نوکری کے نام سے اور عورتوں میں بیٹھی دلہنوں کی طرح گھونگھٹ
نکال کر رات کا تھا وقت غیرت بیگم نے کہا ذرا روشنی قریب لاؤ تو ان کی صورت
اچھی طرح نظر آئے جوں غیرت بیگم نے زبردستی اس کا منہ کھولا دیکھتی کیا ہے کہ ایک
عورت ہے جوان ماتھے پر افشاں چُنی ہوئی پٹیاں جمی ہوئی اُلٹے بل کی چوٹی اور اس
میں چنپا کا موباف کانوں میں چنبیلی کی کلیاں آنکھوں میں دھواں دھار سرمہ مسّی کی
دھڑی اور دھڑی پر لاکھا ہاتھ پاؤں میں مہندی دور سے خوشبو پڑی مہک رہی ہے
غیرت بیگم دیکھنے کے ساتھ اس طرح ڈر کر پیچھے کو ہٹی کہ جیسے کوئی بچہ ہیجا سے
بھاگتا ہے اور لگی کہنے اوئی بیوی یہ ماما کس قسم کی یہ تو کوئی نامراد کنچنی ہے۔ پھر
تو ہمسائے تک کی عورتیں گھر میں آ بھریں اور سب نے ملک بیگم کا ایسا بُرا اہدڑا کیا
کہ کوئی دوپٹا اتارے لئے جاتا ہے کوئی پیچھے سے چوٹی گھسیٹ رہا ہے۔ اگر ذرا بھی
بیگم وہاں اور رہے تو لڑکیاں اس کی بوٹیاں نوچ کر کھا جائیں مگر کسی رحم دل
بی بی نے اس کا ہاتھ پکڑ باہر ڈیوڑھی میں لے جا کر چھوڑ دیا اور کہا بیوی بنو جدھر سے
آئی ہو اُدھر ہی کو چلی جاؤ تو گھر والا [illegible] کوئی اور سری کی ہوتی تو

بے ناک چوٹی کاٹے نہ رہتی۔ مبتلا ڈیوڑھی کے بازو سے لگا یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا کچھ ہنسی کچھ غصہ بیگم کو دیکھتے ہی بولا واہ اچھی اپنی گت کرائی باوجودیکہ میں نے تمہیں کہدیا تھا کہ میں تم کو نوکری کے حیلے سے لیئے چلتا ہوں پھر تم کو ایسا بن سنور کر آنا اور اتنا لمبا چوڑا پردہ لگانا کیا ضرور تھا سیدھے سبھاؤ چلی آئی ہوتیں نہ کسی کو شبہہ ہوتا اور نہ چراغ لے لے کر کوئی تمہارا مُنہ دیکھتا خیراب ذرا کی ذرا یہیں ٹھیرو پھر میں تمہاری ٹہلیں جماتا ہوں مگر دیکھو خبردار کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے لوگوں کو میرے تمہارے لگاؤ کا شبہہ ہو۔ مبتلا نے گھر کے اندر پاؤں رکھتے ہی پوچھا لڑکی کا کیا حال ہے۔ انّا بولی اب تو اللہ کا فضل ہے دو بار عرق پلایا اس قدر پسینا آیا کہ شام سے تین کُرتے بدل چکی ہوں۔ مبتلا۔ بس انشاء اللہ اب بخار گیا۔ بارے الحمدللہ بچ گئیں (بیوی کی طرف مخاطب ہو کر) لاؤ صاحب کھانا طیار ہو تو منگواؤ دسترخوان بچھا عادت کے مطابق میاں بی بی کھانا کھانے بیٹھے تو مبتلا نے پوچھا کیوں صاحب وہ عورت آئی تھی۔ غیرت بیگم۔ واہ۔ چوری اور سرزوری آج کو بڑے ماموں جان زندہ ہوتے تو اُلٹے اُسترے سے مردار کا سر منڈوا کر بھی بس نہ کرتے اور تم کو تو اپنی لاج کا لحاظ پاس آج کیا برسوں سے نہیں۔ بڑے ماموں جان کی زندگی تک چوری چھپے کرتے تھے وہ مرے تم کھُل کھیلے۔ مردانہ مکان تو مدتوں سے کنچنیوں کا چکلہ ہو رہا ہے ایک زنانہ مکان بچا تھا سو میں خوب جانتی ہوں کہ تم اس کی تاک میں لگے ہو مگر جب تک میں جیتی بیٹھی ہوں دیکھوں تو کون رستم کی جنی میری ڈیوڑھی کے اندر پاؤں رکھتی ہے اپنا اُس کا خون ایک کر دوں تو سہی۔ مبتلا۔ بے وجہ بے سبب تم اس قدر کیوں گرم ہوتی ہو بھلا اتنا تو سمجھو اگر وہ کنچنی ہوتی اور فرض کرو کہ مجھے

اُس کو بلانا منظور ہوتا تو مردانہ ہوتے ساتے مجھکو اُس کے گھر میں لانے کی کیا ضرورت
تھی۔ ایک۔ اور دوسرے خدا عقل دے تو سمجھنے کے لیئے ایک موٹی بات یہ ہے کہ
تمہارے مانگے کے کپڑے پہنکر کیوں آتی۔ غیرت بیگم۔ کپڑا اور گہنا تو بے شک اس
کے پاس نہ تھا مگر سر سے پاؤں تک چوتھی کی دُلھن معلوم ہوتی تھی۔ مبتلا۔ تم کو چاہیئے
تھا کہ مجھکو بُلا کر پوچھتیں اگر میں تمہاری تشفی نہ کر سکتا تب بھی اُس بے چاری کا کیا
قصور تھا مجھ پر جتنا چاہتیں خفا ہو لیتیں۔ بات یہ ہے کہ حقیقت میں وہ آج شاموں
شام تک کنچنی تھی مگر میں اس کو ایک مدت سے جانتا ہوں ہمیشہ یہ مجھ سے کہا کرتی تھی
کہ مجھکو اس پیشے سے سخت نفرت ہے اگر کہیں میری روٹی کا ٹھکانا لگ جائے تو میں
تائب ہو جاؤں۔ جب تم نے نوکر رکھنے کا وعدہ کیا تو میں نے اُس کو زبان دی
اور وہ ارادے کی ایسی پکّی اور سچّی تھی کہ فوراً میرے ساتھ ہو لی اور پھر کس طرح
پر کہ گہنا اور پاتا اور کپڑا اور لتا اور ساز و سامان یعنی بھرا بھرایا گھر سب کو لات مار کر
جس طرح بیٹھی تھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے بے شک جھک مارا اور میرا بال بال
خدا کا اور تمہارا گنہگار رہی مگر جس دن سے چچا باوا تشریف لائے تم میری کوئی ایک
بات بتاؤ اور یوں اگر تمہارے مذہب میں توبہ کچھ چیز نہیں اور ناحق بدگمان رہو
تو تمہاری خوشی بھلا تم نے چند روز تو اس بے چاری غریب کو رکھکر دیکھا ہوتا جو
شخص آٹھوں پہر آنکھوں کے سامنے رہے اُس کا حال آج نہیں تو کل اور کل
نہیں تو پرسوں ضرور کھلے گا پر کھلے گا۔ نوکر سر پر نہیں ہے کہ جھٹ جائے مرضی ہوتی
رکھا مرضی نہوتی نہ رکھا مگر چونکہ میرا قدم درمیان میں ہے میں تم سے بات کہوں صاف
[illegible] بے خطا بے قصور تو میں اس کو ادھر بس نہیں چھوڑ سکتا تم ہی بتاؤ کہ اب وہ جائے

تو کہاں جائے۔ غیرت بیگم۔ ابھی کچھ ہاں ناکرنے نہیں پائی کہ مبتلا نے کہا ماما جا باہر ہریالی ایک عورت کھڑی ہے اُس کو بُلا لا اور کام کاج میں اُس سے مدد لیا کر۔ غرض ہریالی نکالی جا کر پھر آموجود ہوئی۔ رات گئی تھی زیادہ لوگ کھانا کھا پی کر اپنی اپنی جگہ سو سُلا رہے ہریالی بھی تخت پر بے تکیے بے بچھونے ماماؤں میں سوئی صبح کو جو اٹھے تو پھر لوگوں نے ہریالی کو گھورنا شروع کیا مگر اب اُس کا سنگار ہو گیا تھا باسی اور تمام شب کی بدخوابی اور زحمت کی تکان سے اُس کا جوبن بھی نڈھال ہو رہا تھا لوگوں نے کچھ بہت اُس کا پیچھا نہیں کیا۔ اس میں شک نہیں کہ گھر میں ایک منتظم عورت کی سخت ضرورت تھی اور یہی ضرورت ہریالی کے پاؤں جم جانے کا سبب ہوئی ہریالی نے جو صبح سویرے اُٹھ کر دیکھا تو تمام اسباب مولی گاجر کی طرح سارے گھر میں پھیلا پڑا ہے اُس نے خود کھڑے ہو کر جہاں جہاں فرش تھا اُٹھوا کر ڈالا او میں کوٹھریوں میں صحنچیوں میں دروں میں باورچی خانے میں یہاں تک کہ ڈیوڑھی میں جھاڑو دلوائی نوکروں نہیں چھکڑوں کوڑا نکلا اور بہت سی گری پڑی چیزیں ملیں جن کو ڈھونڈ ڈھونڈ صبر کر کے بیٹھ رہے تھے اور سمجھ لیا تھا کہ کھوئی گئیں مٹی کی تہیں جمتے جمتے دریوں کا یہ حال ہو گیا تھا کہ اصلی رنگت پہچان نہ پڑتی تھی جھڑوایا تو منوں گرد۔ دروازوں میں جو چلمنیں اور پردے بندھے تھے اُلٹے سیدھے کا تو کس کو امتیاز تھا کوئی دھڑنگ بندھا ہے تو کوئی آدھے در میں پڑا لٹک رہا ہے اور کسی کا لپیٹ ایک طرف کو جھک کر نکل پڑا ہے تو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ اس کو برابر کر دیں بلکہ کئی پردوں میں سے تو فاختاؤں اور جنگلی کبوتروں اور گلہریوں کے گھونسلے نکلے گھر میں تخت تو بہتیرے ہیں مگر بیٹھنے کے دالانوں میں نہیں پر بوریے بچھے ہیں بوریوں

پردریاں دریوں پر چاندنیاں لونڈیاں اور ماماٗیں ہیں کہ بے تکلف مٹی اور کیچڑ کے لنگے ننگے پاؤں چاندنیوں پر سے لیٔے پھرتی ہیں اور چاندنیوں کا مارے دھبوں اور چکتوں کے یہ حال ہو رہا ہے کہ آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا صبح سے کھڑے کھڑے ہریالی کو دوپہر ہو گیٔی تب کہیں جا کر اتنا کام ہوا کہ گھر میں جھاڑو دی گیٔی دالانوں میں اس حساب سے تخت بچھواے کہ بیچ میں فرش اور اِدھر اُدھر ماماؤں اور لونڈیوں کے چلنے پھرنے کی جگہ آب چاندنیوں اور تکیوں کے غلاف اور پلنگوں کی چادروں کی ڈھونڈیا پڑی۔ قاعدہ ہے کہ جب چیزوں کا انتظام نہیں ہوتا تو یہی شناخت ہے کہ چیزوں کی حفاظت بھی نہیں۔ اتنا بڑا گھر اور اس وقت دھوئی ہوئی تین چاندنیاں درکار تھیں وہ بھی نہیں ملتی تھیں۔ غیرت بیگم نے بہتیرے پتے بتاے ارے کمبختو ابھی ہفتے عشرے کا ذکر ہے دھوبن چاندنیوں کا گٹھڑ لائی وہ سب ڈھیر کا ڈھیر کیا ہو گیا لٹھے کی

وہ کوری چاندنی جو بیچ کے دالان میں بچھی تھی اور پرسوں انترسوں اُس پر سالن کی دیگچی مبارک قدم کے ہاتھ سے اُلٹ پڑی تھی اور میں نے صاف کرنے کے لیٔے اُٹھوادی تھی کہاں ہے جتنی کھڑی تھیں ایک ایک کا منہ دیکھتی تھی اور ایک ایک پر ٹالتی تھی آخر بڑی مشکل سے دو چاندنیاں اناج کی کوٹھڑی میں مچان پر پڑی ملیں جن میں چوہوں نے کاٹ کاٹ کر لُغابے ڈال دیٔے تھے اور ایک میں کسی ماما نے سوکھے ٹکڑے باندھ کر کھونٹی میں لٹکا رکھے تھے اسی جستجو میں معلوم ہوا کہ کتنی چاندنیاں ہاہر ساٗیس کے پاس ہیں وہ اوڑھ کر سوتا ہے۔ دو یا تین چاندنیاں کسی کو مانگی دی تھیں وہ واپس نہیں آئیں میلی چاندنیوں کا ایک ڈھیر غسل خانے میں پڑا ملا۔ غرض اس وقت تو ہریالی نے کسی طرح گونتھ گانتھ کر فرش کو پورا کیا۔ پلنگ سب کے سب جھولا ہو رہے تھے

اُن کو کسوا کر اُجلی چادریں بچھوا دیں تکیوں کے غلاف بدلے اُجلا دسترخوان نکلوا دیا اتنے میں معلوم ہوا کہ میاں (مبتلا) کھانے کیلئے آرہے ہیں ہریالی یہ سُن کر سامنے سے ٹل باورچی خانے کے آڑ میں ہوگئی۔ مبتلا نے آکر دیکھا تو اتنی ہی دیر میں گھر کی صورت بدلی ہوئی تھی سمجھا کہ یہ سب ہریالی کے تصرفات ہیں۔ دالان میں بیٹھ کر کھانا مانگا تو باورچی خانے سے دو لونڈیاں سالن کی دو دو رکابیاں لیکر چلیں پیچھے سے ایک ماما ہاتھ میں روٹیوں کی تھئی اُٹھا کر دوڑی۔ ہریالی سے نہ رہا گیا عین وقت پر ہو کیا سکتا تھا مگر خیر ان جاتیوں کو روک کر جلدی جلدی تھالی جوڑ پانی پینے کی صراحی سینی سلفچی خاصدان اُگالدان سب چیزیں منگوائیں سینی کے بیچ میں روٹی گرداگرد سالن کی رکابیاں جما اوپر سے خوان پوش ڈھک ایک لونڈی کے سر پر رکھوا سمجھا دیا کہ دیکھ خبردار آگے دیکھ کر آہستہ آہستہ چلیو کہیں ٹھوکر نہ لگے۔ اور دوسری لونڈی کو سلفچی آفتابہ اُجلا دسترخوان دے کر اُس کے ساتھ کیا کہ پہلے تخت کے نیچے کھڑی رہ کر میاں بی بی دونوں کے ہاتھ دُھلائیو جب ہاتھ دھو چکیں سلفچی آفتابہ الگ رکھ کر دونوں کے بیچ میں اُجلا دسترخوان بچھائیو اور سینی احتیاط کے ساتھ اُتروا کر روٹیاں بیچ میں رکھیو۔ دو قسم کا سالن ہے دونوں کے سامنے دونوں قسم کا رکھ دیجیو۔ تھالی جوڑا اور پانی پینے کی صراحی پیچھے سے بھجواتی ہوں جب مانگیں تو خبردار آدھے کٹورے سے زیادہ بھر کر نہ دینا اور پانی جو پلانا تو جھک کر کٹورا آگے کر دینا کہ خود اپنے آنکھ سے دیکھ لیں اور تھالی مُنہ کے نیچے رکھنا کہ پانی کپڑوں پر گرنے نہ پائے۔ گھر میں چٹنی آچار مربا سبھی کچھ تھا مگر دسترخوان پر رکھنے کا دستور نہ تھا جس کسی کو کبھی کسی چیز کا خیال آگیا اور مُنہ پھوڑ کر مانگی تو مرتبان یا آچاری اُس کے پاس لے جا کر

روٹی پہ ایک پھانک رکھدی۔ ہریالی نے چار قسم کی چار پیالیاں ایک کابی میں لگا
ابھی کھانا شروع نہیں کرنے پائے تھے کہ پہنچا دیں۔ کھانے کے بعد ہاتھ دھونے
کو گرم پانی کا آفتابہ اور ایک طشتری میں بیسن کھانے کو خاص دان میں بھیگی ہوئی
صافی سے لپٹی ہوئی گلوریاں پہلے سے تخت پر رکھوا دیں۔ یہ تو ہریالی کے پہلے
دن کے بلکہ پورا دن بھی نہیں دوپہر کے اور جلدی کے کام تھے۔ مہینے بھر کی محنت
میں اُس نے کپڑے کا کھانے کا سامان خانہ داری کا اندر باہر دونوں جگہ کے نوکروں
کا بازار کے سودے سلف کا سب انتظام کر دیا۔ سلیقہ بھی عجب چیز ہے کہ اندر باہر عورت
مرد جتنے نوکر تھے آپ سے آپ سب ہریالی کا ادب کرنے لگے معصوم ایسا ہلا کہ دن رات
میں ایک دم کیلئے گود سے نہیں اُترتا تھا۔ بتول کی کیا بساط تھی کیسی ہی بھڑکتی
ہوا اور شستی اور چپکی ہوئی غیرت بیگم کے دل میں اسکی طرف سے تنک تو تھا مگر ہر چند تو وہ لگائی
کوئی بات پکڑ پائی۔ مبتلا کے گھر میں آنے کے وقت مقرر تھے ہریالی ان وقتوں میں
اوّل تو اکثر کسی نہ کسی بہانے سے ٹل جاتی تھی اور اگر جانا بضرورت سامنے چلی پھری
بھی تو ایک دوسرے سے ایسے بے رُخ بن جاتے تھے کہ تعلق کیسا گویا جان پہچان تک
بھی نہیں مگر خدا جانے دونوں کو کیا ڈھب یاد تھا کہ اتفاقی اُچٹتی ہوئی ایک نگاہ ان کے
حق میں خلوت کا حکم رکھتی تھی نہیں معلوم مبتلا آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا کہہ دیا
کرتا تھا کہ ہریالی برابر سرگرمی اور دلسوزی کے ساتھ گھر کے انتظام میں مصروف رہتی
تھی۔ سچ ہی غیرت بیگم کے ساتھ مبتلا کے دل کے نہ ملنے کا بڑا سبب تھا مبتلا کی حسن
پرستی اور آوارگی۔ مگر اتنا قصور تو غیرت بیگم کا بھی ضرور تھا کہ اُس نے مبتلا کو اپنی طرف مائل
کرنے کیلئے ذرا بھی کوشش نہیں کی وہ سمجھی جیسا کہ گھر کی بیبیاں اکثر سمجھا کرتی ہیں

کہ جب ماں باپ نے میاں کے ہاتھ میں ہاتھ پکڑا دیا تو بس مجھے اپنی طرف سے کچھ کرنا نہیں اب
میاں کا کام ہے کہ کما کر لائے اور مجھے کھلائے پہنائے میری خاطر داری و مدارات
کرے لیکن اُس کو اتنی بات تو سمجھنی چاہیئے تھی کہ کھلانا پہنانا خاطر داری مدارات کرنا
سب چیزیں متفرع ہیں رغبت پر۔ رغبت کرنا میاں کا کام ہے اور دلانا بی بی کا۔ رہی یہ بات کہ
بی بی کیونکر میاں کو رغبت دلائے اِس کیلئے ایسا کوئی قاعدہ نہیں کہ ہر جگہ چل سکے
کیونکہ ہر ایک کا مزاج مختلف اور ہر شخص کی رغبت جدا لیکن بی بی اگر چاہے تو اسکو
اپنے میاں کی رغبت کا معلوم کر لینا کیا مشکل ہے مثلاً غیرت بیگم اتنا تو دیکھتی تھی کہ مبتلا
کیسی صفائی اور کس شان کے ساتھ رہتا ہے وہ ہر چیز میں حسن چاہتا تھا خیر حسن صورت
مبتلا کی پسند کے لائق تو اختیاری بات نہ تھی مگر جس قدر اختیاری تھی غیرت بیگم نے
اُتنی ہی کر کے دکھائی ہوتی۔ گھر کی صفائی ستھرائی ساز و سامان کی درستی انتظام
کی خوبی یہ چیزیں بھی داخلِ حسن ہیں اور طبیعت میں سلیقہ ہو تو ہاتھ پاؤں کے اور غیرت بیگم
کی تو زبان کے ہلانے سے سب کچھ ہو سکتا تھا مگر اُس نے اِن چیزوں کی طرف
کبھی بھول کر بھی توجہ نہ کی مردانے مکان میں میاں کی بیٹھک تھی اُسی کو دیکھ کر
متنبہ ہوئی ہوتی۔ اُس کا اپنا کیا حال تھا کہ میاں کو جو شروع شروع میں اپنی طرف سے
بے رخ پایا تو تین تین چار چار دن سر میں کنگھی ندارد لونڈیوں کے تقاضے سے
دسویں پندرھویں سر دھویا ہے تو بالوں میں تیل کی خبر نہیں پھولے پھولے روکھے
بال دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کڑک مرغی بیٹھی ہے آنکھوں میں سرمہ نہیں
ہاتھ پاؤں میں مہندی نہیں پھول نہیں عطر نہیں گوٹا نہیں کناری نہیں غرض
عورتوں کے سنگھار کی کوئی چیز نہیں مبتلا کو پہلے استکراہ تھا غیرت بیگم کی بے تدبیریں

نے استکراہ کو نفرت اور نفرت کو ضد اور ضد کو چڑ بنا دیا۔ صورت شکل میں ہریالی کچھ غیرت بیگم سے زیادہ اچھی نہ تھی مگر چھٹانک بھر حسن ہوتا ہی تو غور پرداخت سے دیکھنے والوں کی نظر میں سیر بھر جنچنے لگتا ہے سو غور و پرداخت کے عوض غیرت بیگم تو یہ چاہتی تھی کہ ابٹنے کی جگہ تھوڑی سی کیچ ملے تو اٹھا کر منہ کو مل لوں۔ میاں بی بی میں جب اختلاف مزاج اس درجے کا ہو تو ان میں صحبت برآر ہونے کی کیا امید۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چھاتی پر مونگ دلنے کے لیے آخر ایک سوکن تو آموجود ہوئی۔ ہریالی کا انتظام دیکھ دیکھ کر غیرت بیگم کا پھوہڑ پن مبتلا کے دل میں اور بھی بیٹھتا چلا جاتا تھا۔

اکیسویں فصل غیرت بیگم پر اپنی سوکن ہریالی کے راز کا فاش ہونا اور اس کا سوکن کو مارنا اور آخرکار سید حاضر کا بیچ بچاؤ اور فیصلہ کرنا

معلوم نہیں مبتلا کو کب تک ہریالی کا اس نمط پر رکھنا منظور تھا کہ ایک دن گھر میں باہر سے یہ اطلاع پہنچی کہ ایک بوڑھی عورت نوکری کی جستجو میں آئی ہے اگر حکم ہو اندر بھیج دیں۔ انتظام خانہ داری تو سب ہریالی کے ہاتھ میں تھا غیرت بیگم نے ہریالی سے پچھوایا ہریالی کسی کوٹھڑی میں خدا جانے کس کام میں مصروف تھی اس نے ڈیوڑھی سے کہا کیا مضائقہ غرض وہ عورت اندر آکر سیدھی غیرت بیگم کے پاس جا بیٹھی اور لگی کہنے کہ میں تو ہریالی بیگم پاس آئی ہوں جن کو تمہارے میاں نکاح پڑھوا کر نکال لائے ہیں۔ مدت سے میں ان کے یہاں اوپر کے کام پر نوکر تھی بیگم کو تو نکلے ہوئے تین مہینے ہونے آئے میں ان کی خالہ کے پاس رہی آج آٹھواں دن ہے کہ وہ بھی لکھنؤ سدھاریں میں نے کہا چلوں اگر بیگم پھر رکھ لیں تو میں ان کے مزاج سے واقف ہوں وہ مجھ کو جانتی

پہچانتی ہیں ان جان جگہ تابع داری کرنی کیا ضرور کیا وہ اس گھر میں نہیں رہتیں
غیرت بیگم نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ تم جن کے پاس آئی ہو وہ سامنے والی کوٹھڑی
میں ہیں وہ عورت اٹھ کر کوٹھڑی کی طرف چلی دروازے تک پہنچی تھی کہ اتنے میں
غیرت بیگم بے خود ہو کر بگولے کی طرح اٹھی اور وہ عورت ابھی ہریالی سے بات بھی نہیں
کرنے پائی تھی کہ اس نے پہنچ کر بے چاری بڑھیا کو اوندھے منہ ہریالی پر دھکیل دیا
اور کہا کہ تم نے دیکھا یہ ہریالی نہیں گھر والی ہے یہ بی بی ہے یہ میری سوکن ہے میں رانڈ
ہوں یہ سہاگن ہے میں لونڈی ہوں یہ بیگم ہے میں چڑیل ہوں یہ حور ہے یہ میاں کی
لاڈو ہے یہ میاں کی چہیتی ہے یہ میاں کے کلیجے کی ٹھنڈک ہے۔ یہ کہتی جاتی تھی اور اس
کے ساتھ ہزارہا گالیاں اور سیکڑوں کوسنے اور دوہتڑ تھا کہ باری باری سے اس
شامت کی ماری بڑھیا اور ہریالی پر اور اپنے آپ پر بھی اس زور سے پڑ رہا تھا کہ
گویا مزدور سڑک کوٹ رہے ہیں گھر میں بہتیری لونڈیاں اور مامائیں تھیں مگر سیدانی کا جلال
دیکھ کر کسی کی ہمت نہ پڑ سکی کہ کوٹھڑی کی طرف رخ کرے سب کی سب بدحواس ہو کر بھاگ
کھڑی ہوئیں ہمسایے کی عورتیں کوئی کھڑکیوں میں سے کوئی دیوار پر سے کھڑی
جھانکتی تھیں پر کسی سے اتنا نہیں ہو سکتا تھا کہ گھر کے اندر قدم رکھے مبتلا کو دکھلایا
تو وہ بھی اس وقت کہیں باہر گئے ہوئے تھے مردانے میں ٹٹروں ٹوں اکیلا وفادار
اس کو اور تو کچھ نہ سوجھی گھوڑا تو دروازے پر بندھا ہوا تھا ہی منہ میں لگام دے
ننگی پیٹھ سوار ہو باگ اٹھائے سیدھا پہنچا کچہری میں سید ناظر کے پاس ناظر اسی گھوڑے
پر چڑھ دھم سے آموجود ہوئے اور اتفاق سے سید حاضر بھی کسی ضرورت سے دو تین
دن کے آئے ہوئے تھے کچہری سے ان کے پاس بھی آدمی دوڑا دیا کہ آپ بھی جلد آئیے

غرض سید حاضر اور مبتلا بھی آگے پیچھے پہنچ گئے غیرت بیگم سید ناظر کے آنے سے پہلے کوٹھری اور بڑھی اتنا پیٹی اتنا پیٹی کہ آخر اُس کو غش آگیا ناظر جس وقت پہنچا ہے تو وہ بالکل بیہوش پڑی تھی ناظر نے آتے کے ساتھ اُس کو ہوش میں لانے کی تدبیریں شروع کیں۔ سید حاضر اور مبتلا دونوں آلیٹے ہیں اُس کے بہت دیر بعد غیرت بیگم کو ہوش آیا۔ سب سے زیادہ چوٹ غیرت بیگم ہی کو لگی تھی کہ اُس نے پیٹ پیٹ کر اپنا سارا بدن چوڑی کی طرح نیلا کر لیا تھا۔ ہریالی کی بھی کندی خوب ہوئی مگر اُس کو گھنٹی مار گئی تھی۔ بڑھیا ہریالی اور کوٹھری کی دیوار کے بیچ میں آکر بچ گئی مگر وہی مثل ہے کہ مرغی تو نکلے ہی کا گھاؤ بہت ہوتا ہے دو تین دو ہتڑ جو اُس پر جمتے ہوئے بیٹھ گئے وہ اتنے ہی میں سبکیاں لینے لگی اگر ناظر نہ ہوتو کوتوالی والے کیا اس مقدمے کو بے چالان کیے رہتے تو بہ۔ اور اگر حاضر نہ ہوتو ناظر اور مبتلا آپس میں کٹ مریں۔ پانچ چھے دن تو بیماروں کی دوا دارو ہوتی رہی باندھنے کے موقع پر آنبا ہلدی کا حلوا پکا پکا کر باندھا سینکنے کی جگہ پرانے روڑا اور ریت سے سینکا۔ پھٹکری کو دودھ میں جوش کر کے پلایا۔ یہ کیا باقی رہ گیا تھا جس کے لیے مبتلا کو ہریالی سے ملنے میں تامل ہوتا۔ حاضر ناظر بہن کی خدمتگذاری میں لگے تھے اور مبتلا کھلم کھلا ہریالی اور اُس کی بڑھیا کی۔ با تے جب سب کے ہوش و حواس درست ہوئے تو لگے اپنی اپنی جگہ صلاحیں کرنے۔ مبتلا اور ہریالی کی تو یہ مصلحت تھی کہ اب اسی گھر میں برابری کے داعیے سے رہنا اور جلتوں کو خوب جلانا۔ اُدھر حاضر ناظر غیرت بیگم کے آپس ہی میں پھوٹ تھی ناظر کہتا تھا کہ ابھی لگتے ہاتھ پہلے تھانے میں اطلاع لکھوا کر ایک دم سے تین نالشیں تو فوجداری میں داغو۔ مداخلت بے جا کی ہریالی پر اور ضرر رسانی اور اپنے اور دونوں بچوں

کے نفقے کی مبتلا پر اور ایک عوض مہر کا کاغذ کامل القیمت پر دیوانی میں دائر کرو غیرت بیگم معاملے مقدمے کو تو کچھ سمجھتی بوجھتی نہ تھی وہ اپنی اسی ایک بات پر اڑی ہوئی تھی کہ مجھ کو سید نگر پہنچاؤ نہیں تو افیون کھاتی ہوں۔ سید حاضر تھا میر متقی صاحب کے خوشہ چینوں میں اور بات کے انجام کو سوچتا تھا اس کی یہ رائے تھی کہ نہ تھانے میں اطلاع لکھواؤ نہ سرکار دربار میں کسی طرح کی نالش فریاد کرو نہ سید نگر جاؤ نہ افیون کھاؤ صبر کر کے چپ چاپ گھر میں بیٹھی رہو سوکن کا آنا تمہاری تقدیر میں تھا سو ہوا اب تمہارے شور و فساد سے بہت ہو گا تو شاید اس گھر سے نکل جائے مگر تم اپنے میاں کو اس کے چھوڑ دینے پر مجبور نہیں کر سکتیں تم جو سید نگر جانے یا افیون کھانے کو کہتی ہو تو تمہاری نامراد سوکن کی عین مراد ہے ناظر بھائی نے جو تدبیر بتائی اُسکا خلاصہ ہے لڑائی اور لڑائی کا ضروری نتیجہ ہے نقصان اور تردد اور فضیحت اور رسوائی۔ اب تو سوکن کے آنے سے تم کو صرف ایک خیالی تکلیف پہنچی ہے اور تم افیون کھانے کو موجود ہو لڑائی کی صورت میں بہت سی واقعی تکلیفیں ایسی پیش آئیں گی کہ شاید تمہارے ساتھ مجھکو اور ناظر بھائی کو بھی افیون کھانی پڑے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سوکن کے آنے پر تم اس قدر آپے سے باہر کیوں ہو گیا سوکن تم پر آج آئی ہے تمہارا تو بیاہ ہوا ہے پیچھے اور سوکنیں تمہارے بیاہ سے بہت پہلے کی آئی ہوئی موجود تھیں کیا تم کو معلوم نہیں تم ہی بتاؤ کہ مبتلا بھائی کس دن بے سوکن کے رہے سارا سید نگر جانتا ہے کہ میں نے تمہاری منگنی کے وقت بہتیرا غل مچایا مگر میری سنتا کون تھا میں تو تمہارے نصیبوں کو اسی دن رو چکا جس دن تمہاری بات ٹھہری۔ تمہاری سمجھ کا پھیر ہے ورنہ میں تو حقیقت میں اس بات کو سن کر بہت خوش ہوا کہ مبتلا بھائی نے نکاح پڑھا لیا اس سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ انہوں نے آوارگی

سے توبہ کی وہ کوٹھوں کوٹھوں سربازار خدائی خوار پڑا پھرنا بہتر یا ایک کا ہو رہنا اور اس کو اپنا کر لینا بہتر۔ تم کیسی مسلمان ہو کہ ایک شخص جب تک خلافِ شرع چلتا رہا تم نے ہوں تک نہ کی۔ اُس کا طریقہ شریعت پر آنا تھا کہ تمہارے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی ہم تو بھائی ایسے دین ایمان کے قائل نہیں۔ بلکہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ مبتلا بھائی نے تمہارا بڑا لحاظ کیا کہ نکاح کو تم سے چھپایا اور تمہاری خاطر سے بی بی کو ماما بنایا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم پردہ فاش نہ کرتیں تو مبتلا بھائی اس عورت کے ساتھ اپنے معاملے کو اسی طرح دبا دبایا رہنے دیتے مگر تم نے بیٹھے بٹھائے سوتی ہوئی بھڑوں کو جگایا اُن کو حیلہ ہاتھ آیا اب اگر وہ اس عورت کی اور بڑھیا کی دلجوئی اور خبرگیری نہ کرتے تو سارا گھر کھچا کھچا پھرتا میں نے تو جس وقت آکر بڑھیا کو دیکھا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرے تو ہوش اُڑ گئے تھے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے برف چہرے کی رنگت متغیر میں تو سمجھا خدا جانے کہاں بے موقع صدمہ پہنچا کہ اس کا سانس چھاتی میں نہیں سماتا پوچھو میاں ناظر سے اخباروں میں کئی بار دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی گورے نے ایک قلی کو تھپڑ کھینچ مارا یا ٹھکرا دیا اور قلی فوراً مر گیا۔ غیرت بیگم تم نے یہ بڑی سخت بے جا حرکت کی اور اگر تم اس طرح دست درازی کرو گی تو یقین جانو تم اپنی تو اپنی ایک نہ ایک دن سارے خاندان کی ناک کٹوا دو گی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے چند بدنصیب بندے یعنی لونڈیاں جو تمہارے اختیار میں ہیں تم حق ناحق اپنا غصہ اُن پر نکالتی رہتی ہو یہ بے چاریاں تمہارا کچھ کر نہیں سکتیں ہاتھ چھوٹا ہوا طبیعت بڑھی ہوئی تم سمجھیں کہ سب جانور ایک ہی لاٹھی سے ہانکے جاتے ہیں سوکن و بڑھیا دونو کو اٹھا کر پیٹ ڈالا گویا وہ تمہاری لونڈی ہے اور یہ تمہاری باندی۔ وہ تو خدا نے

اتنی خیر کی کہ بڑھیا مری نہیں اور ادھر عین وقت پر آپہنچے میاں ناظر کہ اُن کے ملاحظے سے کوتوالی والوں نے جھوپ جھاپ کر دی ورنہ ساری شیخی کرکری ہو جاتی کہ سادات سید نگر کی بیٹی میر مہذب کی بہو کی ڈولی کوتوالی چبوترے پر دھری ہوتی۔ صد آفریں ہے تمہاری سوکن پر ہو تو ذات کی کنجڑی مگر بڑی ضبط کی آدمی ہو کہ تم سے کہیں زبردست معلوم ہوتی ہو مگر چپکی مار کھا گئی اور اُلٹ کر اُف تک نہ کی کیوں غیرت بھلا جیسا تم نے اس کو مارا تھا اگر وہ بھی برابر سے مارتی تو تمہاری عزت تو دو کوڑی کی ہو جاتی مگر اتنا تو ضرور ہوتا کہ پھر تمہارا ہاتھ کسی پر نہ اُٹھتا۔ سید حاضر نے ناظر اور غیرت بیگم کو ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ دونوں کو کچھ جواب نہ بن پڑا اور دونوں اپنا اپنا سا منہ لے کر رہ گئے آخر ناظر بولا کہ آپ ہم دونوں سے بڑے ہیں جو کچھ آپ کے نزدیک مناسب ہو اس کی تعمیل میں نہ مجھ کو عذر ہے اور نہ آپا کو یہ معاملہ ناموس کا ہے اور بھائی بہنوں کی ناموس کچھ جدا جدا نہیں ہوتی اس میں رتی برابر فرق نہیں کہ آپ جو کچھ کریں گے آپا کے حق میں بہتر ہی کریں گے سید حاضر نے کہا بس تو مجھ کو مبتلا بھائی سے دو دو باتیں کر لینے دو انشاءاللہ میں کوئی ایسی راہ نکالوں گا کہ دونوں میاں بی بی میں صفائی ہو جائے ایسا موقع تاک کر کہ مبتلا مردانے میں اکیلا تھا سید حاضر خود اس کے پاس گئے جس وقت سے گھر میں یہ واردات ہوئی تھی حاضر اور ناظر دونوں کی طرف سے برے ہی بُرے خیالات مبتلا کے دل میں گذرتے تھے۔ اُس کو ساری عمر کبھی کچہری جانے کا اتفاق نہیں ہوا بس کچہری کے نام سے اُس کا دم فنا ہوتا تھا اور حاضر ناظر دونوں کو خصوصاً ناظر کو کچہری ایسی تھی جیسے مچھلی کو تالاب مویشی کو تھان۔ پرند کو گھونسلا۔ عورت کو میکا۔ باوجودے کہ سرتاسر قصور غیرت بیگم کا تھا مگر مبتلا اُلٹا چور کی

طرح سہما جاتا تھا کہ دیکھیئے یہ بھائی بہن کئی کئی دن سے کھیٹیاں کر رہے ہیں کیا فساد کھڑا
کرتے ہیں اُس کے دوست آشناؤں میں بھی کسی کسی نے اُس کو کوتوالی اور فوج داری
میں استغاثہ کرنے کی صلاح دی تھی مگر ہر چند اُس کو مردُوا بناتے تھے کچہری کا نام
آیا اور اُس کا رنگ فق ہوا وہ بگڑ بگڑا کر ایک ایک کی منّت کرتا تھا کہ یارو مجھے
مدعی بننے کی توقع مت کرو کوئی ایسی تدبیر بتاؤ کہ اگر یہ لوگ مجھ پر نالش کریں اور کریں
ہی گے تو مجھ کو حاکم کے روبرو نہ جانا پڑے ۔ بہتیرا لوگ سمجھاتے تھے کہ اُن کی
طرف سے نالش کے ہونے کی کوئی رُوداد نہیں اور فرض کیا کہ نالش ہو بھی تو تم
اپنی طرف سے جواب دہی کے لیئے مختار یا وکیل کھڑا کر دینا بلکہ بعضے تو شرط باندھتے
تھے کہ اگر نالش ہو اور خدانخواستہ تم پر کسی طرح کی آنچ آ جائے تو حاکم جو سزا تمہاری تجویز
کرے اُس کی چوگنی ہم بھگتنے کو موجود ہیں چاہو ہم سے لکھوا لو ۔ مبتلا کہتا تھا تم ناظر بھائی
کے ہتھکھنڈوں سے واقف نہیں ہو ارے میاں وہ اس بلا کا آدمی ہے کہ چچا باوا بچائے
کسی کے لینے میں نہیں دینے میں نہیں اُس نے دل پر رکھا تو شہر سے نکلوا کر چھوڑا ۔ مبتلا
کا حال یہ ہو گیا تھا کہ ہریالی اور اُس کی بڑھیا کی مرہم پٹی کی ضرورت سے کھڑے کھڑے گھر
میں جاتا تو اُلٹے پاؤں باہر بھاگا ہوا آتا کہ دیکھوں کہیں سرکار سے طلبی تو نہیں آئی
اتنے دن نہ تو اُس نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور نہ پوری نیند سویا اگر تھوڑے
دن اَور سید حاضر کی طرف سے سبقت نہ ہو تو مبتلا اس قدر پریشان تھا کہ وہ خود ابتدا
کرتا اور اتنے دن بھی وہ اپنے آپ کو لیئے رہا تو ان لوگوں کی نارضامندی کے
خیال سے اُس کو جرأت نہیں ہوئی سید حاضر کو دور سے آتا ہوا دیکھ کھڑا تو ہو گیا مگر
اس وقت تک اُس کے دل میں کھٹکا تھا کہ اِن کا آنا خالی از علت نہیں جب سید حاضر نے

قریب پہنچکر معانقے کیلیے ہاتھ پھیلائے تو اُس کو اطمینان ہوا اور بھائی کے گلے لگ کر غیرت بیگم کی زیادتی اور اپنی مجبوری اور اتنے دن کی پریشانی کو یاد کر کے خوب رویا سید حاضر کا بھی جی بھر آیا کہ دیکھو خدا کے فضل سے گھر میں سب طرح کی فراغت ہے ایک چھوڑ دو دو بیبیاں ہیں بچے ہیں کسی بات کی کمی نہیں مگر ایک بری لت جو اپنے پیچھے لگالی ہو تو زندگی کیا تلخی سے گزرتی ہو۔ معانقے کے بعد دونو بھائی ایک جگہ بیٹھے تو سید حاضر نے کہا مبتلا بھائی یہ نیا رشتہ تمہارے ساتھ کیا ہوا کہ وہ پرانا رشتہ بھی اس کے پیچھے گیا گزرا ہوا۔ دیہات کا کمبخت کیا بُرا دستور ہو کہ ہم تو بہن کے گھر پر بلا ضرورت آ نہیں سکتے اب تمہاری ہی طرف سے ملاقات ہو تو ہو سید نگر تو بھلا تم کیوں آنے لگے شہر میں بھی تم کہیں نظر نہیں آتے آج آٹھواں دن ہو کہ میں بلا ناغہ دونو وقت یہاں آتا ہوں تم کو چار بار دیکھا بھی مگر تمہارا رُخ نہ پایا۔ آخر آج مجھ سے نہ رہا گیا تو میں نے کہا لاؤ میں ہی پیشقدمی کر کے تم سے ملوں۔ مبتلا۔ کیا کہوں میں تو ندامت کی وجہ سے نہیں ملسکا۔ حاضر۔ ندامت کی کیا بات ہو عورتیں ناقصات العقل آپس میں لڑا جھگڑا ہی کرتی ہیں اگر مرد ایسی ایسی باتوں کا خیال کیا کریں تو دنیا میں کیسے گزر ہو۔ مبتلا۔ آپ پر ثابت تو ہو گیا ہو گا کہ زیادتی کس کی تھی۔ حاضر اس معاملے میں میرا منہ نہ کھلواؤ میں تم سے کیسی ہی سچّی بات کیوں نہ کہوں پر تم یہی سمجھو گے کہ بہن کی طرفداری کرتا ہے۔ مبتلا۔ میں نے آپکے تدیّن کی تعریف اَور کسی سے بھی نہیں چچا باوا سے سُنی ہو میں آپ کی نسبت بے انصافی کا خیال کبھی کر ہی نہیں سکتا۔ حاضر دوسرا نکاح تو تم کر چکے اب اس کی نسبت یہ کہنا کہ تم نے جلدی کی یا بے جا کیا فضول ہے بلکہ ایک اعتبار سے تو میں کہتا ہوں کہ تم نے بجا کیا مناسب کیا خوب کیا اور ضرور کرنا چاہیے

تھا۔ تمہارا طرزِ زندگی دین کے شرافت کے بھلمنساہت کے عقل کے سب کے خلاف تھا بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم نے اُس سے توبہ کی خدا کرے کہ تمہاری توبہ پہاڑ کی طرح مستحکم ہو تمہاری بھر کم ہو مضبوط ہو اٹل ہو مگر مجھ کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ ایک مگدر کو تو تم اُٹھا نہ سکے جوڑی تم سے کیونکر ملائی جائیگی تمہاری وہی مثل ہے کہ تنور سے بچنے کے لیئے بھاڑ میں گرے دو بیبیوں کا رکھنا جمع بین النقیضین کچھ آسان کام نہیں تم نے تو ایسی ہنڈیا پکائی ہے کہ یہ واقعہ جو پیش آیا اُس کا پہلا اُبال ہے جب کھُرچن کی نوبت آئیگی تو اصلی مزہ معلوم ہوگا یقین جانو کہ میں کچھ بہن کی پاس داری سے نہیں کہتا بلکہ حقیقت نفس الامری بیان کرتا ہوں کہ تم نے غیرت کی قدر و وقعت کو مطلق نہیں پہچانا۔ غیرت بیگم خدانخواستہ (بُرا مت ماننا) تمہاری اس بی بی کی طرح گری پڑی بازاری عورت نہیں وہ ایسے جتھے اور ایسے گروہ اور ایسی برادری اور ایسے خاندان کی بیٹی ہے کہ جہاں اُس کا پسینا گرے آج سید نگر میں کم سے کم دو سو آدمی ایسے نکلیں گے جو اپنا خون بہانے کو موجود ہو جائیں گے۔ عورتوں کے معاملے عزت اور آبرو اور ناموس کے معاملے ہیں مال کی تو کیا حقیقت ہے عزت کے آگے شرفا خاصکر دیہات کے خاصکر سادات خاصکر ساداتِ سید نگر جان کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے تم یاد کرو کتنی منت کس قدر خوشامد کیسی آرزو سے ماموں اور ممانی (خدا اُن دونوں کو جنت نصیب کرے) غیرت بیگم کو بیاہ کر لائے آج کو وہ دونوں یا اُن میں سے ایک بھی زندہ ہوتے تو کیا تمہاری مجال تھی کہ تم غیرت بیگم پر سوکن لاؤ اور اسی کی گود میں بٹھاؤ پھر بندۂ خدا تم کو اتنا بھی خیال نہ آیا کہ ماں باپ اس کے نہیں ساس سسرے اس کے نہیں دنیا میں وارث کہو سرپرست کہو شوہر کہو ایک تم سو تم نے جلا جلا کر اس کا یہ

حال تو کر دیا کہ سید نگر کی نسبت اب تہائی بھی باقی نہیں رہی اور اس پر بھی تم کو صبر نہ آیا سوکن کو لا بٹھایا عورت ہو تو جانو یا عقل ہو تو پہچانو کہ سوکن کا کیسا داغ ہوتا ہے بیوگی سے بڑھکر میاں نکھٹو اپاہج ہو بد مزاج ہو روٹی کھانے کو اولاد جی بہلانے کو نہ ہو سب مصیبتیں جھیلی جا سکتی ہیں اور نہیں جھیلی جا سکتی تو سوکن کی۔ دنیا کے اور جلاپے جلاپے ہیں اور سوکن کا جلاپا سلگاپا جس شخص پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو وہ اگر افیون کھا لیتی یا کوئیں میں گر پڑتی یا پیٹ میں چھری بھونک لیتی اُس سے کسی بات کا تعجب نہ تھا بلکہ تعجب یہ ہے کہ رونے پیٹنے پر قناعت کی اگر خدانخواستہ اُس نے اپنے کو ہلاک کر لیا ہوتا تو تمہارا کیا جاتا تم تو نئی بی بی کے ساتھ چین کرتے گل چھرے اڑاتے ہم کو بہن کہاں پیدا تھی۔ مبتلا۔ اگر آپ کہیں تو میں اس عورت کو چھوڑ دوں۔ حاضر۔ میں تو چھوڑنے کو نہیں کہہ سکتا اور تم ایسے چھوڑنے والے ہوتے تو کرتے ہی کیوں فرض کیا کہ تم نے اُس کو میرے کہنے سے چھوڑ دیا اور پھر وہی سابق کا وتیرہ اختیار کیا تو اپنے ساتھ دنیا اور دین دونوں جگہ میرا مُنہ بھی کالا کراؤ۔ مبتلا۔ پھر آپ ہی کوئی راہ نکالیے مجھ سے ایک نادانی تو ہوئی اور اپنی طبیعت کو بارہا آزما چکا ہوں میرے قابو کی نہیں آج آپ سے ایک وعدہ کروں اور کل کو جھوٹا ٹھیروں تو پھر آپ کے نزدیک میرا کیا اعتبار رہا اس سے بات کا صاف صاف کہدینا اچھا اور اگرچہ آپ سے اس معاملے میں صلاح پوچھنا داخل بے حیائی ہے مگر چچا باوا چلتے چلتے فرما گئے ہیں کہ اگر کوئی مشکل آپڑے تو آپ کی رائے پر عمل کرنا اور یوں بھی آپ بڑے بھائی ہیں باپ کی جگہ آپ ہی اگر آڑی پر آڑے نہ آئیں گے تو میں کس کے پاس التجا لے جاؤں بندے کے سَو قصور خدا معاف کرتا ہے آپ از برائے خدا میرا ایک قصور معاف کیجیے۔ حاضر۔

بات یہ ہے کہ میں تمہاری اِس نئی بی بی کے حالات سے بخوبی واقف نہیں میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ کس طرح اس کے ساتھ مدارات کرنی مناسب ہے۔ مبتلا۔ اس کمبخت کے اور حالات ہی کیا ہیں بازاری عورت ہے، تن تنہا مدت سے توبہ توبہ پکار رہی تھی میری جو شامت آئی اِس کے ساتھ عقدِ شرعی کر لیا کیونکہ چچا باوا کے سامنے آوارگی سے میں توبہ کر چکا تھا حماقت پر حماقت یہ ہوئی اور اب میں اُس گھڑی کو بہت پچھتا تا ہوں کہ گھر میں لا کر اوپر کا کام کاج سپرد کیا دوسری ماماؤں کی طرح رہنے سہنے لگی اگر میں نے اُس کے ساتھ کسی طرح کا سروکار رکھا ہو تو مجھ پر خدا ہی کی مار پڑے یہ تو اس کی پچھلی کیفیت ہے، آئندہ کے لیئے بھی اگر آپ کی مرضی ہو تو وہی ماماؤں کی طرح رہیگی اور بدستور گھر کی خدمت کریگی۔ حاضر۔ اس کا غیرت بیگم کے پیش نظر رہنا تو میں پسند نہیں کرتا کیونکہ اس صورت میں فسادِ عاجل کا بڑا اندیشہ ہے دو سوکنوں کی مثال تمہیں کس طرح بتاؤں یوں سمجھو کہ دو گلاس ہیں ایک میں سوڈا ہے پانی میں حل کیا ہوا اور دوسرے میں ایسڈ ممکن ہے کہ سوڈا اور ایسڈ ملیں اور اُن میں جوش و خروش پیدا نہ ہو پس دونوں کو ایک جگہ رکھنے کا تو تم کبھی بھول کر بھی ارادہ نہ کرنا، رہنا آج دو مہینے تو کل جوتیاں ہونگی اور پرسوں چھریاں اس کو تو کسی دوسرے شہر میں یا خیر دوسرے محلے میں یا خیر دوسرے گھر میں تو رکھنا ضرور ہے مگر مشکل یہ ہے کہ تم کہتے ہو وہ ہے اکیلی تن تنہا آدمی زیادہ رکھے جائیں تو تمہاری چادر میں اتنے پاؤں پھیلانے کی گنجائش نہیں پس صرف یہی تدبیر ہے کہ زنانے مکان میں پورب کی طرف جو ایک کھانچا سا نکل گیا ہے پردے کی دیوار کھچوالو اور ڈیوڑھی میں سے دروازہ پھوڑ کر اتنا گھر الگ کر لو، حقیقت میں یہ تھا بھی دوسرا گھر ماموں باوا نے مول لیکر باہر گلی کا دروازہ تیغہ کر کے زنانے مکان میں

ملا لیا تھا تیغے کا نشان اب تک موجود ہے اتنا مکان ایک مختصر خانہ داری کیلئے بخوبی کافی ہے ضرورت کی سب چیزیں موجود ہیں دالان در دالان آگے سائبان دونوں طرف بڑی بڑی دو دو کوٹھڑیاں باورچی خانہ اس کی بغل میں چیز بست رکھنے کو لمبی کوٹھی سامنے کے ضلع میں سہ درہ بس اَور چاہیے کیا بڑے گھر کی طرف خدا کے فضل سے آدمی زیادہ ہیں اور خرچ بھی بہت ہے، برابری اگر چاہو تو دونو گھروں میں ممکن نہیں اور ضرور بھی نہیں اور مناسب بھی نہیں۔ چھوٹے ماموں باوا بیٹھ روپے کی تنخواہیں اور کرایہ تمہارے نام کرا گئے ہیں اور ساٹھ کی غیرت بیگم کے نام۔ سو اپنے پینسٹھ میں تیس چھوٹی بی بی کو دیا کرو اکیلا دم ہے فراغت سے بسر کر سکتی ہیں پینتیس تم کو بچینگے اُس میں تمہارا کپڑا ہے اور باہر مردانے کا خرچ غیرت بیگم کے ساٹھ کو ہاتھ مت لگاؤ۔ ایک دن بڑے گھر میں ہو ایک دن چھوٹے میں۔ ہر ہر نہ کھڑ کھڑ اللہ اللہ خیر صلاح۔ مبتلا تو اپنی جگہ یہ ڈر رہا تھا کہ نہیں معلوم شہر سے نکلوائینگے یا قید ڈلوائینگے یا گھر بار ضبط کرائینگے سید حاضر کا فیصلہ سنتے کے ساتھ اُس کے پیروں پر گر پڑا کہ بس اس میں اگر میری طرف سے کبھی سر مو فرق ہو تو جانیے گا کہ میری اصالت میں فرق ہے۔ ہریالی بھی اپنی جگہ بہت خوش ہوئی اور سمجھی کہ اب میرا بی بی ہونا سب پنچوں نے جانا گھر بٹوا پایا میاں کے پینتیس بھی سب کر اپنے ہی ہیں وہ ملا کر تنخواہوں میں کرائے میں بڑا آدھا میری طرف رہا کہاں غیرت بیگم سیدانی اشراف میاں کی پھوپی زاد بہن صاحب اولاد آٹھ نو برس کی بیاہی ہوئی اور کہاں میں۔ انصاف کی رُو سے تو میں اُن کی جوتی کی بھی برابری نہیں کر سکتی قربان جاؤں خدا کے کہ اُس نے مجھ گنہگار ناچیز کی توبہ کو ایسا نوازا کہ اُن ہی کے سگے بھائی کے ہاتھ سے مجھ کو جتوایا۔ غیرت بیگم کو تو سوکن کے نام کی جلن تھی اس کو مکان سے

تنخواہ سے کچھ بحث ہی نہ تھی ہریالی کو کیسے ہی برے احوال سے رکھتے مگر جب تک غیرت بیگم
یہ جانتی تھی کہ یہ میری سوکن ہے کسی طرح وہ راضی ہو ہی نہیں سکتی تھی لیکن بڑے بھائی
نے جب ایک فیصلہ کر دیا تو کیا کرتی دل میں پیچ و تاب کھا کر چپکی ہو رہی مبتلا کے ساتھ
بولنا بات کرنا پہلے ہی سے کم تھا اب بالکل چھوڑ دیا غرض صحن میں پردے کی دیوار
اٹھائی گئی ڈیوڑھی میں دروازہ لگا ہریالی نے الگ گھر کر کے رہنا شروع کیا۔

بائیسویں فصل دو سوکنوں کی لڑائی کا سلسلہ اور اس کا اثر بد مبتلا پر مبتلا کی اولاد پر اس کی بیبیوں پر اور انتظام خانہ داری پر

آدمی الگ گھر کرتا ہے تو پلنگ پیڑھی تخت چوکی چولہا چکی برتن بھانڈا سبھی چیزیں اس کو درکار ہوتی ہیں غیرت بیگم کے یہاں سب اسباب اٹم لگے ہوئے تھے پر کس کی مجال تھی کہ تنکا تو اٹھا کر ادھر سے اُدھر لے جائے ہریالی کو ابتدا میں سخت تکلیف ہوتی مگر سلیقہ بھی عجب چیز ہے دو ہی برس میں ہریالی نے رفتہ رفتہ اپنا گھر ایسا درست کر لیا کہ غیرت بیگم کے کئی پشتوں کے جمے ہوئے گھر میں ایک چیز وقت پر نہیں بھی ملتی تھی مگر ہریالی کے یہاں آنا تو کون تھا لیکن اگر دس مہمان بھی آجاتے تو آسائش کا سب سامان موجود پاتے۔ ایک مرتبہ پرانا سرکہ درکار تھا تعجب کی بات ہے کہ سارے محلے میں کسی کے یہاں نہ نکلا ہریالی نے (جس کی طرف کسی کا ذہن بھی منتقل نہیں ہوتا تھا) سنتے کے ساتھ ہی پیالہ بھر کر بھجوا دیا۔ جس طرح سید حاضر نے ٹھیرا دیا تھا مبتلا ایک ایک دن باری باری سے دونوں گھروں میں رہتا تھا بڑے گھر میں تو اس سے کوئی بولتا چالتا نہ تھا کسی دن اگر معصوم کو پکڑ پایا تو گھڑی دو گھڑی اس کے ساتھ جی بہلایا ورنہ منہ لپیٹا سو رہا

خاطرداری سمجھو مدارات سمجھو آؤ بھگت سمجھو جو کچھ تھی سو چھوٹے گھر میں تھی مگر غیرت بیگم اُس کو وہاں بھی چین سے نہیں رہنے دیتی تھی وہ اپنے گھر میں تو مبتلا سے ایسی بے رخی کرتی کہ گویا اُس کو میاں کی ذرا بھی پروا نہیں اور چھوٹے گھر کی باری آئی اور صبح سے اُس نے مبتلا کی نگرانی شروع کی دالانے میں کتنی دیر بیٹھے گھر میں کس وقت آئے کہاں سوئے کیا کھایا اور کتنا کھایا ہریالی کے ساتھ کیا باتیں کیں۔ گھر کے نوکروں پر ایک نیا کام یہ آ پڑا کہ سارے سارے دن اور پہر پہر رات گئے تک ایک ڈیوڑھی میں کھڑی جھانک رہی ہے تو ایک دروازے میں کان لگائے سُن رہی ہے۔ اور ایک ہے کہ جس طرح جلاہا تانا بانا تنتا پھرتا ہے اوپر تلے بیسیوں پھیرے زنانے سے مردانے میں اور مردانے سے زنانے میں۔ باوجودے کہ غیرت بیگم نے ایک مبتلا کے پیچھے اتنے جاسوس لگا رکھے تھے اس پر بھی اُس کا جی نہیں مانتا تھا ایک سوکھا تو اُس نے پاخانے کی دیوار میں کیا کہ چھوٹے گھر کے سہ درے کی ذرا ذرا بات وہاں سے سُنائی دیتی تھی۔ رہ گیا ایک ضلع صحن سایہ بان اور سایہ بان کے اندر کا دالان مع غیرت بیگم کی طرف ایک بالاخانہ تھا اور اُس میں تھی ایک کھڑکی وہ کھڑکی کھول دو تو صحن سے لیکر اندر والے دالان تک سب کچھ دکھائی دیتا۔ یا تو غیرت بیگم نے جس دن سے بیاہی آئی کبھی بالاخانے پر پاؤں نہیں رکھا تھا یا اب سوکن کی ضد پر جس دن چھوٹے گھر کی باری ہوتی صبح سویرے سے کوٹھے پر چڑھی پڑھی اگلی صبح کو اُترتی۔ غرض ساری گرمی غیرت بیگم نے میاں کو ہریالی سے بات نہیں کرنے دی جاڑا آیا اور پردے چھوڑ کر دالان میں سونے لگے تب تھک کر بیٹھی۔ شروع شروع میں تو نوکروں کو آنے جانے کی ایسی سخت ممانعت تھی کہ ایک مرتبہ ایک لونڈی نے باہر ڈیوڑھی میں سے

آگ پکڑا دی تھی غیرت بیگم کو خبر ہو گئی تو اُس کے ہاتھ پر جلتا ہوا انگارا رکھ دیا لیکن پھر
سوچی کہ نوکروں سے خبریں خوب ملتی ہیں اِن کا روکنا ٹھیک نہیں بندی کھول دی
مگر اس سے خرابی کیا پیدا ہوئی کہ ماما لونڈی جو کوئی چھوٹے گھر سے ہو کر آتی غیرت بیگم
اُس سے حال پوچھتی اگر وہ اُس کی خواہش کے مطابق کچھ بیان نہ کرتی تو اُس پر
خفا ہوتی کہ تو جھوٹی ہے یا چھپاتی ہے یا تو اُدھر ملی ہوئی ہے ناچار اس کی بدگمانیوں
سے بچنے کے لیے نوکروں نے جی سے باتیں بنانی شروع کیں حقیقت میں تو وہ
باتیں ہوتی تھیں بے اصل مگر اس کو ایک ایک بات کا ہفتوں جھگڑ لگا رہتا تھا
آپ رنجیدہ رہتی اور مبتلا پر اپنی بدنفسی اور حماقت ثابت کرتی۔ ایک آتی۔
اور دل سے جوڑ کر کہتی بیوی آج تو تمہاری سوکن کے عجب ٹھاٹھ ہیں ایسی بن ٹھن
کر بیٹھی ہیں جیسے کوئی نئی دُلہن سر میں چنبیلی کا تیل پڑا ہوا ہے مگر کوئی چار روپے
سیر کا کہ سارا گھر پڑا مہک رہا ہے چوٹی گندھی ہے یہ بڑے بڑے موتیا کے پھولوں کا سا
گہنا البتہ ڈیڑھ دو روپے سے کیا کم کا ہوگا ململ گیری چُنا ہوا مہین رنگ کا دوپٹا اچھا
خاصہ چار انگل کا چوڑا سنہری ٹھپا ٹنکا ہوا سفید ترپن بیل کا پاجامہ پائنچوں میں بیل
دار کنارہ کناسے پر کیکری کیکری پر بانکڑی کی بیمک۔ غیرت بیگم یہ سن کر ایک ٹھنڈا
سانس بھر کر کہتی ہاں صاحب جن کے بھاگ اُن کے سُہاگ۔ دوسری یہ بات
لاتی کہ وہ آپ تو صحن میں کرسی بچھائے بیٹھی ہیں میاں سامنے کھڑے گنا چھیل
رہے ہیں گنڈیریاں بنا بنا کر آپ بھی کھاتے جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے اُن
کے مُنہ میں بھی دیتے جاتے ہیں میں تو یہ دیکھ کر اُلٹے پاؤں پلٹ آئی۔ ماما باہر
بھی کھانا پکا رہی ہے۔ غیرت بیگم۔ لعنت خدا کی پھٹے مُنہ حیا اور شرم تو مطلق چھو

لیعنی سبزبالی ۱۲

نہیں گئی تیسری اشارے سے بیوی کو بلاتی کہ ذرا آپ بھی تو موکھے میں سے دیکھئے
آج میاں کا جی کیسا ہردولائی اوڑھے پڑے ہیں اور وہ کنچنی پاس بیٹھی پاؤں دبا رہی ہے
غیرت بیگم۔ اری کمبخت تجھ کو دھوکا ہوا ہوگا کنچنی لیٹی ہوگی اور میاں پاؤں دبا رہے
ہونگے۔ اس طرح کی سیکڑوں باتیں صبح سے شام تک اپنے ہی گھر کے نوکر غیرت بیگم
سے آکر کہتے تھے اور سب میں زیادہ منہ لگی وہ تھی جو اس طرح کی باتیں خوب تصنیف
کرسکتی تھی۔ اتنی تو کسی کی مجال نہ تھی کہ غیرت بیگم کے منہ پر ہریالی کو ہریالی کہہ دے اور اگر
کسی کی زبان سے بھولے سے بھی چھوٹی بیوی نکل جاتا تو بے ٹنک غیرت بیگم تڑسے
اس کے منہ پر جوتی کھینچ مارتی نام سے تو اتنی نفرت اور پھر رات دن اسی کی تسبیح
آخر سوچ کر غیرت بیگم نے سوکن کو بے غیرت کا خطاب دیا اور جتنے لوگ غیرت بیگم کے
طرفدار تھے یہانتک کہ ادنی ادنی نوکر اس کی حمایت پاکر سب بے تامل ہریالی کو پکار
پکار کر بے غیرت کہتے تھے اور دیوار کے پیچھے ہریالی اپنے کانوں سے سنتی تھی بلکہ
اس نے سیکڑوں بار مبتلا کو سنوا سنوا دیا۔ مبتلا کو نوکروں کے منہ سے یہ لفظ سنکر
سخت رنج ہوتا تھا کیونکہ ہریالی جو کچھ تھی سو تھی مگر راجہ کے گھر آئی اور رانی کہلائی اب
تو اس کی منکوحہ تھی نوکروں کو اور گھر کی لونڈیوں کو کیا زیبا تھا کہ اس کی منکوحہ کو
یوں منہ بھر بھر کر گالیاں دیں۔ مگر وہ کیا کر سکتا تھا ہریالی کو سمجھا دیتا کہ کچھ تم سے
پرخاش نہیں مجھ کو نوکروں کے ہاتھ سے ذلیل کرانا منظور ہے خدا کی شان میرے
نوکر میرے لونڈی غلام اور ایسے گستاخ اتنے بے ادب کیا کروں کچھ کرتے بن نہیں
پڑتا میں بھی صبر کرتا ہوں تم بھی صبر کرو۔ غیرت بیگم کو سوکن کی طرف سے ہر طرح کی بدگمانی تو
تھی ہی بتول کو تو اس طرف کوئی لے جانے نہیں پاتا تھا مگر معصوم اپنے پاؤں دوڑا دوڑا

پھرنا تھا اُس کو کون روکے غیرت بیگم بہتیرا ڈراتی دھمکاتی گھرکتی مگر کیس کی سنتا تھا آنکھ بچی اور چھوٹے گھر میں۔ غیرت بیگم سے اور مبتلا سے تو روز بروز عداوت بڑھتی چلی جاتی تھی۔ مبتلا کے جلانے اور چھیڑنے اور ایذا دینے کو جہاں غیرت بیگم اور بہتیری باتیں کرتی تھی اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بچوں کے ساتھ اُس کی کلّی ہی مدارات باقی نہیں رہی تھی۔ اب تو وہ بات بات پر معصوم کو مار بیٹھتی اور کوسنا تو تکیہ کلام ہو گیا تھا۔ بچوں کا تو قاعدہ ہے کہ وحشی جانوروں کی طرح ہلانے اور بہلانے سے رام ہوتے ہیں معصوم کا یہ حال ہو گیا تھا کہ غیرت بیگم کی شکل سے دور بھاگتا اور اس کی پرچھائیں سے ڈرتا۔ چھوٹے گھر میں اسکی ایسی خاطرداری ہوتی تھی کہ اس نے اندر پاؤں رکھا اور ہریالی نے دوڑ کر اس کو گود میں لیا ہاتھ منہ دھلایا بالوں میں تیل ڈالا کنگھی کی آنکھوں میں سرمہ لگایا میوہ مٹھائی اُس کیلئے لگا رکھتی تھی جو کچھ موجود ہوا کھلایا گھنڈی تکمہ بند اگر ٹوٹ گیا ہو ٹانک دیا کبھی کبھار کوئی کھلونا منگوا دیا آپ پان کھاتی ہوتی تو اسکو بھی ٹکڑا بنا دیا آئینہ ہاتھ میں دے دیا کہ دیکھو تو کیا منہ لال لال ہوا ہے۔ بس معصوم سارے سارے دن چھوٹے گھر میں کھیلتا اور اگر بڑے گھر میں بلاتے تو روتا اور مچلتا۔ ایک دن غیرت بیگم معصوم کا انگرکھا قطع کر رہی تھیں کہ لونڈی سے کہا کہ جا ذرا معصوم کو جلدی بلا لا میں انگرکھا اُس کے قد سے ناپ لوں لمبا نہ ہو اونچا ہو جائے۔ لونڈی نے چھوٹے گھر میں جا کر معصوم سے کہا چلو میاں بی بی بلاتی ہیں لونڈی کی صورت دیکھکر اور طلبی سنکر معصوم زمین میں لوٹ گیا بہتیرا لونڈی گود میں اُٹھاتی ہے نکل نکل پڑتا ہے اس کشتم کشتا میں تھوڑی دیر لگ گئی اور وہاں غیرت بیگم ہاتھ میں کپڑا لئے انتظار کر رہی ہیں آخر دوسری کو دوڑایا کہ کمبختی معصوم کو بلانے گئی تھی وہیں مر کر رہ گئی بس

آپ بھی اُس کے ساتھ کھیل میں لگ گئی ہوگی جا دونوں کو پکڑ کے تو لا غیرت بیگم
جو بگڑ کر اور خفا ہو کر زور سے بولی تو اپنے گھر میں ہریالی نے بھی سُنا اور اُس نے جلدی
سے اُٹھ کر معصوم سے کہا آہا بڑی امّاں کے یہاں کیسے کیسے بہار کے کپڑے آئے ہیں
جلدی بھاگ کر جاؤ کہ تمہاری بھی اچکن بونتی جائے وہ بڑی امّاں بیٹھی کہہ رہی ہیں آنکھیں
میچیں کون آئے آنکھیں میچیں کون آئے معصوم سامنے گیا تو غیرت بیگم بولی موئے جان ہار یونہی
سارے دن خدائی خوار خاک چھانتا پڑا پھر دیکھ اب تجھ کو کیسے ظالم استاد کے پاس
پڑھنے بٹھاتی ہوں کہ تو بھی یاد کرے۔ معصوم میں اپنی چھوٹی امّاں کے پاس بھاگ
جاؤنگا۔ غیرت بیگم۔ لا نا دے سینے میں ایک بڑا سا انگارا کہ اس کمبخت ناشُدنی کا منہ جلادوں
نگوڑا بدوں کا بدگندی بوٹی کا لبا ہند اشوربا آخر اپنی اصالت پر گیا کنجنی کو میّا بنایا
میرے سامنے اگر پھر اُس مُردار کو امّاں کہا ہوگا تو جیتو پکڑ کر کاٹ ڈالونگی معصوم یہ سنکر آدھی
دور سے پھر اُلٹا بھاگ گیا لبستی پیچھے دوڑی بھی مگر اب وہ کس کے ہاتھ آتا تھا ڈیوڑھی
میں کھڑا ہوا غیرت بیگم کے چڑانے کو پکار پکار کر چھوٹی امّاں چھوٹی امّاں کہتا تھا اور جہاں
غیرت بیگم نے دیکھا تو آڑ میں ہو گیا اور پھر ذرا سی دیر میں سامنے آکر چھوٹی امّاں چھوٹی
امّاں کہنے لگا۔ غیرت بیگم نے دالان میں سے بیٹھے بیٹھے جوتی کھینچ کر ماری مگر وہ ڈیوڑھی
تک کیا پہنچتی غرض معصوم کو جو دھت لگی تو غیرت بیگم کو اسی طرح گھڑی بھر تک دق کرتا
رہا اور پھر چھوٹے گھر میں جا گھسا۔ غیرت بیگم ہریالی کی ساری باتوں کو بُرائی پر ڈھال
لے جاتی تھی معصوم کے ساتھ جو ہریالی تمام ماؤں سے اور خصوصاً غیرت بیگم سے بڑھ کر
محبت کرتی تھی تو میاں کی خوشامد پر محمول کرنا شاید چنداں بیجا نہ تھا مگر ہریالی کی مخالفت
میں غیرت بیگم کے خیالات ایسے بڑھے ہوئے تھے کہ اِس کا بھی وہ دوسرا ہی مطلب لگاتی

تھی اُس کا مقولہ یہ تھا دیکھا نامراد گُٹنی کو کیسی معصوم کی للّو پتّو میں لگی رہتی ہے اور مجھکو
یقین ہے کہ وہ ضرور اُس کو مجھ سے تڑا کر رہے گی ابھی سے اس کو میری صورت
سے بے زار کر دیا ہے نہیں تو اتنے بچے ماؤں سے ایک لمحے کے لیئے پرے نہیں
ہٹتے اور معصوم کو تو اگر میں نہ بلاؤں کبھی بھول کر بھی اِدھر کا رخ نہ کرے۔ غیرت بیگم
کو تو اُلٹے سیدھے ہر طرح ہریالی کو اُلاہنا دینا منظور تھا معصوم اگر کبھی بیمار ہوتا اور
چھوٹے بچے اکثر بیمار ہوتے ہی رہتے ہیں تو مصیبت یہ تھی کہ میاں کی ضد کے مارے
دوا علاج کچھ نہ کرتی اور جو کوئی کہتا تو بگڑ کر جواب دیتی کہ کوئی دکھ ہو تو علاج کردں
اس کو تو دشمنوں نے کچھ کر دیا ہے اور دشمن کون یہی بغلی گھونسا یہ کیا ہم میں سے کسی
و جیتا چھوڑے گی لیکن اگر میرے بچے کا بال بیکا ہوا تو کوٹھری میں کیا مار ماری تھی
ر جان سے نہ مار ڈالوں تو سیّد کی جنی نہیں اور پھر اُس کے حمایتیوں کو دیکھ لوں گی
ریالی عجب پس و پیش میں تھی اگر معصوم کو نہیں آنے دیتی تو کہیں خود جیبلے اولاد کی
ے جلتی ہے دیکھ نہیں سکتی۔ اور آنے دیتی ہے تو اس کی ذمہ داری کون کرے کہ بچہ بیمار
پڑے یا بیمار پڑے تو ضرور اچھا ہی ہو جایا کرے بس ذرا بھی معصوم کا جی ماندہ ہو
ہریالی کا کٹی چلّو لہو خشک ہو جاتا کہ خدا خیر کرے۔ انتظام خانہ داری کی یہ صورت
ی کہ آخر اُس کو بھی تو صاحب خانہ کی توجّہ درکار ہے۔ یہاں آپس کی کہا سنی تاک
ا نک لڑائی جھگڑے قضیے قضیے سے اتنی فرصت ہی کس کو تھی کہ انتظام کی طرف
جہ ہوتا اور فرصت تھی بھی تو دلوں میں شوق نہیں رغبت نہیں اطمینان نہیں اُمنگ
ں کس کی بلا کو غرض پڑی تھی کہ یہ دردِ سر مول لے۔ خانہ داری میں سب سے بڑا
ام کھانے کا کہ صبح بھی ہو اور شام بھی ہو سو کھانیکا یہ حال کہ بٹے گھر تو مبتلا نے

کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہی نہیں میاں بی بی میں ناخوشی نوسدا کی تھی تاہم کھانا
دونوں ایک ہی دسترخوان پر کھایا کرتے تھے جس دن سے ہرجائی سنے الگ گھر کیا
غیرت بیگم نے میاں کے ساتھ بات چیت کرنی کیا چھوڑی بات چیت کے ساتھ کھانا او
کھانے کے ساتھ دیکھنا بھالنا نکالنا سب کچھ چھوڑ دیا دو چار بار مبتلا نے منہ پھوڑ کر
کہا بھی جواب ندارد پس کھانا تیار ہوتا تو گھر کے نوکروں میں سے کسی نے میاں کا حصہ
نکال کر لا آگے رکھ دیا اس بے دقری کے ساتھ جو کھانا دیا جاتا تھا تو مبتلا کو اس قدر
طیش آتا تھا کہ اگر اس کا بس چلے تو غیرت بیگم کو کچی اٹھا کر کھا جائے۔ مگر وہ اپنا خونِ
جگر پی کر چپ ہو رہتا تھا ڈر کے مارے ذرا کی ذرا منہ جھٹلایا اور رھڑا ہو گیا۔ غیرت بیگم خود
تو کبھی خبر نہیں لیتی تھی اگر کبھی کوئی نوکر خدا واسطے کو کہہ بیٹھا کہ میاں تو پوری ایک
چپاتی بھی نہیں کھاتے تو بولتی اس مال زادی کے بدون میاں کے حلق سے نوالے
کیوں اترنے لگا اور ان کو اس گھر کا کھانا کیوں بھانے لگا۔ غیرت بیگم جلی تن کا مبتلا سے
بدتر حال تھا وہ آپ ہی اپنے دل سے باتیں پیدا کرتی اور آپ ہی ان کی ادھیڑ بن
میں دو دو وقت کھانا نہ کھاتی۔ نوکروں نے جو دیکھا گھر والے دو۔ میاں اور بیوی اور
دونوں کو کھانے کی طرف مطلق رغبت نہیں یہ لوگ بھی سستی اور بے پروائی اور چوری
اور طرح طرح کی خرابیاں کرنے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ خرچ توڈیوڑھا اور رونا بڑھ گیا
اور برکت آدھی اور پاؤ بھی باقی نہ رہی غیرت بیگم کی طرف تو بہت سویرے سے خاک
اڑنے لگی چھوٹا گھر خیر یونہی لشٹم پشٹم چلا جاتا تھا۔ گھر کی عزت ہوتی ہے مردانے
سے اور مردانے کی رونق مردوں سے مردوں کے شوق سے مردوں کے اہتمام سے
مبتلا جس کا کبھی یہ حال تھا کہ ایک دن بالوں میں تیل نہ پڑتا تو اس کا سر درد کرنے

لگتا دن میں اگر چار مرتبہ گھر سے باہر نکلتا تو چار طرح کی پوشاک پہنکر ایک چیز اگر جگہ سے بے جگہ رکھی ہوتی تو بے چین ہو جاتا۔ فرش پر سلوٹ پڑی دیکھی اور ماتھے پر بل پڑا۔ آندھی ہو مینھ ہو سردی ہو گرمی ہو چار گھڑی دن رہے گھوڑے کی ہوا خوری کبھی ناغہ ہونے ہی نہیں دی ہر چیز صاف ستھری قیمتی انوکھی۔ یا اب خانہ داری کے جھگڑوں نے اس کو اس قدر عاجز اور ناچار کر دیا تھا کہ اُس کو اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ تھا بال اُلجھ کر نمدہ ہو گئے ہیں کس کو دماغ ہی کہ کنگھی کرے معلوم ہی کہ کپڑے میلے چکٹ ہو رہے ہیں مگر بدلتے ہوئے آلکسی آتی ہی چیز بے ٹھکانے پڑی ہی زبان کون ہلائے کہ اُس کو موقع سے رکھو۔ سفید چاندنی دھبے پڑ پڑ کر جاجم بن گئی ہی نوکروں کو توفیق نہیں کہ بدلیں میاں کو خیال نہیں کہ بدلوائیں گھوڑا نسل ولایتی جس پر مکھی پھسلتی تھی پٹھوں پر نالی پڑی ہوئی سواری جو ہوئی موقوف تھان پر بندھے بندھے پانچوں عیب نکال لایا بادی نے آ دبایا مالش میں ہوئی کمی اور دانے میں ہوئی چوری تھوڑے دن میں پر تل کا ٹٹو معلوم ہونے لگا۔ سیکڑوں روپے کا اسباب صرف غور اور پرداخت کے نہ ہونے سے کوڑے کی طرح بے قیمت ہو گیا۔ غرض وہ جو لوگ کہاوت کہتے ہیں کہ دو مُلا میں مرغی حرام۔ دو بیبیوں کی کشمکش میں گھر کی مٹی ایسی پلید ہوئی کہ باہر سے لیکر اندر تک نکبت اور مفلسی اور بے رونقی چھا گئی۔ ایک مدت تک غیرت بیگم کی طرف سے انواع اقسام کے ظلم ہر یالی پر ہوتے رہے اور بدلہ لینا کیسا اُس کی اتنی مجال نہ تھی کہ اُف کرے نام لے لیکر پکار پکار کر سُنا سُنا کر گالیوں کی بوچھاڑ برسا رکھی ہی اور کوسنوں کا تار باندھ دیا ہی اور دم بخود مگر کتنا صبر کہاں تک برداشت آخر اُس کا منہ کُھلا تو ایسا کُھلا کہ لوگوں نے اپنے اپنے

کان بند کر لیئے۔ برکت۔ رونق۔ فراغت۔ عافیت۔ محبت۔ مروت۔ سب کچھ غارت ہو ہوا کر
ایک آبرو وہ بھی محلے والوں کی نظروں میں باقی رہی تھی ہر وقت کی ٹھکا فضیحت میں وہ
بھی گئی گزری ہوئی۔ کمبختیں اس بیہودگی کے ساتھ آپس میں لڑتی تھیں کہ کنجڑنوں
قصائنوں کو مات کر دیا تھا اور دھوبنوں بھٹیاریوں کو شرمندہ۔ غیرت بیگم تو کسی کے
قابو کی تھی نہیں مگر ہاں ہریالی کو اگر مبتلا منع کر دیتا تو وہ بیشک باز آجاتی پر غیرت بیگم کی
طرف سے مبتلا کو ایسے ایسے رنج پہنچے تھے کہ روکنا کیسا وہ تو کبھی کبھی ہریالی کو اور شہ دیتا تھا لگ
دے دے کر اس کی آڑ میں اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑ لیتا تھا۔ ان لوگوں
میں جو باہمی رنجشیں اور عداوتیں تھیں پہلے چند روز تک دلوں میں رہیں بڑھتے
بڑھتے دلوں سے منہ تک آئیں اب اور زیادہ ہوئیں تو پھوٹ کر ایسی بہیں جیسے
کوہ آتش فشاں کا ملغوبہ آگے آگے آپ اور پیچھے پیچھے تباہی اور بربادی :-

تیئیسویں فصل ہریالی کا امیدسے ہونا غیرت بیگم کا اس بات کو جاننا اور اپنی ماما خاتون سے اس کو سنکھیا دلوانا مقدمے کا کوتوالی میں دائر ہونا۔ اور آخر کار ناظر کی تدبیر سے دب جانا مگر مبتلا کا ولہ نکالنا

اتفاق سے ہریالی بڑی بیمار شاموں شام سردھویا سہری کھائی زکام ہوا بخار آنے لگا
چندروز کچھ دھیان نہ کیا بخار تھا کہ چمچڑ ہو گیا۔ بلکہ ذرا ذرا کھانسی کی بھی دھسک شروع
ہو گئی معمولی طور پر حکیموں کے علاج کئے منضج ہوئے مسہل ہوئے بخار رہے
کہ جنبش نہیں کھاتا کھانسی کو اتنا آرام ہوا سمجھو کہ سوکھی سے تر ہو گئی ایک دن بلغم

میں کچھ سُرخی کی سی جھلک دکھائی دی تو تردد ہوا اور تردد کی بات ہی تھی خیال کیا کہ
پان کی سُرخی ہوگی مگر پھر ثابت ہوا کہ نہیں خون کی ہے تب تو مبتلا بہت گھبرایا عزت بیگم
کے ہاتھوں سے تو اس کو ایسی ایسی ایذائیں پہنچی تھیں کہ اُس کے نام سے اس کا دل
بے زار تھا اس کو تھوڑی یا بہت جو کچھ دل بستگی تھی ہریالی کے ساتھ تھی اب جو
اس کو خون تھوکتے دیکھا قریب تھا کہ سودائی ہو جائے۔ شبہہ تو بہت دنوں سے
تھا کہ ایسا نہ ہو کہیں عزت بیگم نے کچھ کر کرا دیا ہو کھانسی کے ساتھ خون کا آنا تھا کہ یقین
کیا حق الیقین ہو گیا کہ عزت بیگم نے پون بٹھائی۔ خدانخواستہ ایسا تو برا نا بخار بھی نہیں
کہ سل ہونے کا اندیشہ ہو ڈھونڈ ڈھونڈ کر سیانے اور بھگت بلائے آتے سب نے اپنے
اپنے جادو چلائے مگر کمبخت پون کی کچھ اصل جادو کی کچھ حقیقت ہو تو روگ میں کمی مرض
میں خفت ہو خبط کے جادو وہم کی پون اس کو اتارے کون۔ ہریالی کا حال بہت پتلا
ہوتا چلا آخر کسی نے صلاح دی کہ سب کچھ تو کر چکے ذرا ڈاکٹر چنبیلی کو بھی تو ایک
نظر دکھاؤ۔ ڈاکٹر چنبیلی کا نام اصل میں مِس بیلی تھا ولایت سے نئی آئی ہوئی تھی
۔اس نے نواب اقتدارالدولہ بہادر کے محل میں ایک بڑے معرکے کا علاج کیا تب
ی سے شہر میں اسکی بڑی شہرت ہوئی نواب صاحب کی محلسرا میں اس کو چنبیلی چنبیلی
ارتے تھے وہاں کی سُنی سنائی اور لوگ بھی چنبیلی کہنے لگے دایہ گری کے فن میں نہایت
تجربہ کار اور مشاق تھی اور خود مبتلا کے گھر میں معصوم اور بتول دونوں کے ہونے میں بلائی
جا چکی تھی ہریالی اور ہریالی کے بیمار دار کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ
لی کی حالت ڈاکٹر چنبیلی کے علاج کی متقاضی ہے۔ ڈاکٹر چنبیلی کو جب بلا وا گیا تو غیر بیگم
ہو کر معرفت سابقہ کے لحاظ سے بلا عذر بہت خوشی کے ساتھ فوراً چلی آئی۔ اُس کو

یہاں آکر معلوم ہوا کہ مبتلا نے دوسری بی بی کی ہے۔ اس نے بیمار کو دیکھا تو سہی مگر مبتلا سے کہا کہ مجھ سے اور غیرت بیگم سے دوستی یا بہناپا تو نہیں ہے پر تم کو معلوم ہے کہ ان کے دو بچوں کے ہونے میں میں نے اُن کی خبرگیری کی ہے تو تمہاری اس بی بی کا علاج کرنے کو میرا جی نہیں چاہتا اس کو میں خلافِ مروّت سمجھتی ہوں اور میرے علاج کی چنداں ضرورت بھی نہیں جس حکیم کا علاج کرتے ہو اُن کو صرف اتنا اشارہ کر دینا کہ دو جانوں کی رعایت سے علاج کریں۔ اتنا کہہ کر ڈاکٹر جنبیلی غیرت بیگم کی طرف گئی معصوم اور بتول دونوں کو گود میں لے کر پیار کیا پھر غیرت بیگم سے بولی کہ اگر میں دوسرے گھر میں نہ بلائی گئی ہوتی تو میں تم سے پوچھتی کہ اس قدر دبلی کیوں ہو ہم لوگوں میں مرد دوسری بی بی نہیں کر سکتے اور مرد اور عورت دونوں کے حقوق کو تولا جائے تو شاید عورت ہی کا پلّہ جھکتا ہوا رہے گا پھر بھی مرد اور عورت کا تعلق اس قسم کا ہے کہ بیاہ ہو جانے سے عورت مرد کے بس میں آجاتی ہے یہی سمجھ کر میں نے اپنا بیاہ نہیں کیا اور کرنیکا ارادہ بھی نہیں میں تمہاری حالت پر افسوس کرتی ہوں اور اُس سے زیادہ افسوس اس مجبوری کا ہے کہ مدد کرنے کی جگہ نہیں لیکن اگر کبھی میرا کام آپڑے تو ضرور مجھ کو یاد کرنا۔ غیرت بیگم نے اگرچہ دیہات میں پرورش پائی تھی پر وہ اتنی بھی بے تمیز نہ تھی کہ جنبیلی کے آنے کا اُس کی محبت کا مروّت کا ہمدردی کا شکریہ ادا نہ کرتی مگر سوکن کے جھگڑے میں اُس کو کسی چیز کی سُدھ بُدھ نہ تھی جنبیلی اُس سے بات کر رہی تھی اور یہ اس فکر میں تھی کہ کب چُپ کرے اور میں سوکن کا حال پوچھوں۔ غرض غیرت بیگم نے چھوٹتے ہی پوچھا کہو کیا دیکھا جنبیلی بولی حکیم کو دھوکا ہوا اس نے پہچانا نہیں کہ یہ عورت چار مہینے ہوئے دوجی سے بیٹھی ہے میں نے تمہارے میاں کو جتا تو دیا ہے اب بھی

اگر سمجھ بوجھ کر علاج ہوگا تو بچے کو تو میں نہیں کہہ سکتی کیونکہ اُدھر تو ہوئے جلاب اور
اِدھر بخار کی وجہ سے ملیں اوپر تلے ٹھنڈی ٹھنڈی دوائیں بچے کو سردی نے
پکڑ لیا مگر احتیاط کی جائے تو میرے نزدیک بچے والی کو ابھی تک کچھ بڑی جوکھوں
نہیں ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ آدمی فربہ شود از راہِ گوش۔ ہریالی نے جو سنا تو
اُس کے دل کو اس قدر تقویت پہنچی کہ کیسی دوا اور کس کا علاج گھڑیوں اُس کا مزاج
خود بخود بحال ہوتا چلا یہاں تک کہ یا تو آپ سے کروٹ نہیں بدل سکتی تھی یا ایک
ہی ہفتے میں چلنے پھرنے لگی۔ یہ تو اٹھ کھڑی ہوئی اور اُس کی جگہ اب غیرت بیگم
پڑی۔ غیرت بیگم کا سارا غرور سارا گھمنڈ سارا ناز بے جا اولاد کے بِرتے پر تھا اب جو اس
نے دیکھا کہ سوکن نے اس میں بھی ساجھا لڑایا تو حقیقت میں اُس کی کمر ٹوٹ گئی اور
سمجھی کہ بس اب ہریالی کے مقابلے میں نہیں بنتی اُس کو اس بات کی بڑی تسلی تھی کہ
ہریالی لاکھ میاں کی پیاری کیوں نہ ہو مگر آخر ہے تو بے اولاد نہ کوئی نام کا لینے والا نہ
پانی کا دینے والا کھالے جتنا اُس کی تقدیر میں ہے اور پہن لے جس قدر اُس کے نصیب
میں ہے پھر میں ہوں تو میں اور نہیں تو اللہ رکھے اور پروان چڑھائے میری اولاد اُس
خیال سے کبھی اُس نے سوکن کو سوکن مانا ہی نہیں اب البتہ اس کو سوکن کی حقیقت
کھلی اور آدھی اور ساری کا سوچ پیدا ہوا جنبلی ایسا کوئی دو تین گھڑی دن چڑھے
چڑھتے آئی تھی اُس کے گئے پیچھے سے جو غیرت بیگم گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھی تو
دوپہر ڈھلتے ڈھل گئی مگر اللہ کی بندی نے گردن اونچی نہ کی۔ دو تین بار کھانے
کی اطلاع ہوئی مگر اس نے یہی کہہ دیا کہ مجھے بھوک نہیں۔ اس کے گھر میں ایک
بہت پرانی نوکر تھی خاتون وہ گھر کی داروغہ تو نہ تھی مگر کبر سنی اور قدیم الخدمتی

اور ہوشیاری اور سلیقے کی وجہ سے گھر کے نوکروں میں سب سے سربرآوردہ تھی۔ غیرت بیگم کو اُس سے مانوس ہونے کا ایک سبب خاص یہ بھی تھا کہ جس طرح مبتلا نے غیرت بیگم پر سوکن کی اِسی طرح خاتون پر بھی اُس کے میاں نے سوکن کی تھی غیرت بیگم کا تو ایسی باتوں میں بہت جی لگتا تھا خاتون گھڑیوں اپنی سوکن کی باتیں کرتی اور غیرت بیگم کُرید کُرید کر پوچھتی اور ایک ایک بات کو بار بار کھلواتی۔ پس خاتون نوکر کی نوکر تھی قصہ خوان کی قصہ خوان اور بیوی کی ہم درد۔ جب خاتون نے دیکھا کہ جس گھڑی سے چنبیلی آئی بیوی کچھ ایسی سوچ میں گئی ہیں کہ پان تک نہیں کھایا کھانے کا وقت بھی ٹل گیا تو اُس نے قریب جا کر پوچھا کہ بیوی آج جو تم اس قدر اُداس بیٹھی ہو اس کا سبب کیا ہے۔ غیرت بیگم۔ تم نے نہیں سُنا کہ بے غیرت کے یہاں بال بچّہ ہونے والا ہے ابھی اس نے کیا اُٹھا رکھا ہے بال بچہ ہوئے پیچھے تو مجھ کو اس گھر میں کھڑا پانی بھی نہیں پینے دیگی۔ خاتون۔ بال بچّہ ہونیوالا ہوتا تو حکیم کیا ایسے اندھے ہیں جُلّابوں پر جُلّاب کیوں دیتے۔ غیرت بیگم۔ حکیموں کو دھوکا ہوا اُنہوں نے جانا ٹھنڈی دوائیں دی جا رہی ہیں پیٹ میں بادی بھر گئی ہے اب چنبیلی نے دیکھا تو بتایا۔ کیوں خاتون بی میں تو سنتی تھی کنچنیوں کے اولاد نہیں ہوتی کیا میری ہی تقدیر پر ایسے پتھر پڑے تھے کہ مجھ پر کنچنی بھی آئی تو آتے دیر نہ ہو اور ماں بن جائے۔ خاتون۔ نہیں بیوی کون کہتا ہے کہ کنچنیوں کے اولاد نہیں ہوتی ہوتی ہے اور نہیں بھی ہوتی کیا تم بھول گئیں میری سوکن کون تھی اصل نسل کی کنچنی جب میرا میاں اس کو لایا تو خدا جانے نامرادیں مردوں کی آنکھوں میں کیا ٹھیکری ڈال دیتی ہیں وہ جانتا تھا کہ سترہ اُٹھارہ برس کی لڑکی ہے پیچھے معلوم ہوا کہ چاؔ

بچّوں کی ماں تو وہ اُس وقت تھی اور ہمارے یہاں تو بیوی پانچ برس وہ جی میری آتی
رُوک ٹوک پر سات یا آٹھ دفعہ اُس نے تیاری کی مگر واہ ری چنیا دائی ہو تو ایسی ہو کبھی
چوتھا نہ لگنے دیا۔ غیرت بیگم۔ وہ چنیا اب ہے۔ خاتون۔ مدتیں ہوئیں مَر کھپ گئی ستر بہتر
برس کی تو وہ میری سوکن کے وقت میں تھی غیرت بیگم۔ پھر خاتون کوئی ویسی ہی تدبیر
یہاں نہیں کرتیں۔ خاتون۔ بیوی تمہارے یہاں اُفتاد دوسرے طور کی ہے ہم تو غریب
آدمی اب بھی ہیں اور تب بھی تھے میاں سات روپے مہینے پر ایک عطار کی دکان
پر بیٹھتا تھا سامنے تھا اس بیوا کا کوٹھا آدمی تھا وہ بھی طرح دار یہ نامُراد اس کے
سر ہوئی میں بارہ آنے مہینے کرایے پر دیا بیگ خاں کے کٹڑے میں رہتی
تھی ذرا سا مکان میرے اکیلے دم کا اس میں مشکل سے گذر ہوتا تھا سوکن صاحب
جو آئیں بس میری گود میں بیٹھیں مَردوا کمبخت اس طرح کا ظالم کہ گالی دے بیٹھنا
اس کے آگے ایک بات اور بات بات میں مُکّا اور لات اگر وہ کبھی مجھ کو اور سوکن کو
آپس میں لڑتے دیکھ پائے تو دونوں کے ڈنڈے لگاتے۔ سو بیوی اپنی عزت
اپنے ہاتھ میں لئے توچوں نہیں کی اور ظاہر میں سوکن سے ایسی گُھلی ملی رہی جیسے
سگی بہن پر دل سے تو وہ میری جان کی دشمن تھی اور میں اس کی ایک جگہ کے رہنے
سہنے اور ظاہر کے میل ملاپ سے ایک یہ فائدہ تو تھا کہ میں جو چاہتی تھی سو کر گذرتی تھی
اور اس کو یا مردوے کو شبہ نہیں ہونے پاتا تھا۔ تمہارے یہاں بیوی اوّل دن
سے کُھلم کُھلا بگاڑ پڑے ہوئے ہیں ایسی جگہ کوئی تدبیر چلنی ذرا مشکل ہے نہیں تو کیا
بڑی بات تھی چنیا نہیں چنیا کی بہنیں اور بہتیری آور دائی کا بھی اس میں کیا کام ایک
سے ایک دوا مجھ کو ایسی معلوم ہے کہ چٹکی بجاتے میں کھڑا کھٹکا نہ کیا ہے۔ غیرت بیگم

اُے ہے اچھی میری خاتون ایسی کوئی دوا ہو تو ضرور مجھ کو بتاؤ۔ خاتون۔ دوائیں تو بہت پڑ کاڑھے ہیں پینے کے کچھ لیپ ہیں لگانے کے آج کو دوا یہاں بنتی چھنتی ہوتی تو کچھ بھی مشکل نہ تھا دوا تو بناتے ہیں اپنے ہاتھوں سے میاں کوئی کرے تو کیا کرے۔ غیرت بیگم۔ پھر تم ہی کچھ تدبیر نکالو گی تو نکلے گی ورنہ میں تو اپنی جان پر کھیلے بیٹھی ہوں اور یہی بات اس وقت میں سوچ بھی رہی تھی خدا مجھ کو تو اُس دن کے واسطے نہ رکھے ہائے کن آنکھوں سے دیکھوں گی کہ اُس کے بچے کھیلتے پھریں اور کن کانوں سے سنوں گی کہ وہ اماں پکاری جائے تم سے کچھ ہو سکتا ہو تو کرو نہیں تو تم اکیلی کیا دنیا دیکھ لے گی کہ جلا ہوا دل بہت بُرا ہوتا ہے اور کسی پر زور نہیں چلتا اپنی جان تو اپنے بس کی ہے جان جائے گی بلا سے۔ غیرت میرا نام ہی نام کے پیچھے جان دوں تو سہی خاتون۔ بیوی خدا کے واسطے تم ایسی ایسی باتیں میرے سامنے تو کرو مت سُن سُن کر میرے تو ہوش اُڑے جاتے ہیں جان سی چیز کہاں پائیے تم اپنے ننھے ننھے بچوں کا منہ کرو۔ خدا تمہاری سلامتی میں ان کو پروان چڑھائے الٰہی تم کو اِن کی بہاریں دیکھنی نصیب۔ اور قربان کی وہ نامراد سوکن خدا چاہے گا تو وہی نہ رہے گی ہراساں ہو تمہاری بلا اور غم کرے تمہاری پاپوش جب خدا نہ کرے تمہاری ہی جان پر آ بنے گی تو ہم پڑے ہیں بندے جو تمہاری جوتیوں سے لگے ہیں کیا منہ دیکھنے کے واسطے ہیں پہلے ہم سب تم پر سے تصدق ہو لیں گے تب جو بات سو بات۔ پر بیوی جو بات تم چاہتی ہو جان جوکھوں کا کام ہے پہلے اپنی جان سے ہاتھ دھو لے تو اس کا بیڑا اُٹھائے پھر اس کو چاہیئے آدمی دل کا پکا پیٹ کا گہرا بھروسے کا پورا کہ خدا نخواستہ کل کلاں کو کچھ ایسی ویسی ہو تو اپنے اوپر جھیل لے جائے اور مالک کو بال بال بچائے سو تمہارے گھر میں تو میں

اس ڈھب کا کسی کو نہیں پاتی چھوکریاں ہیں چھچھوری کہ آدھی بات سُن پائیں تو ایک ایک کی چار چار دل سے بنائیں اور سارے محلّے میں دُھوم مچائیں رہ گئیں ماما ئیں نوکریں تو ہر کسی سے کہتے جی لرزتا ہے اور مجھ اکیلی سے سارا سرانجام ہو نہیں سکتا ایک میرا بھانجا ہے جو میر میاں کی جگہ عطار کی دکان پر نوکر ہے اگر وہ گنٹھ جائے تو بس سارے کام آسان ہیں دیکھو میں اُس سے ذکر کرونگی پر بیوی تم اپنی جگہ بھی سمجھ لو میری تو اگر جان بھی تمہارے کام آجائے تو دریغ نہیں میں نے تمہارا نمک کھایا ہے اور میں اب دنیا میں جی کر بھی کیا کروں گی بہتیرا جی چکی پر میرا بھانجا بال بچّہ دار آدمی ہے عمر بھی کچھ اس کی ایسی بہت نہیں اس کو تو کچھ ایسا ہی بھاری لالچ دیا جائیگا تو شاید وہ اس کام میں ہاتھ ڈالے تو ڈالے۔ غیرت بیگم۔ مجھ کو تو اگر کوئی کھڑا کر کے بیچ لے تو بھی عذر نہیں پر کسی طرح اِس عذاب سے چھُٹکارا ہو۔ خاتون۔ بیوی دیکھو خبردار میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو نہیں تو سارے گھر پر آفت آجائے گی۔ غیرت بیگم۔ خیر خیر مناؤ تم نے کیا مجھ کو ایسا نادان سمجھ لیا ہے میں خود سمجھتی ہوں کہ بڑے اندیشے کی بات ہے مجھ کو اپنے دونوں بچّوں کی جان کی قسم کیا مجال کہ مُنہ تک بات آجائے۔ خاتون۔ بس تو بات کو اپنے ہی تک رہنے دو جب سب ٹھیک ٹھاک ہو جائیگا تو میں تم کو آپ خبر کر دوں گی اور میں تم کو یہی صلاح دیتی کہ مل جاؤ کیونکہ ملاپ میں خوب کام نکلتا ہے مگر ملو نہیں تو یہ ہر وقت کا جھگڑا بکھیڑا تو موقوف کر دو ورنہ کرے گا کالا چور اور پکڑے جائیں گے تمھارے دشمن بُرا چاہنے والے خاتون کے سمجھانے بجھانے سے غیرت بیگم نے باوجودیکہ نا وقت ہو گیا تھا منگوا کر کھانا کھایا اور وہ جو سارے سارے دن ہرپالی کا جھگڑا لگا رہتا تھا وہ

بھی بند ہوا۔ آدمی لاکھ چھپائے پر دل کی کپٹ بے ظاہر ہوئے نہیں رہتی لوگ چوری یا
دوسرے جرموں کے مرتکب ہوتے ہیں اپنے پندار میں بڑی بڑی پیش بندیاں کرتے ہیں
اور آخر کو وہی پیش بندیاں اُن کو رسوا اور فضیحت کراتی ہیں۔ یا تو تمام تمام دن دونوں
سوکنوں کی لڑائی کا ایک غل پڑا رہتا تھا یا ایک دم سے ہو استاٹا تو غیرت بگیم اور خاتون
کے سوائے سبھی کو حیرت تھی کہ دلوں میں ایسی کیا نیکی خدا نے ڈالی کہ آپسے آپ لڑتے
لڑتے رُک گئیں۔ باوجودے کہ خاتون نے سمجھا دیا تھا کہ جب سب ٹھیک ٹھاک ہو جائیگا
تو میں تم کو خبر کر دوں گی مگر غیرت بگیم کو اتنا صبر کہاں تھا اُس نے تو اگلے ہی دن سے
خاتون کی جان کھانی شروع کر دی۔ کیوں بی آب کب ہوگا کیا دیر ہے۔ کاہے کا انتظار
ہے۔ آئے ہے کبھی ہو بھی چکے گا یا نہیں بس اب خاک ہوگا۔ تم کو نہیں کرنا منظور
تھا تو مجھ کو آس کیوں دی تھی شیخی سے سوم کھلا جو نُرت دے جواب۔ آخر جب تقاضا
حد سے گزر گیا تو ایک دن خاتون نے کہا لو بیوی خدا نے مجھکو تم سے سُرخ رُو کیا
اب کہیں اتنے دنوں میں جاکر بڑی مشکل سے معاملہ طے ہوا میں تو سمجھتی تھی خدا
جانے سرے سے ہامی بھی بھرے یا نہ بھرے اور بھرے تو دس ہزار مانگے یا
پندرہ ہزار مانگے پر ماشاءاللہ قسمت تمہاری بڑی زبردست ہے سستا چک گیا ایک
ہزار روپیہ پہلے اور پھر چُپ چُپاتے خاطر خواہ کام ہوئے پیچھے ایک ہزار اور اور جو
خدا نکرسے کہیں کھُل کھُلا پڑے تو دو ہزار۔ غیرت بگیم تو کہہ ہی چکی تھی اگر مجھکو کوئی
کھڑا کر کے بیچ ڈالے تو بھی عذر نہیں سنتے کے ساتھ لگی ہاتھوں سے سونے کے ٹھوس
کڑوں کی جوڑی اُتارنے کو اتنے میں خاتون بولی بیوی کڑے مت دو میراجی کڑھتا
ہے ننگے ہاتھ بڑے لگیں گے اور لوگوں میں بھی پرچول پڑے گی بلکہ جتنا گہنا تم پہنے

رہتی ہو اس میں سے کچھ بھی مت دو غرض جس جس طرح خاتون کہتی گئی کچھ نقد وجنس ملا کر ہزار پورے کر اس کے پلے باندھے۔ ہزار معجّل اور ہزار موجّل کے بدلے خاتون نے یہ کار نمایاں کیا کہ چوہوں کے بہانے سے تھوڑی سنکھیا بھانجے سے مانگ لائی دونوں گھروں میں دودھ کا راتب بندھا ہوا تھا گھوسن بڑے سویرے آتی اور سب سے پہلے یہیں کا راتب لاتی۔ خاتون اندھیرے مُنہ اٹھ مردانے میں جا بیٹھی جوں گھوسن نے پاؤں اندر رکھا کہ خاتون نے اُس سے لڑنا شروع کیا کہ ساری دنیا میں حلوائی ہوئے گھوسی ہوئے دودھ میں پانی ملاتے ہیں یہ کہیں سے بے چاری انوکھی گھوسن نکلی کہ پانی میں دودھ ملا کر لاتی ہے برسوں کھیر پکی کسی نے منہ پر نہیں رکھی کل جوں چاہا کہ سویّوں میں ڈالیں نیلا نیلا نسوت پانی۔ ہر روز بیوی کو ہم لوگوں پر خفا کرواتی ہے لا تیری ہنڈیا بیوی کو لے جا کر دکھاؤں تب تو انہیں یقین آئیگا غرض زبردستی گھوسن کے ہاتھ سے ہنڈیا چھین ڈیوڑھی میں لے گھسی اور سنکھیا کی پڑیا دودھ میں گھول ہنڈیا گھوسن کو پھیر دی کہ بیوی کہتی ہیں میرے پاس حرام کا پیسا نہیں ہے جا دور ہو اب سے گھر دودھ نہ لانا۔ برسوں کی لگی ہوئی گھوسن اور روز کا راتب اس طرح ملونی کرتی تو اتنی مدت کیونکر نبھتی بے چاری رونکھی اور کھسیانی ہو کر خاتون کا مُنہ دیکھنے لگی اور چھوٹے گھر کی ماما کو آواز دے بھری ہنڈیا اس کے حوالے کی کہ بڑی بی بی نے تو آج کئی برس کے بعد جواب دیا چھوٹی بی بی بھی اگر دوسری گھوسن لگا لیں تو میری ہر روز صبح سویرے کی اتنی دور کی رٹ بچے۔ ہریالی نے دیکھا تو دودھ ہر روز جیسا گاڑھا اور چکنا اس کے جی میں آ گیا کہ میاں کئی بار فیرینی کی فرمائش بھی کر چکے ہیں لاؤ آج قلفیاں جما دیں

سالے کا سارا دودھ لے لیا جب دودھ لے چکی تب اس کو خیال آیا کہ آج تو بڑے
گھر کی باری ہے ماما سے کہا دیکھو تو کیا مجھ سے بھول ہوئی بڑے گھر کی باری کا خیال
نہ رہا اور فیرنی کے لئے اتنا سارا دودھ لے بیٹھی اب کیا کروں ماما نے کہا مضائقہ
کیا ہے جاڑے کے دن ہیں اس وقت کی جمی ہوئی باسی قلفیاں تو کل تک ٹھنڈی
ٹھنڈی اور بھی مزے کی ہونگی۔ غرض فیرنی پکا قلفیاں بھرا الماری میں رکھ اوپر
سے قفل لگا دیا۔ جن لوگوں کے بال بچے نہیں ہوتے جی بہلانے کو اکثر جانور
پال لیا کرتے ہیں۔ ہر مالی نے بھی طوطا اور مینا اور بلّی اور کبوتر اور مرغیاں بہت سے
جانور پال رکھے تھے اچھا ایک پیالہ بھر کر فیرنی ان جانوروں کے لئے الگ نکال کر
تھوڑی ماما کے لئے دیگچی میں لگی چھوڑ دی تھی۔ دو سیر دودھ اوٹا کر پاؤ بھر چاول
برابر کی کھانڈ فیرنی کا ہے کو تھی اچھا خاصہ کھویا کہنا چاہیئے۔ جس نے پائی خوب
مزے سے کھائی دو گھنٹے نہیں گذرنے پائے تھے کہ سب سے پہلے میاں مٹھو
ٹیں ہوئے پھر تو باری باری سے اوپر سوپر کوئی جلدی کوئی دیر مینا لنگڑی بلّی
بولائی کبوتر چکرائے مرغیاں اونگھنے لگیں ماما رے قے   اور دستوں
کے بدحواس ہو گئی ڈولی میں لاد اس کے گھر پہنچوایا۔ اس کا بیٹا تھانے میں نوکر
تھا سنتے کے ساتھ بھاگا ہوا آیا ماں کو دیکھا تو آدمی کو نہیں پہچانتی تھی نیم جان کو
اٹھا کر ہسپتال لے گیا ڈاکٹر نے پچکاری سے پیٹ صاف کیا پانی جو پیٹ میں سے
نکلا تھوڑے سے میں کوئی دوا ڈال کر دیکھا تو سنکھیا تھی آخر ڈاکٹر نے سوچ سوچ کر یہ کہا کہ ہم
نہیں بتا سکتے کہ اس نے کتنی سنکھیا کھائی اور ٹھیک کس وقت کھائی لیکن جس قدر اس
کے پیٹ میں سے نکلی ہے اگر اتنی بھی ہضم ہو کر خون میں مل گئی ہوگی تو قاعدے کی رو سے

اس کو مرنا نہیں چاہیئے۔ غرض سنکھیا کے توڑ کا جو تریاق انگریزوں کے یہاں ہوتا ہوگا اوپر تلے دینا شروع کیا۔ اگلے دن صبح ہوتے ہوتے بیمار کی طبیعت کچھ سنبھلی آخر لوٹ پیٹ کر اچھی تو ہوئی مگر کچھ ایسا روگ لگ گیا کہ جب تک زندہ رہی مارے دھڑکن کے بے چاری کو ساری ساری رات بیٹھے گزر جاتی تھی۔ اُدھر ہریالی کے یہاں جس جس جانور نے ذرا سی فیرینی کھائی سبھی کی تو موت آئی ہریالی اپنے اس کنبے کے سوگ میں تھی کہ کوئی چار گھڑی دن رہتے رہتے تو کوتوالی کے لوگ مردانے میں آ ابھرے پکڑ دھکڑ ہونے لگی فیرینی کی قلفیاں اور مرے ہوئے جانوروں کی لاشیں کوتوالی والوں نے فوراً ہسپتال کو ڈاکٹر کے پاس چلتی کیں اور لگے اپنے دستور کے مطابق ایک ایک کو الگ لے جا لے جا کر پوچھ گچھ کرنے غرض چھے گھڑی رات کی توپ نہیں چلی تھی کہ کوتوالی والوں نے سارا مقدمہ مرتّب کر لیا محلے والوں نے اظہار دیئے کہ دونوں گھروں میں ہر وقت کو سم کا تار رہا کرتی تھی اب ہفتے عشرے سے اَمن ہے۔ گھوسن نے بیان کیا کہ میں مدت سے دونوں گھروں میں دودھ کا راتب لاتی ہوں کبھی کسی نے دودھ کو بُرا نہیں بتایا کل خاتون نے پہلے پہل مجھ سے کہا کہ تیرے دودھ میں ملونی ہوتی ہے اور ہنڈیا میرے ہاتھ سے لے ڈیوڑھی میں گھس گئی اور پھر اُلٹے پاؤں ہنڈیا لے کر باہر آئی کہ بیوی نہیں لیتیں میں نے وہی ہنڈیا جوں کے توں چھوٹے گھر میں بھیج دی دونوں گھروں کی ماماؤں نے ایک زبان گواہی دی کہ گھوسن نے دودھ کبھی بُرا نہیں دیا حکیم عطار نے تصدیق کی کہ میری دکان پر خاتون کا بھانجا بیٹھتا ہے اور جس وقت میں دکان پر نہیں ہوتا وہی بیچتا کھوچتا ہے اور میری دکان میں سنکھیا بھی رہتی ہے مگر میری سخت تاکید ہے

لہ حکیم ...

کہ دیکھو سنکھیا۔ کچلا۔ جمال گوٹا۔ شنجرف۔ ہڑتال۔ بچھناگ۔ دھتورا۔ اس قسم کی چیزیں
اَن جان آدمی کے ہاتھ مت بیچنا۔ اُن چیزوں کی فروخت کا حساب کتاب میں کیا
شہر میں کوئی عطار بھی نہیں رکھتا۔ خاتون کے بھانجے کو بلوایا بہتیرا ڈھونڈا
اتفاق سے اس وقت نہیں ملا بلکہ کوتوالی والوں کو شبہہ ہوا کہ کہیں خبر پاکر روپوش تو
نہیں ہوگیا۔ پس اسی کے آنے کی کسر رہ گئی ورنہ مقدمہ اسی وقت لکھا پڑھی ہو کر
چالان ہو جاتا۔ گھر کے نوکروں میں خاتون ذرا سب سے زیادہ معزز تھی اور ڈیوڑھی
تک بھی بہت ہی کم آتی جاتی تھی کوتوالی والوں کو ہوا تامل کہ اس کو دوسرے
نوکروں کی طرح باہر بلوائیں یا آپ ڈیوڑھی کے پاس جاکر اُس سے پوچھ پاچھ کریں
اتنے میں تو سید ناظر خبر پاکر آموجود ہوئے اگر ناظر ذری دیر اور نہ آتے تو خاتون
کی کیا اصل تھی کوتوالی والے تو اُس کے اچھے سے قبول کروا لیتے بلکہ وہ تو اس
فکر میں تھے کہ اپنی طرف سے کسی عورت کو اندر بھیجکر خود بیگم صاحب کی مزاج پرسی
کریں۔ ناظر کا آنا تھا کہ مقدمے کا رنگ بدل گیا کوتوال نے مناسب سمجھا کہ رات
گئی ہے زیادہ اس وقت تحقیقات کو ملتوی کیا جائے فیرینی کی تلفیاں اور مرے ہوئے
جانوروں کی لاشیں یہی دو بڑے ثبوت تھے سو دونوں ہمارے ہاتھ میں ہیں اب
ناظر نہیں ناظر کے باپ بھی قبر سے اُٹھ کر آئیں تو کیا کرلیں گے ماما کے پیٹ میں سے
سنکھیا نکل چکی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ اتنے سارے جانور سب سنکھیا سے
مرے اور فیرینی میں سنکھیا موجود اب رہ گئی یہ بات کہ سنکھیا دی تو کس نے دی سو نہ
دونوں سوکنوں سے انکار ہو سکتا ہے اور نہ دونوں کی عداوت سے۔ زہر خورانی کا مقدمہ
اس سے زیادہ اور کیا صاف ہوگا۔ صاحب مجسٹریٹ کو توالی کے چالان

کئے ہوئے مجرم اکثر چھوڑ دیا کرتے ہیں اور اُن کو کوتوال کے ساتھ خدا واسطے ایک
ضد سی آپڑی ہی لیکن اگر اس مقدمے کو بگاڑا تو حلم کی قسم صاحب سپرنٹنڈنٹ کو سمجھا کر
صدر کو ایسی رپورٹ کراؤں کہ جواب دیتے نہ بن پڑے اور میاں ناظر کو بھی وکالت کا
بڑا گھمنڈ ہے بڑی مدت میں اونٹ پہاڑ کے تلے آیا ہے دیکھیں تو اب ہائیکورٹ
کی کون سی نظیر پیش کرکے بہن کو بچاتے ہیں۔ غرض کوتوال خاتون کو ناظر کے سپرد
کر حوالہ نامہ لکھوا گھوسن کو ساتھ لے چلتا ہوا اور سیدھا پہنچا صاحب سپرنٹنڈنٹ
کے پاس اور اُن کو مقدمے کی روداد سمجھا کر کہا کہ مقدمہ ہے سنگین اور مجرم عورتیں
پردہ نشین سیّد ناظر وکیل کا نام حضور نے سُنا ہوگا اصل میں اُن کی بہن نے سوکن
کو زہر دلوایا مگر وہ اتفاق سے بچ گئی کل حضور بھی موقع واردات تک چلیں
ورنہ وکیل صاحب بڑے شورہ پشت اور ثقہ بدمعاش ہیں ہم لوگوں کے تو بو
میں آنے والی اسامی نہیں۔ اِدھر ناظر بہن پاس گیا تو دیکھا کہ مارے ہول
کے دست پر دست چلے آرہے ہیں دیکھتے کے ساتھ ہوش ہی تو خطا ہوگئے اور
سمجھا سب سے بڑا ثبوت تو خود اِن کی حالت ہے، آخر بہن سے اتنا کہا کہ بڑے بھائی نے
تم کو اس قدر ڈرا دھمکا دیا تھا مگر تم نے نہ مانا اور دل کی بودی طبیعت کی کچی ہمت
کی ہیٹی تھیں تو ایسے کام پر تم کو جرأت کیونکر ہوئی بس اب تین پہر رات اور گزر گئی
ہوئی اور تمہاری ڈولی کوتوالی چلی۔ بھائی کے منہ سے اتنی بات سُن غیرت بیگم کو اور
تو کچھ نہ سوجھا بہت دن ہوئے تولہ بھر افیون منگوا کر صندوقچے میں رکھ چھوڑی
تھی دوڑی دوڑی کوٹھری میں جا صندوقچہ کھول افیون کا گولا نگل اوپر سے بھرا
کٹورا پانی کا پی لیا۔ بتول کی انّا کو یہ حال معلوم تھا کہ انہوں نے صندوقچے میں افیون رکھ

چھوڑی ہے دالان کے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی بھائی بہن کی باتیں سن رہی تھی بیوی کو جو اس طرح گھبرا کر اندھیری کوٹھری میں جاتے ہوئے دیکھا جلدی سے بتول کو چارپائی پر لٹا پیٹتی ہوئی بھاگی کہ ای ہے خاک پڑے اس جھگڑے پر لو اب تو دشمنوں کو ٹھنڈک پڑی وہ بیوی نے افیون کھالی۔ اتنے میں تو غیرت بیگم بھی کوٹھری سے یہ کہتی ہوئی نکلی کہ بھائی تم کچھ تردد مت کرو میں بری تھی بری سے خدا نے تم سب کا پیچھا چھڑایا صبح تک میں ہی نہیں رہوں گی کوتوال کو اختیار ہے میرا مردہ لے جا کر کوتوالی میں دفن کرے۔ زہر خورانی کا ایک مقدمہ تو قائم تھا ہی اقدام خودکشی کا دوسرا اور ہوا معصوم اور بتول دونوں بے خبر پڑے سوتے تھے۔ غیرت بیگم نے بتول کو گود میں لے کر پیار کیا اور دونوں کو گلے لگا کر ایسی بلک بلک کر روئی کہ گھر میں قیامت برپا ہو گئی۔ ناظر نے جو بہن کا بلبلانا دیکھا اور ساتھ ہی خیال آیا کہ بس یہ بھی دنیا میں تھوڑی دیر کی مہمان اور ہے پھر کہاں ہم اور کہاں بہن اس کے سر پر ایسا جنون سوار ہوا کہ نہ پکارا نہ کنڈی کھڑکھڑائی نہ دستک دی نہ اجازت لی منہ اٹھا سیدھا چھوٹے گھر میں جا گھسا دونوں میاں بیوی سر جوڑے بیٹھے ہوئے خدا جانے کیا صلاحیں کر رہے تھے مبتلا نے آہٹ پا کر دور سے ڈانٹا آئیں آئیں کیا بدتمیزی ہے اندھے ہو تم کو معلوم نہیں کہ پردہ ہے اس مرتبہ بہن کو مداخلت بیجا کی نالش پر آمادہ کرتے تھے اب یہ مداخلت بیجا نہیں ہے۔ ناظر۔ اللہ رے تیرا پردہ نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی یہی نالائق پردے والی بنی تو پردے والی نے افیون کھائی اور دنیا جہان سے روپوش ہونے کی تیاری کی۔ مبتلا۔ الحمد للہ خس کم جہاں پاک مگر ذرا تم خیریت سے چلتے پھرتے تو نظر آؤ۔ سامنے سے پرے ہٹتے ہو

یا میں اُٹھ کر تم کو رستہ دکھاؤں۔ مبتلا کا اتنا کہنا تھا کہ ناظر با توصحن میں تھا یا مبتلا
کی چھاتی پر۔ پھر تو دونوں میں خوب کشتی ہوئی۔ ناظر دیہات میں پیدا ہوا دیہات
میں پلا ہاتھ پاؤں کا ٹھلا گٹھیلا۔ برسوں اکھاڑے کا لڑا ہوا بیسیوں داؤ یاد۔
پچاسوں گھاتیں معلوم سیکڑوں پیچ رواں اور اب تک بھی دو وقتہ ڈنڑ مگدر کبھی اس
نے ناغہ نہیں ہونے دیئے۔ مبتلا تے چارے نازنین میر کھو یا مرزا ہیں ناظر
نے وہ وہ پٹخنیاں دیں اور ایسا ایسا رگڑا کہ آنکھیں نکل نکل پڑیں اور سانس اوپر
کا اوپر اور نیچے کا نیچے۔ مبتلا کے پاس پھکیتی پچپتی کل جمع تین حربے چٹکیاں لینا
نوچنا کاٹنا سو ناظر کی پھرتی کے مقابلے میں ایک بھی کارگر نہ ہوا۔ مبتلا کو اگر معلوم ہو
کہ یہ کمبخت چھوٹا کھوٹا چھپا رستم ایسے غضب کا بُجھا ہوا ہے تو کبھی بھول کر بھی اس سے دوبدو
نہ ہو مگر اس کی تقدیر میں تو دو بیبیاں کر کے ہر طرح کی مصیبت اُٹھانی تھی چھوٹا
سمجھ کر اس کو ایک ڈانٹ بتائی بیٹھے بٹھائے اور اپنی شامت لوائی۔ ہریالی
نے جب دیکھا کہ میاں کو ناظر گیند کی طرح اُچھالے پڑا پھرتا ہے یہاں
سے اُٹھایا اور وہاں دے مارا اور اُدھر سے اُچھالا اِدھر لا پٹکا ایسی دہشت
دل میں سمائی کہ اس کا حمل جس کے سبب سے اتنا سارا فساد ہوا ساقط ہو گیا۔ ناظر
کیا مبتلا کو جیتا چھوڑتا وہ تو خدا کا کرنا عین وقت پر سید حاضر آپہنچے دیکھا تو گھر میں
مجموعۂ تعزیرات ہند پھیلا پڑا ہے مگر کیا قائم مزاج آدمی تھا آتے کے ساتھ سب
سے پہلے تو ناظر اور مبتلا کو چھڑایا پھر نمک ڈال بھر بھر لوٹے گرم پانی غیرت بیگم کو
پلانا شروع کیا۔ غیرت بیگم اس طرح کی ضدی عورت تھی کہ اگر ساری دنیا ایک طرف
ہوتی تو گرم پانی کا کٹورا منہ کو نہ لگانے دیتی مگر کچھ تو بڑے بھائی کا لحاظ

اور ادھر چپکے سے کسی نے کان میں جھک کر کہہ دیا کہ مبارک ہو ہریالی کا حمل تو گر گیا بے عذر خوب ڈکڈکا کر پانی پی لیا پانی کا حلق سے اترنا تھا کہ استفراغ ہوا اور استفراغ کے ساتھ کھٹ سے افیون کا گولا سموچے کا سموچا نکل کر الگ جا پڑا اُدھر ہریالی کی خدمت کے لئے دوہری دوہری دائیاں بلوائیں اور پھر مبتلا اور ناظر دونوں کو ساتھ لے جا کر بیٹھا کہ ہر چند تم دونوں کی طبیعتیں اس وقت حاضر نہیں اور سچ تو یہ ہے کہ مزاج میرا بھی ٹھکانے نہیں مگر میں دیکھتا ہوں تو آدھی رات ڈھل چکی ہے صرف سوا پہر کی مہلت ہے سامان تو بدقسمتی سے ایسا جمع ہوا ہے کہ اب آبرو بچتی ہوئی نظر نہیں آتی اور جب آبرو پر بنی تو سب سے پہلا شخص جو جان دینے میں دریغ نہ کرے میں ہوں دیکھو تو کتنے آدمی ہم لوگوں کے ملاقاتی ہیں مگر ہمدردی اور مدد تو درکنار مرد عورت کوئی آ کر بھی جھانکا سچ کہا ہے گاڑھی بھر آشنائی کام کی نہیں درر تی بھر ناتا کام آتا ہے بڑے سخت افسوس کی بات ہے کہ جب ناتے سے کام لینے کا وقت آیا تو تم لوگ آپس ہی میں لڑنے لگے جس طرح پر تم دونوں میں لڑائی شروع ہوئی میں سب سن چکا ہوں تم میں سے کسی کو مجھ سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ میں ایک کو ملزم ٹھیراؤں اور دوسرے کو بری جس طرح تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی اسی طرح لڑائی کبھی ایک کے لڑنے سے نہیں لڑی جاتی میں تم دونوں کو برابر الزام دیتا ہوں لیکن رشتہ داروں میں اگر کسی بات پر رنج بھی ہو جاتی ہے تاہم ان کے خون ملے ہوئے ہیں وہ ظاہر میں جدا ہیں اور باطن میں ایک غیرت بیگم کا افیون کھا لینا سن کر مبتلا بھائی کو منہ سے الحمدللہ کہہ دینا بہت آسان تھا لیکن جب غیرت بیگم کی مدتِ حیات پوری ہوا ور خدا کرے کہ مبتلا بھائی اس کو اپنے ہاتھوں سے مٹی دیں تو دنیا میں سب سے بڑھ کر رنج کے کرنے والے بھی یہی ہوں گے

گھر کس کا برباد ہوگا ان کا۔ اولاد کس کی بے ماں کے ماری ماری پھرے گی ان کی۔ کنبے والوں کا میل ملاپ کس سے چھوٹ جائیگا ان سے۔ بھلے مانسوں میں جو خانہ داری کی ساکھ ہوتی ہے یعنی تمدنی عزت وہ کس کی جاتی رہے گی ان کی۔ اس میں شک نہیں چھوٹی بھاوج کی وجہ سے دلوں میں بڑے فرق پڑ گئے ہیں اور پٹخنے ضرور ہیں مگر پھر بھی غیرت بیگم کی ناموس کا پاس ہم کو چھٹانک بھر ہوگا تو مبتلا بھائی کو سیر بھر۔ میں سچ بتاتا ہوں کہ مبتلا بھائی بڑے ضبط کے آدمی ہیں منہ سے نہیں کہتے مگر ان کے تلووں سے لگی ہے ناظر کیا کوئی تم سے خیر کی توقع کرے گا جب تم ایسی مصیبت میں مبتلا بھائی کی مدد نہ کرو۔ ہزاروں مقدموں میں تم بہ طمع صلہ پیروی کرتے ہو اس ایک مقدمے میں صلۂ رحم کو صلہ سمجھو اور میری خاطر سے اپنی بہن کی خاطر سے بھانجا بھانجی کی خاطر سے غصے کو تھوک کر بچاؤ کی کوئی صورت نکالو اور تم مبتلا بھائی از برائے خدا رحم کرو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں پر بزرگوں کے نام پر خاندان کی عزت پر۔ تم کو معاملات مقدمات کا کبھی اتفاق نہیں پڑا کوتوالی والے مدت سے تمپر دانت لگائے بیٹھے ہیں خدا جانے کس بلا میں تم کو پھنسا دینگے۔ ناظر تمہارا حرج ہو اگر اس نے بے تمیزی کی تو بہت برا کیا جھک مارا میں اس کی طرف سے معذرت کرتا اور تمہاری ٹھوڑی میں ہاتھ ڈالتا ہوں جانے دو معاف کرو۔ اس کے بعد ناظر کو پکڑ کر مبتلا کے پیروں پر گرایا اور ناظر اور مبتلا دونوں کو گلے لگوایا وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے ملکر روئے حاضر بہن کی تباہی کا تصور کر کے مغموم تو پہلے سے تھا اب ان کو روتا ہوا دیکھ کر آپ بھی رونے لگا۔ جب سب کے دلوں کی بھڑاس نکل چکی تو حاضر نے ناظر سے پوچھا کیوں بھائی اب کرنا کیا چاہئے۔ ناظر۔ خیر اب آپ فرماتے ہیں اور آپا کا قدم درمیان

میں ہی تو میں اس مقدمے میں ہاتھ ڈالتا ہوں مگر مبتلا بھائی نے آج اس رنڈی کے
سامنے (آپ برا مانیں یا بھلا مانیں ہیں تو اس کو ساری عمر بھاوج کہنے والا نہیں)
ایسا ذلیل کیا ہے کہ میں اس رنج کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ جب آپا نے میرے بیٹھے پر
افیون کھائی تو میں گھبرا کر اس غرض سے ان کے پاس دوڑا ہوا گیا تھا کہ ہم دونوں
ہم صلاح ہو کر تدبیر کریں۔ انھوں نے مجھ کو دالانے میں سے دیکھ کر اس طرح دُتکارا
کہ کوئی کتے کو بھی نہیں دُتکارتا مجھ کو رہ رہ کر غصہ آتا ہے کہ انھوں نے تو شرم و حیا سب
کو بالائے طاق رکھ دیا اب آپ کے سامنے منہ کھلواتے ہیں کل کی بات ہے کہ کبھی نالائق
جو آج بڑا لمبا چوڑا پردہ لگا کر بیٹھی ہے بے اختیار جی چاہتا ہے کہ مارے جوتیوں کے
بدذات کے سر پر ایک بال باقی نہ رکھوں) ٹکے ٹکے پر ماری ماری پڑی پھرتی تھی اور کوئی
اس پر تھوکتا بھی نہ تھا انہی سے پوچھئے کہ کئے بار میرے یہاں اسکا مجرا ہوا جب آتی تھی
ڈیوڑھی میں سے فراشی سلام یا اب اس کو یہ بھاگ لگے ہیں کہ ہمارے سامنے ہونے سے
اس کی بے پردگی ہوتی ہے۔ عزت بنانے سے نہیں بنتی بلکہ خداداد چیز ہے آج تو یہ پردہ
نشین بنی کل کو سیدانی بن کر جا ہے گی کہ ہماری ماں بہنوں کے ساتھ بیوی کی صحنک کھائے
پرسوں اس کے بال بچے ہونگے اور کہے گی کہ سیدوں میں رشتہ ناتا کرتی ہوں تو
کوئی بھلا مانس اس کو جائز رکھے گا۔ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں سب ہماری آپا کا صبر
پڑ رہا ہے اور ابھی کیا ہے یہ مظلمہ تو مبتلا بھائی کو ایسے ناچ نچائے گا کہ ہر بالی کو ساری عمر
ایسا ناچ ناچنے کا اتفاق نہ ہوا ہو گا۔ ناظر تو باتوں باتوں میں گرم ہوتا جاتا تھا اور مبتلا
کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں کہ اگر اب کے پھر کہیں یہ چن لیٹ پڑا تو ہڈی پسلی
ایک کر کے رکھ دے گا۔ حاضر کے بیٹھے کی اگر ڈھارس نہ ہو تو قریب تھا کہ مبتلا کی گھگھی

بندھ جائے بارے حاضر نے کہا بھائی ناظر یہ تو تم پھر بگاڑ کی سی باتیں کرتے ہو یہ سچ ہے کہ مبتلا بھائی کی نادانی نے سارے گھر کو تہ و بالا کر دیا مگر یہ بھی تو نہیں ہو سکتا کہ ہم غیروں کی طرح دور کھڑے ہوئے تماشا دیکھیں۔ ناظر۔ یہ تو میں نے وہ حقیقت بیان کی جو میرے دل میں تھی رہ گیا مقدمہ اُس سے آپ اطمینان رکھیئے۔ مبتلا بھائی کو روپیہ تو بہت خرچ کرنا پڑیگا ایسا کوئی پانچ چھے ہزار مگر خدا نے چاہا تو ان پر اور ان کے طفیل میں ہریالی پر کوئی گزند نہیں آنے پائیگا۔ اس وقت تک مبتلا کو مقدمے کی واقعی روداد اور کوتوالی کی تحقیقات سے اپنی اور ہریالی دونوں کی طرف سے پورا اطمینان تھا اور دونوں اپنی جگہ خوش تھے کہ چاہ کن را چاہ در پیش سنکھیا دی اسی غرض سے کہ ہم دونوں کھائیں اور مر کر رہ جائیں خدا کی قدرت ہم دونوں کے منہ پر رکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی اور اوپر ہی اوپر ماما کے بیٹے نے جا سرکار میں خبر پہنچائی اب لینے کے دینے پڑے غیرت بیگم کو پھانسی ہو تو پھانسی ورنہ عمر قید میں تو شک ہی نہیں چلو سستے چھوٹے اور روز کا ٹنٹا مٹا۔ ناظر کے منہ سے یہ کلام سُن کر کہ پانچ چھے ہزار روپیہ خرچ کرو تو تم پر گزند نہیں آنے پائیگا مبتلا تو حیران ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگا اور بے اختیار بول اُٹھا کیوں صاحب اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے مجھی کو زہر دیا جائے اور میں ہی گزند سے بچنے کے لئے پانچ چھے ہزار روپیہ بھی خرچ کروں کیا انگریزی عملداری میں یہی انصاف ہے۔ ناظر۔ ہوش کی دوا کرو تمہاری تمیز بہت ہی اوچھی ہے اور مقدمہ کی باریکی کو پہنچنا کچھ آدھ سیر چھٹانک کا کام نہیں ہے تم کو اتنا تو معلوم ہی نہیں کہ معاملہ کس کو کہتے ہیں اور مقدمہ کس جانور کا نام ہے۔ میں تو زبان دے چکا ہوں اور بد عہدی کسی شریف آدمی کا کام نہیں اس لئے چند تک کی باتیں تم کو سمجھاتا ہوں۔ کوتوالی کی تحقیقات کو تو عدالت میں کوئی پوچھتا تک نہیں روداد

وہی مثل ہے کہ جو عدالت کی شکل میں ہو کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کوتوالی کے لوگ بالی پوچھ گچھ کے سوا کسی کا اظہار تک قلم بند کر نہیں سکتے۔ اصل بات یہ ہے کہ پہلے کوتوالی اور فوجداری ایک تھی جب یہ لوگ لگے اظہار کارگزاری کیلئے ہر واردات بے سُراغ کے لیئے مجرم بنانے اور اصل مجرموں سے سازش کرکے بیگناہوں کو ناحق پھسانے تو سرکار نے کوتوالی اور فوجداری کو الگ کر دیا۔ اب تو کوتوالی والوں کا اتنا ہی اختیار ہے کہ جس کو اپنے نزدیک مجرم سمجھیں حاکم عدالت کے پاس چالان کر دیں۔ حاکم عدالت مدعی اور مدعا علیہ گواہوں کے اظہار قلم بند کرتا ہو اور اپنے یہاں کی روداد پر سزا یا رہا کرتا ہو کوتوالی والے اناپ شناپ جس کو پکڑ پاتے ہیں چالان کر دیتے ہیں عدالت میں گیئے اور رہا ہوئے اور ہمارے صاحب مجسٹریٹ کوتوالی سے اس قدر بدظن ہیں کہ مجسٹریٹی کا اجلاس کرتے ہوئے پورا برس نہیں ہوا اتنے ہی دنوں میں کوتوالی والوں سے جیلخانہ بھر دیا۔ غرض کوتوال اور ان کی تحقیقات کی تو کچھ بھی حقیقت نہیں اب رہ گئی مقدمہ کی روداد سو اس کا حال یہ ہو کہ سنکھیا تو حقیقت میں پکڑی گئی ہریالی کے یہاں پس مدعا علیہ اول ہوئی ہریالی اور پہلے اسی پر اشتباہ کیا جائیگا کہ اسی نے فیرینی میں ڈالی یا ڈلوائی مبتلا۔ بھلا وہ کمبخت بدنصیب کس کو سنکھیا دینے اٹھی تھی اپنے تئیں یا مجھ کو یا اپنی ماما کو جو سالہا سال سے نوکر ہے اور کبھی اس کو چھپٹے منہ تک نہیں کہا یا اپنے پالے ہوئے جانوروں کو جنہیں وہ بچوں کی طرح عزیز رکھتی ہو۔ ناظر۔ جانوروں کی تو بات الگ ہے لیکن دوسرے احتمالات میں تو کوئی استبعاد کی بات نہیں۔ ہو سکتا ہو کہ اُس نے خود سنکھیا کھانیکا ارادہ کیا ہو عورتیں اکثر خودکشی کر بیٹھتی ہیں یا تم کو اس نے زہر دینا چاہا ہو تو عجب نہیں ہزاری خلقت کا بھروسا کیا خدا جانے اُس نے کیا سمجھ کر تم سے نکاح پڑھایا

اور اب جو اس کی مراد بر نہ آئی تو اُس نے اپنا پنڈ چھڑانے کیلئے یہ تدبیر کی اگر وہ اپنی
حالت سابقہ پر عُود کرنے کی آرزو مند ہو تو اس سے کچھ دُور نہیں۔ ماما تم خود دیکھتے ہو
کہ اس کے پاس مدت سے ہے تو ضرور اس کے پچھلے حالات سے بخوبی واقف
ہوگی اور عداوت کے لئے اتنی بات کافی ہے۔ اور سنکھیا کیلئے تمہاری اور ہریالی
کی اور ماما کی کیا تخصیص ہو معصوم سارے سارے دن ہریالی کے یہاں رہتا ہو وہ
یقیناً اس کی جان کی دشمن ہے۔ اِن کے علاوہ ایک احتمالِ اور ہے اور وہ سب میں
زیادہ قرینِ قیاس ہو کہ آپا کے پھنسانے کیلئے یہ سارا منصوبہ سوچا گیا ہو ورنہ سبب کیا کہ
جانوروں تک کو فیرینی کھلاتے اور منہ تک نہ لیجاتے۔ اور یہ دیکھئے کیا چالاکی اور بے رحمی
کی ہو کہ بے زبان جانوروں کو تو اتنی فیرینی چٹائی کہ ایک بچا اور لہو لگا شہیدوں میں داخل
ماما کو بھی ذرا سی چٹا دی کہ دو چار دست آکر اچھی خاصی کی خاصی۔ مبتلا۔ ہاں لیکن کیا
گھوسن کی گواہی پر لحاظ نہ ہوگا۔ ناظر۔ کیا معلوم کہ عدالت تک پہنچتے پہنچتے گھوسن اپنے
بیان پر قائم بھی رہتی ہے یا نہیں اور فرض کرو کہ قائم رہے تو اس نے تو سنکھیا
کا نام تک بھی نہیں لیا بلکہ میری نظر سے دیکھو تو گھوسن کا بیان ہریالی کے حق میں
سمِ قاتل ہے وہ کہتی ہو کہ خاتون نے مجھ کو دودھ کی ہنڈیا واپس کر دی۔ بہت خوب
ہریالی نے جب یہ سن لیا تھا کہ بڑے گھر سے دودھ بُرا سمجھ کر واپس کیا گیا تو اس نے
چُپ چُپاتے ضرورت سے زیادہ بھری کی بھری ہنڈیا رکھ کیوں لی یہیں تو پانی مرتا ہے
اس سے صاف شبہہ ہوتا ہے کہ ہریالی نے گھوسن سے بلکہ اسی کے گھر دودھ میں سنکھیا
گھلوائی اور جب خاتون دھوکے میں نہ آئی تو دوسری چال چلی اور نتیجہ یہ نکلی ہو کہ
ہریالی اور تم دو نہیں ہو ہریالی کا کرنا عین تمہارا کرنا ہو اور ابھی خاتون کے بیان کی نوبت

آسکتے دو دیکھو تو وہ کیا زہر اُگلتی ہے۔ کوتوالی والوں کی کارروائی میں فی الواقع ہمیشہ ایک بڑا نقص یہ ہوتا ہے کہ تحقیقات سے پہلے مقدمے کو کسی ایک پہلو پر ڈھال لے جاتے ہیں اور پھر اخیر تک باصرار اُسی پہلو کی تائید میں لگے رہتے ہیں۔ جو باتیں میں نے تم سے سرسری طور پر بیان کی ہیں ان میں سے ایک کی طرف بھی کوتوال صاحب کا ذہن منتقل نہ ہوا ہوگا اور ہم لوگوں کو تو باتیں حاکم کی میز پر سوجھتی ہیں عین وقت پر کچھ اس طرح کا بہرہ کھُل جاتا ہے کہ خود بخود جات میں سے بات نکلتی چلی آتی ہے۔ مبتلا کی ساری ہمت تمام عمر رہی مصروف حسن وعشق ہیں مدعی اور مدعاعلیہ بننا درکنار اُس کو کبھی گواہی دینے کا بھی اتفاق نہیں پڑا بچپن کا لاڈلا جوانی کا چھبیلا دہ وکیلوں کے چھل فریب کیا سمجھے ناظر نے جو اُلٹی سیدھی باتیں سمجھائیں چھکّے ہی تو چھوٹ گئے اور سمجھا کہ بس اب نہیں بچتا۔ سنکھیا کا غصہ ہریالی کا رنج اپنی چوٹ اگلے پچھلے گلے شکوے سب کچھ بھُلا بسرا ناظر کے گلے سے لپٹ گیا کہ بس اب اوپر خدا ہے اور نیچے تم چاہو مارو چاہو جلاؤ چاہو اُجاڑو چاہو بساؤ۔ ناظر۔ مقدمہ تو میری طرف آیا گیا ہوا اور سمجھو کہ مقدمے کا میں ہمیں لے چکا خرچ کا بندوبست تم کرو۔ مبتلا۔ خرچ کا بندوبست بھی تم ہی کو کرنا پڑیگا تم کو تو گھر کا ذرا ذرا حال معلوم ہے۔ ناظر۔ کیا مضائقہ خرچ کا بھی انتظام ہو جائے گا مگر آخر دینا تو تم ہی کو پڑے گا۔ مبتلا۔ کوڑی کوڑی۔ ناظر۔ خیر تو آپ دو رقعے میرے نام لکھئے ایک تو کل کی تاریخ میں کہ چوہوں کی جیسی کثرت ہے تم کو معلوم ہے اب تو یہ نوبت پہنچی ہے کہ کھونٹیوں پر لٹکے ہوئے کپڑے کاٹ کاٹ کر ٹکڑے کئے ڈالتے ہیں ناچار تھوڑی سنکھیا منگوائی پڑیا چھوٹے گھر کے بیچ والے دالان میں اس خیال سے کہ کسی کا ہاتھ نہ پڑے اونچے پر رکھوائی تھی یہ ذکر کوئی سات یا آٹھ دن پہلے کا ہی کل

یا اتفاق ہوا کہ شام کے وقت ایک روپے کی کھانڈ کا پُڑا آیا اور جیسا دستور ہی پڑ گیا
ے ساتھ ممولے کی پڑیا سنکھیا کا تو خیال نہ تھا کھانڈ کا پُڑا اور پُڑیا دونو کو اسی طاق
ں رکھوا دیا جس میں سنکھیا کی پُڑیا تھی آج خود گھروالی نے اپنے ہاتھ سے فیرنی میں
ھانڈ ڈالی تو اُنہوں نے کہا پُڑیا کی کھانڈ بھی کیوں ضائع ہو پُڑا اور پُڑیا دونوں اُتار لی
ہیں مگر پُڑیا سنکھیا کی تھی باورچی خانے میں بھی دھوئیں کی وجہ سے کچھ دکھائی نہ دیا
ر چونکہ دل میں کسی طرح کا کھٹکا نہ تھا انہوں نے دیکھا بھی نہیں فیرنی پک کر تیار
ر لی تو تھوڑی جانوروں کو دی جو گھروالی نے اپنے شوق کے لئے پال رکھے
ھے اور جو دیگچی میں لگی رہ گئی تھی ماما نے پونچھ کھائی۔ جانور تو مر گئے ماما کو کچھ دست
ئے مگر بچ گئی کوتوالی کے لوگ مقدمے کو طول دینا چاہتے ہیں تم تمہارا کارندہ اس کی
بر گیری کرو۔ اور دوسرا رقعہ اب سے مہینے سوا مہینے جتنے دن پہلے کا چاہو لکھ دو کہ مجھ
اتنے روپے کی ضرورت ہے جہاں سے بن پڑے بندوبست کردو بس اللہ اللہ خیر صلاح
ر چین سے پیر پھیلا کر سو رہو۔ سنکھیا کے رقعے کا مضمون سنکر تو مبتلا کی عقل دنگ
و گئی اور سمجھا کہ ناظر بھی بڑا زہر کا بجھا ہوا ہے دیکھو تو کیا مزے سے زبانی اُتار دی ہے
ں ایسے شخص سے کیا پار لے جا سکتا ہوں میرا بچاؤ تو اسی میں ہے کہ جو یہ کہے
س میں ذرا کان نہ ہلاؤں۔ غرض اُسی وقت دونوں رقعے لکھ ناظر کے ہاتھ دیدیے
ر پوچھا کہ بھلا صاحب اب صبح کو کوتوال صاحب آئیں تو کیا کرنا ہوگا ناظر نے کہا اب
بدہٗ درگاہ کے رہتے کوتوال صاحب کیا آتے ہیں آپ آمدنیم برخاست اور اگر
ے بھی تو کوتوال بن کر نہیں بلکہ ٹنڈھال بدحال سراپا اضمحلال۔ مبتلا۔ اور کیوں جناب صاحب
یا اُس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا اگر اس نئے انگریز کو جو کوتوالی کا افسر ہو لا کھڑا کیا۔

ناظر۔ او ہم سگ زرد برادر شغال ۔ باوجودیکہ ابھی جھٹ پٹا تھا ناظر فوراً سوار ہو سیدھا
کوتوال پاس پہنچا کوتوال سمجھا کہ ایسے وقت آتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے ضرور کچھ نہ
کچھ بوہنی کرائیں گے ۔ دور سے ہنس کر بولا آئیے آج تو سویرے ہی سویرے اچھے
سنجی کے درشن ہوئے ہیں تو آپکے یہاں آنے کو وردی پہنکر تیار بیٹھا ہوں
صاحب سپرنٹنڈنٹ سے سات بجے کا وعدہ ہے ۔ ناظر ۔ کیا تیار بیٹھے ہو وہاں تو رات
بڑا غضب ہوگیا ۔ کوتوال ۔ کیا کوئی اور صاحب سنکھیا کھاکر شہید ہوئے ۔ ناظر ۔ نہیں سنکھیا
تو نہیں مگر آپ تو جانتے ہیں مبتلا بھائی کے گھر میں جو وہ دوسری عورت ہے پورے
دنوں سے تھی کل نہیں معلوم آپکے سپاہیوں نے اُس کو کیا کیا ڈرایا دھمکایا طبیعت
تو اس کی آپکے رہتے ہی بگڑ چلی تھی آپ ادھر آئے شاید کوتوالی بھی نہ پہنچے ہونگے
کہ اُس کا حمل ساقط ہوگیا ساری رات اسی کے تردد میں پلک نہیں جھپکی ۔ خیر حمل
تو حمل اب اسی کی جان کے لالے پڑے ہیں دیکھیے وہ بھی بچتی ہے یا نہیں مبتلا ۔
بھائی کو اس عورت کے ساتھ اس درجے کا تعشق ہے کہ جس وقت سے یہ واردات
ہوئی ہے سارے گھر میں بولائے بولائے پھر رہے ہیں ۔ وہ تو ڈاکٹر چینبلی کو
بلانے بھیجتے تھے میں نے بہزار مشکل روکا کہ انگریزوں کے کان پڑی ہوئی بات پھر اپنے
قابو کی نہیں رہتی ایک چھوڑ دو دو دائیاں بلوا دی ہیں بارے اب کہیں جاکر کسی
قدر طبیعت سنبھلی تو میں آپکے پاس بھاگا ہوا آیا میں تو رقعہ بھیجنے کو تھا پھر خیال آیا کہ خدا
جانے کسکے ہاتھ پڑے آپ چل کر کہنا چاہیے ۔ یہ کہنا تھا کہ کوتوال کو کاٹو تو بدن میں لہو
کی بوند نہیں ۔ گڑگڑا کر بولا آپ کے یہاں ہم تابعداروں کی مجال ہے کہ ڈرائیں دھمکائیں
یا کوئی خلاف قاعدہ کارروائی کریں آپ جسوقت تشریف لائے ہیں آپنے بھی دیکھا ہوگا کہ دائی

میں صرف دو ہی کانسٹبل میرے ساتھ تھے اور وہ دونوں بھی لے جاتے الگ اصطبل کے پاس کھڑے تھے میں نے آپ کے آدمی وفادار کے ہاتھ ماماؤں اور لونڈیوں کو بُلا بُلا کر ہولے سے دو دو باتیں پوچھ لیں اصل حقیقت تو یہ ہے اور ہم نے تو جس دن پولیس میں نام لکھوایا اسی دن سمجھ لیا تھا کہ ایک نہ ایک دن ضرور قید ہوں گے یہ ایسی تیسی نوکری اس قسم کی ہے۔ کوتوالوں کی دکانداری کہ بے کالا منہ ہوئے نہیں رہتا۔ بزدل کا کہا اور آنولے کا کھایا پیچھے مزہ دیتا ہے۔ لالہ جی بہتیرا سر ٹپکتے رہے کہ ہم لوگ ٹھیرے لکھنی چند ہم کو سپاہیوں کا بھیں سزاوار نہیں سرکار رے دہر مردے اُس وقت ان کی بات کچھ دھیان میں نہ آئی سو اپنے کئے کی سزا پائی۔ ناظر۔ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ نے کوئی بے جا کارروائی نہیں کی ہوگی آدمی کا حال چھپا نہیں رہتا سارا شہر آپ کا مداح ہے اور اگر آپ احتیاط نہ کرتے تو اتنے دن کوتوالی کا چلنا بھی محال تھا خصوصاً صاحب مجسٹریٹ حال کے وقت میں مگر عورتیں تو جیسی ڈرپوک اور کچے دل کی ہوتی ہیں آپ خوب جانتے ہیں آپ کا ہی آنا سنکر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے ہونگے اور پھر کسی سپاہی نے کوئی ایک آدھ بات بھی کہدی ہوگی حالت تو نازک تھی ہی اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہوگیا چھوٹے گھر میں تو خیر ایک واردات بھی ہوئی تھی کہ جانوں مرے ماما کو دست آئے فیر ہی میں سنکھیا نکلی بڑا گھر جسکو واردات سے کچھ بھی تعلق نہیں ہاں کیا حال تھا جا کر دیکھتا ہوں کہ چولہا تک نہیں سلگا وہ تو جب میں نے سمجھایا کہ یہ کیا اس سے بڑی بڑی اتفاقی اور ناگہانی وارداتیں ہو جاتی ہیں اور آخر کار مقدمہ داخل دفتر تب سب کو تسلی ہوئی۔ کوتوال۔ اتفاقی کیسی۔ تب ناظر نے مبتلا کا رقعہ دیا کہ وہ خونی دروازے میں جو ایک شخص نے اپنی آشنا کو دھتورا کھلا کر مار ڈالا تھا اور شاید

آپ ہی نے تو اس مقدمے کی بھی تحقیقات کی تھی کل اس کی پیشی تھی اور میں مدعا علیہ کا وکیل تھا آپ کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ بھی سرکار کی طرف سے پیروی کے لئے موجود تھے بڑے بڑے مباحثے رہے آخر ساڑھے چار بجتے بجتے مدعا علیہ کی رہائی ہوئی۔ ہاں تو یہ رقعہ مجھ کو عین اجلاس پر ملا تھا اور اسی کو دیکھکر میں کچہری سے سیدھا وہیں چلا گیا کوتوال نے رقعہ پڑھا تو مقدمے کی طرف سے بھی اُس کی آس ٹوٹ گئی کمر سے کرچ کھول ناظر کے پیروں پر رکھدی کہ نوکری تو یہ حاضر ہے خدا واسطے کو ایک اتنا سلوک کیجئے کہ عزت پر ہاتھ نہ ڈالئے۔ ناظر نے بہت تسلی کی کہ بھلا اتنا تو سمجھئے کہ اگر میرے دل میں کچھ فساد ہوتا تو میں اس قدر سویرے اندھیرے منہ آپ کے پاس دوڑا ہوا کیوں آتا خیر جو کچھ ہونا تھا سو ہوا میں جس طرح سے بن پڑے گا بتلا بھائی کو سمجھا لونگا جب سے انہوں نے دوسری عورت کرلی ہے ذرا تنگ دست رہتے ہیں یہی نہ کہ دو اور تین کا خرچ اور اوپر سے سو دو سو روپیہ اور اُن کو دے دیا جائیگا۔ اور ہاں سنکھیا کے مقدمے میں آپ کچھ زیادہ چھیڑ چھاڑ نہ کیجئے گا اس میں کچھ ہونا ہوانا بھی نہیں۔ ناظر چلنے لگا تو کوتوال نے کہا پھر اس کرچ کو تو آپ اپنے ہاتھ سے باندھ دینگے تو میں کمر سے لگاؤں گا ورنہ جہاں پڑی ہے پڑی رہے گی۔ ناظر نے جلدی سے کرچ اٹھا بسم اللہ کرکے کوتوال کی کمر سے باندھی گویا اپنی طرف سے کوتوالی دی کوتوال نے کہا بس اب ہاتھ پکڑے کی لاج آپ کو کرنی ہوگی۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ کو وہاں ایک اور ضرورت پیش آگئی کہ کسی انگریز کے یہاں سوڈا واٹر کی ایک ڈبھی نہیں اکٹھی آدھی درجن خالی بوتلیں چوری گئیں صاحب نے چٹھی لکھی اور سپرنٹنڈنٹ صاحب اس کی تحقیقات کو بھاگے گئے کوتوال سے کہلا بھیجا ہمارا آنا نہیں ہوسکتا پھر کوئی پندرہ بیس دن بعد خود

سپرنٹنڈنٹ صاحب ہی کو خیال آیا تو پوچھا کیوں کوتوال صاحب وہ کس وکیل صاحب
کے یہاں کی زہر خورانی کا آپ نے تذکرہ کیا تھا اس کا کیا ہوا۔ کوتوال نے کہا حضور
فدوی نے تو اگلے ہی دن ۳۰۲۲ نمبر کا روزنامچہ خاص بھیج دیا تھا کہ واردات
اتفاقی ہے۔ بات رفت و گزشت ہوئی۔ دو چار دن تو مبتلا کو کھٹکا رہا پھر اس نے دیکھا
کہ کوتوالی والوں میں سے کسی نے آکر کبھی نہ جھانکا تو اس کو یقین ہوا کہ ناظر کو حکام کے
مزاج میں کچھ اس طرح کا درخور ہے کہ آج جو چاہے سو کر گزرے۔ ناظر نے اس مقدمے
میں اچھی بُرد ماری ہزار روپے تو چپکے سے اس نے وہ اگلوائے جو خاتون گشتی
غیرت بیگم کو بہکا پھسلا کر لے اڑی تھی۔ اور رقعے کے بدلے مبتلا سے اس کے حصے
کی دکانوں کا قطعی بیعنامہ اپنے نام کا لکھوا لیا اور پھر سب میں سرخ رو کا سرخ رو۔ اب
بے چارے مبتلا کے پاس پینسٹھ روپے ماہوار کی جگہ صرف ستائیس روپے مہینے کی
نری تنخواہیں رہ گئیں وہ بھی کس طرح کی کہ کوئی چھٹے مہینے آدھی پاؤ وصول ہوئی
تو کوئی برس بھر بعد اور کوئی ماری میں بھی آ گئی اور غیرت بیگم کی یہ تاکید کہ بھلا کوئی ایک لوٹا
پانی تو اُس کے گھر میں سے مبتلا کو دے دیکھے۔ غیرت بیگم کے یہاں پہلے ہی مبتلا کی
کون سی قدر کی جاتی تھی اب جس دن سے یہ معاملے مقدمے کھڑے ہوتے رہا سہا اور
بھی نظروں سے گر گیا پہلے بے رُخی تھی رفتہ رفتہ بدمزاجی ہوئی بدمزاجی سے بددماغی
کی نوبت پہنچ گئی بلکہ طرز مدارات سے ایسا مستنبط ہونے لگا کہ سید حاضر نے جو ایک دن
بیچ کے آنے کا معمول باندھ دیا تھا اب مبتلا کا اتنا آنا بھی گوارا نہیں۔ غیرت بیگم کو مبتلا سے
بات چیت کیے ہوئے برسوں گزر گئے تھے لونڈیاں مامائیں میاں کا اتنا لحاظ کرتی تھیں
باری کے دن بچھونا صاف کر دیا جب تک گھر میں بیٹھے حقے کی خبر رکھی کھانے

ے دخل ۱۲

کو پوچھ لیا اور اب مقدموں کے بعد سے تو ان باتوں میں بھی مضائقہ ہونے لگا مبتلا
لاکھ گیا گزرا تھا مگر آخر تھا تو صاحب خانہ یہ بے وقری دیکھ کر وہ بڑے گھر کی باری
کو تپ ولرزہ کی باری سے کم نہیں سمجھتا تھا مگر حاضر ناظر سے اس قدر ڈرتا تھا جیسا
مُردہ نکیرین سے ناخواستہ دل آتا اور بر خاستہ خاطر رہتا۔ ایسی ایسی سنگین واردائیں
گھر میں ہو جائیں اور کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹے غیرت بیگم اور بھی بے محابا ہو کر لگی بادل
کی طرح گرجنے اور بجلی کی طرح کڑکنے سقّا اور دھوبی اور حلال خور وغیرہ جتنے اہلِ
خدمت تھے اُن تک کی بندی ہو گئی کہ چھوٹے گھر کا کام نہ کرنے پائیں ناچار گلی
کی طرف کا قدیم دروازہ جو مدتوں سے بند تھا تیغا توڑ کر کھولا تب کام چلا۔

چوبیسویں فصل مبتلا اور ہریالی کا بگاڑ

جب تک باتوں کا زبانی جمع و خرچ رہا کہ غیرت بیگم نے اپنے گھر میں کوس کاٹ لیا
اور ہریالی نے اپنی جگہ پکار کر تو پکار کر نہیں تو چپکے سے جو کچھ منہ میں آیا کہدیا تب تک
اگر سچ پوچھو تو ہریالی کی جیت تھی کیونکہ مبتلا اُس کے پلے پر تھا اور آمدنی کے
حساب سے دونوں گھر برابر سرابر آپ جو پینسٹھ کے رہ گئے ستائیس تو اُس کا ایمان
ڈگمگا چلا اور مبتلا سے کہا کیوں صاحب اُدھر اکیلے گھر میں ساٹھ اور ادھر مردانہ زنانہ
دو گھروں میں پینسٹھ نگوڑا پانچ روپے کا بل خدا جانے میں کیا کتر بیونت کرتی تھی
کہ خیر گزر رہو ئی چلی گئی تم اپنے ہاتھ میں خرچ رکھتے ہوتے تو حقیقت کھلتی اور میں تمہارے
بڑے گھر میں جاتی نہیں تو آخر سنتی تو ہوں کہ آدمیوں کو اُبالی دال ملتی ہے اور وہ بھی ایک
وقت بچوں کو سودا سلف تو درکنار کبھی آدھی کے چنے لے کر دینے نصیب نہیں ہوتے

اب تم نے پینٹھ کے ستائیس کرائے ہیں تو تم ہی خرچ کا انتظام بھی کرو میں کوئی اپنی بوٹیاں
کاٹ کاٹ کر تو کھلانے سے رہی۔ مبتلا۔ پینٹھ کے ستائیس میں نے کرائے ہیں ہریالی
جانے بلا تم نے کرائے ہیں یا انہوں نے جو تمہارے کچھ لگتے ہیں۔ مبتلا۔ تم ہی نے تیری
پکا کر میٹھے بٹھائے سارا فساد برپا کیا اور اُلٹا مجھ کو اُلاہنا دیتی ہو۔ ہریالی۔ مجھے خبر تھی
کہ دشمنوں نے دودھ میں سنکھیا گھول کر میری جان کے لینے کا سامان کیا ہے۔ مبتلا
سی کا تو پتا نہ چل سکا کہ کس نے دودھ میں سنکھیا گھولی۔ ہریالی۔ تو کیا میں نے گھولی
مبتلا۔ تم نے گھولی تو نہیں مگر تمہیر تھپ تو گئی۔ ہریالی۔ تم نے تھپوائی تو تھپی۔ مبتلا
یک نشد دو شد مہینا میں نے کم کرایا سنکھیا کا الزام تم پر میں نے لگایا میں برا ہوں
خدا بُرے کو موت دے۔ ہریالی۔ خدا نکرے تم کیوں بُرے ہونے لگے بُری میں کہ
تمہارے کارن گھر چھوڑا عیش چھوڑا آرام چھوڑا اس کا یہ انعام ملا کہ تمہارے یہاں آ کر
وسنے سُننے گالیاں کھائیں بے عزتی کا کوئی درجہ باقی نہ رہا دو دفعہ جان کا خطرہ اٹھایا
مبتلا۔ تم کو تو معلوم تھا کہ میرے بی بی بچے ہیں پھر نہ آئی ہوتیں کسی نے زبردستی کی تھی
ور اب تمہارا جی چاہے تو اب چلی جاؤ تم سے کسی نے کچھ چھین تو نہیں لیا ہریالی
ان حال میں کیا مکرتی ہوں میں تمہاری بی بی کو بھی جانتی تھی اور بچوں کا ہونا بھی
معلوم تھا مگر مجھے خبر نہ تھی کہ تم اس طرح کے حیز ہو کہ ناظر کی صورت دیکھنے سے تمہارے
ہوش باختہ ہوتے ہیں اور میں اگر جاؤں گی اور جاؤنگی نہیں تو کیا مفت میں اپنی جان
گنواؤں گی تو ناظر کو جو وکالت کے گھمنڈ میں بہت اکڑا ہوا پڑا پھرتا ہے اور اس مکار
حاضر کو جو ہر مرتبہ بڑا مولوی بن کر وعظ کہنے کو آ بیٹھتا ہے اور تیری بھینا کو تو ال کی
بردہ کو اور اُس موئے کو توال کو جس نے رشوتیں لے لے کر خون کے مقدموں کو

ملیا میٹ کیا ہے اور سب کے ساتھ مجھ کو دنیا جہان میں الم نشرح کر کے جاؤں گی میرا
جانا کیا ایسا ہنسی ٹھٹھا ہے میں نے تیرے پیچھے اپنے تئیں خاک میں ملا دیا اور آج
تو نے اس کا مجھ کو یہ پھل دیا ہے اب دیکھ میرا تماشا تیرا تو کیا سہ ہی مگر بلا اپنے حمائتیوں
کو کہ مجھے جانے کو روکیں یہ کہہ کر ہریالی کھڑی ہو سیدھی دروازے کیطرف چلی ہائے
مبتلا نے ساری عمر میں ایک یہ بہادری تو کی کہ اس کو کوٹھڑی میں دھکیل جھٹ
اوپر سے کنڈی لگا دی۔ این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ مبتلا تو ہریالی کو کوٹھڑی
میں بند کر باہر چلا گیا۔ ہریالی کے پاس جو پرانی ماما تھی وہ تھی ایک طرح کی اس کی کٹنی
اس نے ہریالی کو سمجھایا بی بی مرد کا مزاج دیکھ کر بات کی جاتی ہے اس کمبخت پر تو آپ
ہی مصیبتیں پڑی ٹوٹ رہی ہیں تم اور چلیں گھاؤ میں اوپر سے مرچیں لگانے تھوڑے
دن صبر کیا ہوتا وہ اپنے تئیں بیچتا چوری کرتا کہیں نہ کہیں سے تمہارا بھرنا بھرتا اور اگر
تمہاری مرضی جانے کی ہو گی تو اس کی سو راہیں ہیں ڈھنڈورا پیٹنا اور ڈھول بجانا
کیا ضرور ہے ادھر پان کے بہانے مبتلا کے پاس گئی اور اس سے کہا میاں برا کہو فضیحتی
کرو سب تم کو پہنچتا ہے پر منہ بھر کر یہ کہہ بیٹھنا کہ چلی جا تم ہی انصاف کرو بڑی سخت بات
ہے خیر غصہ حرام ہوتا ہے میاں بی بی کی لڑائی کیا اور میاں بی بی بھی تم جیسے کہ وہ تمہاری
عاشق زار اور تم اس پر دل و جان سے نثار اٹھو گھر میں چلو بیوی کی بھی روتے روتے
ہچکی بندھ گئی تھی اب میں نے اٹھا کر زبردستی پانی پلایا ہے۔

پچیسویں فصل مبتلا کی خانہ داری دونوں بیبیوں کے ساتھ کس طرح پر تھی

مبتلا اور ہریالی کی یہ لڑائی تو خیر ایک اتفاقی بات تھی مگر دیکھنا چاہیئے کہ ان میں باہمی

کس درجے کا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کے سمجھنے میں غلطی کی ہریالی نے
تھا کہ یہ آدمی ہے حسن پرست بیوی اس کو بھائی نہیں دیکھیے ہو رہا ہے لٹوں میں
ں اور اس کو بیوی سے تڑا چھڑا اپنے کھونٹے سے باندھا نہیں یہاں آ کر
بیوی کو میاں کا خصم پایا کہ وہ اس کو اس طرح لپٹی ہے جیسے مکھی کو شہد سے
کوشش کرتا ہے کہ اُس سے چھوٹ جاؤں مگر اور پھنستا چلا جاتا ہے۔ چاہیے تھا
جھ کر معذور رکھے خود غرضی جبر و اختیار میں فرق آنے نہیں دیتی تھی وہ کچھ کر نہیں
اور یہ جانتی تھی کہ اپنے ہیٹے پن سے خود نہیں کرتا دہ واری اور قربان تھی
توقع میں جان تھی نا امیدی کا پیدا ہونا تھا کہ صاف ہٹنے سے اکھڑ گئی مبتلا
ن سے حسن صورت کے پیچھے ایسا فریفتہ تھا کہ خوبصورتی کے آگے حسب نسب
ہچی دینداری کسی چیز کو دیکھتا ہی نہ تھا بیوی سے تھی اُس کو نفرت چوں
و چار بار رات کو ہریالی کے یہاں گیا آنکھوں میں کھب گئی نہ انجام سوچا نہ
ار پر نظر کی گھر میں لا بٹھایا۔ مبتلا کے دل کو جو اچھی طرح سے ٹٹول کر دیکھا
اُٹے پیچھے ہریالی کی طرف اُس کا اگلا سا رخ نہ تھا اول تو اس نے ہریالی کے جانچنے
ہی میں غلطی کی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہریالی خوبصورت تو تھی مگر نہ اس
مبتلا جیسا حسین آدمی اُس پر مفتون ہو۔ یونیورسٹی کی ڈگریاں اگر خوبصورتوں
ں تو ہریالی ہماری نظر میں اُس سرے بس ایف۔ اے۔ کے قابل تھی مگر مبتلا تو
ح سے پہلے ایم۔ اے۔ کے درجے میں سمجھتا تھا۔ دوسری ایک وجہ یہ بھی ہوتی کہ
با بناؤ سنگار نہ تو اب میسر تھا اور نہ اُس کا موقع تھا۔ اور سب سے بڑا سبب تو
ینے میں تھا کہ کیسی ہی کوئی نعمت کیوں نہ ہو اُس کی قدر طلب تک رہتی ہے

اور اُس کی منزلت گھٹی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ انسان کو اُس کا احساس بھی باقی نہیں رہتا کہ یہ نعمت کچھ نعمت بھی ہے یا نہیں۔ اگر غیرت بیگم کو ذرا بھی عقل ہو کہ خدمت اور اطاعت سے میاں کو اپنا کرنا چاہیئے تو ہریالی کی اتنی بھی قدر نہ ہو۔ یہ اپنی صورت کو آئینہ لیئے بیٹھی جانا ہی کرے اور اندر باہر غیرت بیگم ہی غیرت بیگم ہے مگر وہ چال بُری چلی اُس نے چاہا کہ توڑوں سے دباؤ سے بھائیوں کی حمایت سے مبتلا کو زیر کرنا دل پھٹتے گئے اور طبیعتیں ہٹتی گئیں۔ ہریالی نے پایا میدان خالی مبتلا کے دل میں جگہ کرلی نہ خوبصورتی کے برتے پر بلکہ سلیقے اور رضا جوئی کے بل پر۔ غیرت بیگم کے جھگڑے مبتلا کو چین تو لینے دیتے ہی نہ تھے وہ ہریالی کی خوشی کیا سناتا دونوں میں میل جول رہا مگر عاشقی معشوقی کا سا نہیں بلکہ جیسا عام طور پر میاں بیبیوں میں ہوا کرتا ہے۔

چھبیسویں۲۶ فصل مبتلا نے تنگ ہو کر دونوں گھروں کا رہنا چھوڑا اور اُس کی حالت یوماً فیوماً ردی ہوتی گئی یہاں تک کہ ایک دن مر گیا

جس شخص کی بیٹھے بیٹھ کی آمدنی جا کر ستائیس کی رہ جائے اور وہ بھی غیر مقرر اُسی کے دل سے پوچھنا چاہیئے کہ اُس پر کیا گزرتی ہوگی۔ تو انبوہ مصائب اور ہجوم افکار نے مبتلا کو اس قدر تنک مزاج کر دیا تھا کہ دنیا کی کوئی چیز اُس کو بھلی نہیں لگتی تھی اُس کو ہریالی کی لڑائی کا ایک بہانہ مل گیا اور اُس نے دونوں گھروں کا جانا قطعاً موقوف کر دیا سارے دن رات اٹوانٹی کھٹوانٹی لیئے اکیلا مردانے میں پڑا رہتا تھا نہ خود کسی کے پاس جاتا اور نہ اپنے پاس کسی کے آنے کا روادار ہوتا اگر اتفاق سے کوئی آ نکلتا تو اُس کی طرف مطلق ملتفت نہ ہوتا اس رنج نے اُس کو رہا سہا اور بھی اَمچور کر دیا کہ دو دشمن اُس کے اور تیار ہوئے ناظر

بڑھ کر معصوم اور غیرت بیگم سے زیادہ بتول۔ مبتلا اپنی طرف سے بہتیرا دونو کو لبھاتا تھا مگر
یہ دونو اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ یہ ہمارا باپ ہے جب سے ہوش سنبھالا باپ کو سنا برا برا
پس دونو کے ذہن میں اس کی برائی ایسی راسخ ہو گئی تھی کہ ابا یا باوا یا باپ کہنا کیسا
دونوں خاصی طرح نام لیتے تھے معصوم گالی کے ساتھ اور بتول کوسنے کے ساتھ مبتلا
نے جب دونو گھروں سے ملول ہو کر مردانے میں رہنا اختیار کیا تو اس نے یہ خاصی
تدبیر سوچی تھی کہ اگر ہو سکے تو معصوم اور بتول دونوں کو ورنہ اکیلے معصوم کو خالی بیٹھا
ہوا پڑھاؤں اور اسی طرح اناجی بہلاؤں مگر معصوم پیچھے پڑا تھا تو دھرنے ہی نہیں
دیتا تھا۔ مردانے مکان میں بے رونقی تو ہر حال کے ساتھ آ چکی تھی اب تھوڑے ہی
ن میں خاک اڑنے لگی جس مکان میں عمدہ اسباب کے اٹم لگے پڑے تھے اب
ن میں کیا رہ گیا بانوں کے چند جھلنگے ایک کی چول ٹوٹی ہوئی ہے تو دوسرے میں ادوان
نہیں کسی کی پٹی لچکی ہوئی ہے تو کسی کے سیرے میں جان نہیں شاید چھوٹی بڑی
ملا کر چار یا پانچ چوکیاں وہ بھی بے جوڑ بوسیدہ بے مصرف نوکروں میں صرف ایک فادا
وہ بھی کس طرح کہ یہاں سے تو اس کو کھانا تک نہیں ملتا تھا اور ملے کہاں سے دن دیہا
ڑیاں سو میاں بے چارے کے پلے ٹکا نہیں دن کو مزدوری کرتا اور رات کو میاں کی
بیٹھک میں آ کر پڑ رہتا دنیا کا کوئی کام یا دین کا روزہ نماز ہو تو صبح و شام کا تفرقہ اور دن رات کا
امتیاز ہو مبتلا کو سب وقت یکساں تھے اس کو سونے جاگنے کھانے پینے کسی بات کا کوئی
وقت ہی مقرر نہ تھا جب دیکھو منہ اوندھائے چارپائی پر پڑا ہے معلوم نہیں سوتا ہے یا جاگتا ہے
اپنی تباہی کا خیال ہے کہ کسی وقت دل سے نہیں جاتا جاگتا ہے تو اسی کا سوچ ہے اور سوتا ہے
تو اسی کا خواب دیکھ رہا ہے وہ کبھی اپنے پچھلے وقتوں کو یاد کرتا اور اس کے چہرے پر ایک طرح

کی بشاشت آجاتی تھوڑی دیر بعد خود بخود دیکایک چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتا اور پھر اُس کے مُنہ پر مُردنی سی چھا جاتی۔ غیرت بیگم اور اس کے علاقہ داروں سے یہاں تک کہ اپنے بچوں سے تو اُس کو مطلق نا امیدی تھی وہ خوب سمجھ چکا تھا کہ اب کسی حالت میں جیتے جی ان لوگوں سے صفائی کا ہونا ممکن نہیں رہ گیا قطع تعلق اس کیلئے چاہئے ہمت جرأت اور یہی باتیں اگر مبتلا میں ہوتیں تو یہاں تک نوبت ہی کیوں پہنچتی۔ قاعدہ ہے کہ جس پر پڑتی ہے اسی کی طبیعت خوب لڑتی ہے رنجوں سے بچنے کا کون سا پہلو تھا جو مبتلا نے نہیں سوچا مگر جدھر جاتا تھا راہ نجات کو مسدود پاتا تھا۔ مارے غم کے وہ اس قدر نحیف و ناتوان ہو گیا تھا جیسے کوئی برسوں کا بیمار شاید چھینکنے سے اُس کو غش آتا اور کھانسی کے ساتھ اس کا سانس اکھڑ جاتا۔ اللہ رے غیرت بیگم عورت ذات ہو کر اس قدر سخت دل اور اس بلا کا غصہ کہ مبتلا گھلتے گھلتے چارپائی سے لگ گیا اور اس نے بھول کر بھی خبر نہ لی ہریالی تھی تو رزالی پر خیر دکھاوا اظاہرداری جو چاہو سمجھو بیسیوں بار تو اپنی ماما کو بھیجا اور آخر خود گئی ہر چند منت خوشامد کی مگر مبتلا تو اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا ذرا نہ پسیجا یا مبتلا خوب سمجھتا تھا کہ میں اس رنج سے جاں بر نہیں ہو سکتا اختلاج قلب تو اس کو مہینوں سے تھا اب کسی کسی وقت دل میں ایک طرح کا ہلکا ہلکا درد بھی اُٹھنے لگا تدبیر کچھ ہوئی نہیں دورے متواتر اور شدید ہونے لگے۔ آخر ایک دن اُدھر آفتاب ڈوبتا تھا اِدھر بے کس دُبلے نصیب دل کے درد سے گھڑی ہی چارپائی پر نہ تکیہ نہ بچھونا تڑپ تڑپ کر سرد ہو گیا

ستائیسویں فصل خاتمہ

ایک حسن پرستی کے پیچھے دنیا میں کیا کیا سختیاں اٹھائیں کہ خدا دشمن کو بھی نصیب کرے

پنا یا بیگانہ مرنا تو سبھی کا قابل افسوس ہے مگر نہیں ہے تو مبتلا کا اُس کا جینا قابلِ افسوس تھا
در مرنا قابلِ خوشی کیونکہ مرکر وہ دنیا کی مصیبتوں سے چھوٹ تو گیا مصیبتیں تو اُس کے
م کے ساتھ تھیں نہ مرتا اور مصیبت بھرتا پھر بھی ہم اُس کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ دنیا کی
ائیں اُس کے گناہوں کا کفارہ ہوں اور بیچارہ مصیبت کا مارا حسنِ صوت کا بہت فریفتہ تھا
ا اُس کو جنت میں بہت سی حوریں دے بشرطیکہ غیرت بیگم اور ہرالی کی طرح آپس میں نہ لڑیں
ت کا مقام ہے ایک چھوڑ دو دو بیبیاں موجود بیٹا موجود بیٹی موجود بیٹیوں کے نوکر چاکر
ود اور مرتے وقت مُنہ میں پانی ٹپکانے کو مبتلا کے پاس کوئی نہیں کہیں پہر رات
وفادار محنت مزدوری سے فارغ ہو کر آیا اور اُس نے پکارا تو میاں کو مرا ہوا پایا تب
سارے محلے کو خبر ہوئی اور محلے والوں کے ساتھ محل کے لوگوں کو ہرالی کو دیکھا تو وہ
سکی مال اور اسباب سب ندارد گھر میں جھاڑو دی ہوئی پڑی ہے نہیں معلوم ایسا کون لا
س کو بھگا کر لے گیا کہ پھر اُس کا پتہ نہ لگا۔ غیرت بیگم یا تو اس قدر میاں سے بگڑی رہتی
یا میاں کا مرنا سنتے ہی ایسا روئی اتنا پیٹے کہ بس جو بیوی میاں کی عاشقِ زار ہوگی وہ بھی اس
زیادہ کیا روئے پیٹے گی۔ اب اُس کو معلوم ہوا کہ میاں اُس کے ظلم سہنے کیلئے سدا کو میٹھا رہنے
نہ تھا وہ میاں کے مرنے پر اتنا نہیں روتی تھی جتنا اپنے ظلموں پر جنکی تلافی اب کچھ اُس کے اختیار
نہ تھی۔ روتے روتے دونوں آنکھوں میں ناسور پڑ گئے تھے اور جیتی جیسا دل پیاسو تھا کہ
کاش مبتلا کی چھماہی بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ غیرت بیگم اسی رنج میں تمام ہوئی مرتے
وصیت کی کہ مجھ کو قبول کے باپ کی پائینتی دفن کرنا تاکہ اگر جیتے جی میں ان کے پاؤں
لگی تو خیر قبر میں اُنکے پاؤں ہوں اور میرا سر۔ مبتلا کے مرنے پر تاریخیں اور مرثیے تو
لوگوں نے کہے مگر عارف کے مرثیے کے چند بند یاد رہ گئے ہیں وہ یہ ہیں۔

مرثیہ

دنیا عجیب مرحلۂ بے ثبات ہے
ہر ایک ذی حیات کو آخر ممات ہے
یاں امن ایک لحظہ نہ دن ہے نہ رات ہے
جس کو فنا نہیں ہے وہی ایک ذات ہے
بیٹھی ہے موت تاک لگائے کمین میں
لے جائیگی یہ کھینچ کے آخر زمین میں

ایسا مکاں بتاؤ کہ بن کر گرا نہ ہو
پیدا ہوا ہے کوئی بشر جو مرا نہ ہو
ہے کوئی حال جس میں تغیر ذرا نہ ہو
حادث نہ ہو تو مدخلِ چون و چرا نہ ہو
فانی ہر ایک چیز ہے فانی جہان ہے
مقصود اس فنا سے مگر امتحان ہے

اعمالِ نیک ہیں تو مژدے کے ہیں قصور
خدمت کو لونڈیوں کی جگہ دست بستہ حور
ہر طور کا ہے عیش تو ہر طرح کا سرور
یعنی خلاصہ یہ ہے کہ راضی ہوئے حضور
خوشنودیِ خدا ہی عبادت کا دام ہے
جنت بھی اک رضائے الٰہی کا نام ہے

اور ہیں عمل بُرے تو ہوئی عاقبت خراب
ایذائیں طرح طرح کی اقسام کے عذاب
اور سب سے بڑھ کے خالقِ کونین کا عتاب
گر پوچھنے پر آئے تو کیا بن پڑے جواب
حق کو جو ناپسند ہو لعنت ایسے کام پر
مالک ہی خوش نہیں ہے تو لعنت غلام پر

توفیقِ کارِ نیک ہمیں اے کریم دے
دل میں صلاح دے ہمیں طبعِ سلیم دے
شوقِ سلوکِ جادۂ مستقیم دے
ایمان درمیانۂ امید و بیم دے
ہمکو نہیں ہے بحث عذاب و ثواب سے
تیری رضا ملے ہمیں تیری جناب سے

اُٹھ جائے دل کی آنکھ سے اسباب کا حجاب
دنیا دکھائی دینے لگے نقشِ سطحِ آب
ذرّے میں رو نما ہو حقیقت کا آفتاب
لَا رَیْبَ فِیْہِ ہو خبرِ ذٰلِکَ الْکِتَاب

کھل جائے اصل راز حیات و ممات کا
ہو ایک حال ماضی و مستقبلات کا

ل لوثِ حبِ دولتِ دنیا سے پاک ہو
یچ ہو فائدے کا نہ نقصان کا باک ہو
دے وہ غنا کہ آنکھ میں اکسیر خاک ہو
دیں سے شغف ہو دین میں ہی انہماک ہو
فرقِ نیاز فرشِ زمیں پر پڑا ہوا
ہمت کا پاؤں عرشِ بریں پر گڑا ہوا

ِدم خیال موت کا پیشِ نظر رہے
ار و ہمیشہ چاہیے باندھے کمر رہے
جب تک جیے جیے جب اجل آئی مر رہے
دنیا وطن نہیں ہے کہ آ کے بسر رہے
آئے ہیں ہم جہان میں تو جانا ضرور ہے
سارا ہی قافلہ سرِ راہِ مرور ہے

ر بعدِ مرگ کیسی ہے کچھ خبر نہیں
یا ہی ڈھیٹ ہم ہیں کہ اس کا بھی ڈر نہیں
یہ وہ خطر ہے جس سے کسی کو مفر نہیں
عقلِ معاد سے ہمیں بہرہ مگر نہیں
ربّ العباد نعمتِ فکرِ معاد دے
فکرِ معاد دے ہمیں ذکرِ معاد دے

جانب خدا سے ہدایت ہمیں نہیں
الاصل کچھ ضرورت و حاجت ہمیں نہیں
یا سوچنے کو عقل و درایت ہمیں نہیں
پر ہائے غور کرنے کی عادت ہمیں نہیں
ہم دیکھتے نہیں کبھی غائر نگاہ سے
سنتے نہیں ہیں بات کوئی انتباہ سے

لت کرا رہی ہے یہ ساری شرارتیں
ر رہے دلیریاں کل بے جسارتیں
ہموار ہی ہے رہنے کو پکی عمارتیں
دنیا کمائیں دین کی کر کے خسارتیں
غفلت کا کر علاج کہ اصلِ مرض ہے یہ
تیرا ہی کچھ بھلا ہو ہماری غرض ہے یہ

ت نہ ہو تو کینہ و بغض و حسد نہ ہو
ی سے پیٹھ پیچھے کبھی ذکرِ بد نہ ہو
جھگڑا نہ ہو لڑائی نہ ہو رد و کد نہ ہو
انساں مشارکِ صفتِ دام و دد نہ ہو

شیفتگی ۱۲ عہ مصروفیت ۱۲

غفلت سے اس جہاں میں سارا فساد ہے
غفلت کو آؤ مار ہٹائیں جہاد ہے

مخلوق ذی شعور ہے تو ہوشیار رہ
دنیا کا کاروبار کر اور دین دار رہ
مست مستمند زندگی مستعار رہ
امیدوار رحمت پروردگار رہ

کس نے کہا ہے تجھ سے کو دنیا کو چھوڑ بیٹھ
بس ایسی باتیں اپنی طرف سے نہ جوڑ بیٹھ

کیا حال تھا رسول علیہ السلام کا
سر کردہائے امت خیر الانام کا
اصحابؓ کا ائمہؒ عالی مقام کا
سکہ بٹھا گئے جو محمدؐ کے نام کا

ان میں سے ایک بھی کبھی راہب ہوا کوئی
دنیا کو کھو کے دین کا طالب ہوا کوئی

دنیا بھی کچھ ہماری طرح کی نہیں ذلیل
روٹی کی باہزار مشقت ہوئی سبیل
گر سو گھروں میں دیکھو تو ننانوے زبیل
کپڑے کیواسطے وہی ستار ہے کفیل

گرمی کے دن تو خیر کسی ڈھب گزر گئے
جاڑا جو آیا رات کو سکڑے ٹھٹھر گئے

افلاس سے زیادہ جہاں میں نہیں وبال
افلاس کر ہی دیتا ہے انساں کو پائمال
افلاس ہے مقدمۂ قہر ذی الجلال
ڈرپوک پست ہمت و سست و دنی خیال

مفلس کی اس غریب کی دنیا نہیں درست
مشکل کہ اس کے ہاتھ سے ہو کار دیں درست

اور شاذ اگر ہوا کوئی محتاج دل غنی
کئے دن کی زندگی کے لئے اتنی سرزنی
سمجھا کہ یہ جہاں ہے جہان گزشتنی
اس کو نہ دوستی ہے کسی سے نہ دشمنی

ایسا بزرگ شک نہیں اسمیں کہ نیک ہے
پر قوم کو ہوا نہ ہوا دونوں ایک ہے

سوچو تو کچھ بھی نیست کو نسبت ہے ہست سے
تم چاہتے ہو کام بلندی کا پست سے

[illegible]

کیا خیر ہو سکے گی بھلا تنگ دست سے　　کوڑی تو لے اُدھار کوئی فاقہ مست سے
کیا اس سے فیض ہو کہ نہیں آپ جس کے پاس　　دنیا میں جیل سے بھی بلا ہے کسی کو پاس

گر مجھ سے پوچھتا ہے حقیقت میں ہم نشیں　　ایصالِ نفع ہو مرے نزدیک اصل دیں
پر چاہیے ہے اس کے لیئے نقدِ آستیں　　خرمن بیار خواجہ کہ بسیار خوشہ چیں
دیں کے درست کرنے کو دنیا ضرور ہے　　دنیا نہیں تو دعویِ دیں مکر و زُور ہے

اس واسطے جو معشرِ خیر القرون تھے　　اور کُلُّہم عمارتِ دیں کے ستون تھے
امت کو کالنجوم سبھی رہ نمون تھے　　اور مرجعِ ضمیرِ هُمُ الْمُهْتَدُوْن تھے
دنیا میں رہ کے دیں کا برتنا سکھا گئے　　دونوں کے جمع کرنے کا رستا دکھا گئے

راوی سے یوں لکھا ہی جنابِ عمر کا حال　　جن روز دن آپ امیر تھے با ہیبت و جلال
اپنے ہی دستِ خاص سے یا تھا کیئے سفال　　تاریخ میں دکھایئے ایسی کوئی مثال
شاگرد تھے نبی کے پیمبر کے تھے جلیس　　دنیا کو جانتے تھے پریشہ خسیس

بس اُن کا تھا فراغ عبادت کے واسطے　　کی سلطنت فلاحِ رعیت کے واسطے
عزت طلب تھے دین کی عزت کے واسطے　　القصہ جو وہ کرتے تھے امت کے واسطے
اُن کو کسی طرح طمعِ سیم و زر نہ تھی　　ہرگز اُنہیں مفاد پر اپنے نظر نہ تھی

فیضانِ صحبتِ نبوی سے تھے مستفید　　دیکھا انہوں نے نورِ رسالت کو چشمِ دید
پیدا ہوئے سعید جیتے اور مرے شہید　　تھی اُن سے خواستگاریِ دنیا بہت بعید
لیکن یہ انتظامِ الٰہی ہے مہرباں　　چڑھتا ہے بام پر کوئی بے وضعِ نردباں

[illegible]

زاہد تھے اور ملک ستانی کا اہتمام
دنیا میں اُن کی دین تھا کالملح فی الطعام
بدلا اسی سبب سے زمانے کا طور ہے

دیکھو اگر یقین نہ آئے فتوحِ شام
دونوں کا پاس کرتے تھے قصہ ہوا تمام
اسلام جب کا اور تھا اور اب کا اور ہے

دنیا سے اُن کو ہوتی ذرا بھی اگر گریز
کھا جاتے لوگ گھور کے آنکھوں سے تیز تیز
پھر کو ان پوچھتا تھا خدا سے یگانہ کو

اسلام کی تو ہو ہی چکی ہوتی رستخیز
تب دیکھتے زمانے کی کج دار اور مریز
پاتا نہ کوئی زندگی جاودانہ کو

اب بھی جو دیکھتے ہو اُن ہی کا طفیل ہے
اسلام و شرک جوں خس و خاشاک و سیل ہے
مشرک کی کوئی شے نہیں کرتا خدا قبول

کم بیش سب کو جانب توحید میل ہے
اتنا کبھی گر نہ سمجھے تو انسان بسیل ہے
اُس کی دعا قبول نہ کچھ التجا قبول

القصہ اک وہ دین تھا دنیا کا دوست دار
مونس رفیق موجب تسکین غمگسار
وہ کھینچتا تھا بار امیر و فقیر کا

واعظ ادیب ناصح مشفق صلاح کار
ہمدرد دین و دنیا و ہوا خواہ جاں نثار
دنیا میں اُس سے پایا تھا شاہ و وزیر کا

اب ہم نے اپنے دیں کو بنایا چھوئی موئی
پھر قاصر اس قدر نظر نارسا ہوئی
دیں کی عوض تعصب و اوہام رہ گئے

دنیا میں اور دیں میں لگانے لگے دوئی
شمشیر بن گیا جو حقیقت میں تھی سوئی
دیندار اصل مر گئے بدنام رہ گئے

دنیا گئی کہ ہم نہ ہوئے اُس کے خواستگار
مسجد میں وعظ کہتا تھا منبر پہ آشکار

اور کیونکہ ہوتے مولوی جنت کا چوبدار
مفلس بمیر مومن و دست از طلب بدار

[illegible]

دنیا و دیں کے ربط کی رسی کو کاٹ کے — دھوبی کے کتے ہو گئے گھر کے نہ گھاٹ کے

ادبار کا یہی تو ہے سب سے بڑا سبب — دنیا ہیں اور دیں میں عداوت ارے غضب
دنیا بغیر سخت مصیبت ہے روز و شب — لازم ہے دین کا بھی کیا حق ادب
خستہ ہوئے خراب ہوئے ہاٹے بٹ گئے — ان دونوں کی لڑائی میں ہم مفت پٹ گئے

دل بجھ گیا ہے دیکھ کے دنیا کا انقلاب — افسوس کیا تباہ ہوئی قوم انتخاب
دیں کے خدا پرست وہ دنیا کے فتحیاب — آپس میں رحم و لطف عدو کیلئے عذاب
مسجد میں سر بسجدہ پڑے ہیں زمین پر — میدان میں ڈٹے ہوئے گھوڑوں کی زین پر

لوگوں کو گر مناصب دنیا گناہ ہوں — داخل محرمات میں اعزاز و جاہ ہوں
دنیا کی آبرو سے اگر دیں تباہ ہوں — اُن کا تو دیں یہی تھا کہ ہم بادشاہ ہوں
اگلے بزرگ لوگ تھے خاص امتیاز کے — پیشانیوں پر اُن کی تھے گھٹے نماز کے

معمور ہیں خزائن انعام کردگار — بے انتہا و بے حد و بے حصر و بے شمار
وہ چھینتا نہیں ہے کبھی دے کے ایک بار — شایاں اُسے نہیں ہے کہ بندوں کو دے ادھار
دنیا بدل گئی ہمہ نعمت بدل گئی — اس واسطے کہ قوم کی ہمت بدل گئی

افسوس قوم میں عصبیت نہیں رہی — ہم میں کسی طرح کی مروت نہیں رہی
مضبوطی ارادہ و نیت نہیں رہی — جرأت کہاں سے ہو کہ حمیت نہیں رہی
ہم میں ہر اک بشر کے خیالات پست ہیں — پس لاجرم ذلیل ہیں اور تنگدست ہیں

اے قوم یہ تباہی و افلاس جائے شرم — اے قوم یہ تعصب و وسواس جائے شرم

[illegible]

اس درجہ ضعفِ قوتِ احساس جائے شرم
تقصیر فی مقابلۃ الناس جائے شرم

تم اور تمہاری نسل ہو مشغول کھیل میں
اور لوگ چل رہے ہیں ترقی کی ریل میں

کیا خوب کہہ گیا ہے کوئی شخص خوش خیال
لفظ عرب میں نحن رجال و ہم رجال

اب اے عزیزو تم سے ہمارا ہے یہ سوال
کیوں آ گیا ہے قوم کی حالت میں اختلال

اقوامِ روزگار میں ہیٹے ہو کس لیئے
بے وقعتی کی خاک لیے بیٹھے ہو کس لیئے

کثرت سے تم میں صاحب مقدور کیوں نہیں
لوہا تمہارا مانتے جمہور کیوں نہیں

منہ پر تمہارے حسن نہ ہو نور کیوں نہیں
دل قوم کے شگفتہ و مسرور کیوں نہیں

آخر تمہاری قوم پہ یہ کیا وبال ہے
جس شخص پر خیال کرو خستہ حال ہے

جب تک ہماری قوم میں تاج و نگیں رہا
ہم میں کسی کو فکرِ معیشت نہیں رہا

کس کس کا نام لیں کہ جہاں اور جنیں رہا
ہر فرد عافیت سے غنا سے قریں رہا

ہم مالکِ خزائنِ روئے زمیں تھے
اہل زمانہ قاطبتاً خوشہ چیں تھے

یسر و فراغ و دولت و حشمت ہزار حیف
وہ شوکت اور لوازم شوکت ہزار حیف

عزت ہزار حیف حکومت ہزار حیف
صد حیف قابلیتِ نعمت ہزار حیف

گو خوار بعد کو ہُوا اشدُّ العذاب سے
یاد از قبیل لیت یعود الشباب ہے

کیا فائدہ جو تذکرہ ما مضٰے کریں
کیوں یادِ رفتگاں میں ماتم بپا کریں

بے سود اگرچہ تا بہ قیامت بکا کریں
اک امر اختیار سے خارج ہے کیا کریں

[illegible]

فرہاد وار درصددِ جوئے شیر کیا | اب جا چکا ہے سانپ تو پیٹیں لکیر کیا

پھر بھی ہے ایک وجہِ تسلی بہت بڑی | قسمت ہمارے ملک کی اچھوں سے جا لڑی

جن کو فلاحِ خلق ہے منظور ہر گھڑی | لیکن یہ مشکل ایک بڑی سخت آ پڑی

نا واجب اڑ کے بیٹھے ہیں ہم اپنی بات پر | پیاسے تڑپ رہے ہیں کنارِ فرات پر

دروازہ کون سا ہے جو ہم پر کھلا نہیں | نا ممکن الحصول کوئی مدعا نہیں

مذہب کا قوم و ملک کا یاں تفرقہ نہیں | آزادی اس قدر ہے کہ کچھ انتہا نہیں

بے جو سے بوئے آپ اُگے گا اناج کیا | ہم ہی اگر نہ چاہیں تو اس کا علاج کیا

اس ضدِ احمقانہ کو للہ کم کرو | جانوں پہ اپنی بہرِ ندامت ستم کرو

چاہو ہمیں برا کہو یا متہم کرو | پر روٹیوں کا فکر تو بہرِ شکم کرو

ہم دیکھتے ہیں قوم کی حالت تباہ ہے | بیمار کو دوا نہ بتائیں [illegible]

پھر بھی تم ہی تم ہو اگر دل پہ ٹھان لو | وہ وقت اب نہیں ہے کہ سیف و سنان لو

ہر علم عالم پہ مدار اسے خوب جان لو | اتنی سی ایک بات ہماری بھی مان لو

رکھتی ہے اپنا وقت مناسب ہر ایک شے | تسویف [illegible] تا بکے

جاگو کہ شرط باندھ کے مُردوں سے سو چکے | خارِ قنوط[2] راہِ ہمت میں بو چکے

جو کچھ تمہیں خدا نے دیا تھا سو کھو چکے | سن لینا ایک دن کہ مسلمان ہو چکے

قسمت میں قوم کی ہے لکھی صبح و شام موت | بے غیرتی کے جینے سے بہتر ہزار موت

دنیا میں جس قدر ہیں ذریعے معاش کے | ان میں ہمارا حصہ [illegible] کے

بودے ہیں جستجو کے طلب کے تلاش کے | ناں مبتلا کی وضع سے اُس کی قماش کے

[1] یہ ایک مشہور قصہ ہے کہ فرہاد اپنی معشوقہ شیریں کی فرمائش سے پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر لانے کی فکر میں تھا ۱۲ [2] قنوط بضم ناامیدی ۱۲

گر چاہیئے تو لاکھ میں نو سے ہزار ہیں
طوطی چمن میں ایک ہے کوّے ہزار ہیں

عبرت کی داستان ہے احوالِ مبتلا
آنکھوں کے آگے پھرتی ہے تمثالِ مبتلا
اللہ رے جمالِ خد[1] و خالِ مبتلا
اور عنفوانِ عمر سن و سالِ مبتلا
جس وقت وہ شرابِ جوانی سے چور تھا
بے شک شبہ روکشِ غلمان و حور تھا

لیکن وہ حالت ایسی سریع الزوال تھی
بس دیکھتے ہی دیکھتے خواب و خیال تھی
وہ زلف جو کبھی دلِ عاشق کا جال تھی
خود دوش مبتلا پہ بلا تھی وبال تھی
دیکھا تو آخرش خورشِ کرمِ گور تھا
جس کے جمال و حسن کا عالم میں شور تھا

وہ مبتلا جو ناز و نعم میں پلے کبھی
سانچے میں ہاتھ پاؤں تھے جیسے ڈھلے کبھی
خنجر چلیں گر ایک قدم بھی چلے کبھی
تیغِ ادا سے کٹتے تھے جس کے گلے کبھی
بس جنتری میں قبر کی سب بل نکل گئے
رکھتے کے ساتھ لحد کے سانچے میں ڈھل گئے

آفت ہے موت خاصۃً مبتلا کی موت
تکلیف و درد و محنت و رنج و عنا کی موت
قہرِ الٰہی و غضبِ کبریا کی موت
دشمن کو بھی نصیب ہو اس بلا کی موت
انجامِ کار جو تری مرضی ہو کیجیو
پر ایسی موت بارِ خدایا نہ دیجیو

تھی اُس پہ ابتدا سے مسلط بلائے حسن
طفلی میں تھا وہ آئینہ رونمائے حسن
مضمر ہر ایک وضع میں اُس کی ادائے حسن
اک عالم اس کا شیفتہ و مبتلائے حسن
اول سے شوقِ حسن جو خاطر نشاں ہوا
خواہانِ روئے خوب ہوا جب جواں ہوا

شامت جو اس کی آئی کیا دوسرا نکاح
سمجھا کہ چار شرعِ پیمبر میں ہیں مباح
آئی مگر نظر نہ کبھی صورتِ فلاح
کیا ہی بری رائے تھی اور کیسی بد صلاح

[1] خد عربی میں رخسارے کو کہتے ہیں شاہد خط و خال غلط العام ہے ۱۲

فرصت دی پھر اس کو نزاع وجدال نے
سب کچھ حرام کر دیا اس کی حلال نے

امن و فراغ و عافیت و راحت و قرار
نام و نمود و عزت و توقیر و اعتبار
حسن معاشرت کہ تمدن کا ہے مدار
اور جس سے بے نیاز نہیں کوئی خانہ دار
تنبیہ حال کے فقر ہوا گھر میں جاگزیں
جس چیز کو مکان میں پوچھو نہیں نہیں

جب مبتلا پر آ ہی گیا وقت احتضار
منہ میں چوانے پانی لگی چشم اشکبار
یٰسین پڑھ رہی تھی کھڑی پاس غمگسار
اور دونوں آنکھیں ضعف سے دیں ڈھانک ایک بار
یوں بے کسانہ ماں جوانی میں جان دے
جنت میں اس کو بار الٰہا مکان دے

جو لوگ ہیں سعادت عظمیٰ سے بہرہ مند
کرتے ہیں بات بات سے وہ اکتساب پند
پرواز کو خیال کے رکھو ذرا بلند
مت ہو لذائذ حیوانی کے پابند
میری سنو اگر نہیں سچ قبول کر
دو بیبیاں نہ کیجیو زنہار بھول کر

تمت

فرہنگِ محصنات

اپاہج - معذور -
آپے سے باہر ہونا - بے خود ہو جانا
آتا پتا - نشان -
اُتو کرنا - اُدھیڑ دینا اصل میں اُتو اُس نقش و نگار کو کہتے ہیں جو کپڑے پر بنایا جاتا ہے
اٹل - سیر -
اٹم - ڈھیر -
اُچاپت - اُدھار - قرض -
اُداس - غمگین -
اُدبدا کر - بے اختیارانہ -
اُدھر - معلق - لٹکا ہوا -
ادوان - وہ رسی جو چارپائی کی پائینتی چارپائی کھینچی رہنے کو لگائی جاتی ہے -
اُدھیڑ بُن - فکر -
اڑنگا - جھگڑا - اٹکاؤ -
اڑی پر آڑے آنا - مصیبت کے وقت کام آنا
اضعافاً مضاعفہ - چند در چند
اکارت - ضائع -

اُکتانا - گھبرانا - بیزار ہونا -
اُلاہنا - طعنہ
آلکسی - سستی -
اکلوتا - صرف ایک ہی -
اچپور کر دینا - سکھلا دینا -
امرد - بے ڈاڑھی مونچھ کا لڑکا -
اُمڈا ہوا - بھرا ہوا - گھرا ہوا -
اُمنگ - ولولہ - شوق -
انابت - اللہ کی طرف رجوع کرنا
اناپ شناپ - فضول اور مہمل - بے تمیزی سے -
انٹوانٹی کھٹوانٹی - جب کوئی شخص رنجیدہ ہو کر الگ جا کر پڑ رہتا ہے تو اُسے کہتے ہیں کہ انٹوانٹی کھٹوانٹی لیکر پڑا ہے
انوکھا اور نرالا - عجیب و غریب
اَن ہونی - ناممکن -
اودھم - دنگا - غل غپاڑا -
اوراد - وظائف -
اہلیت - قابلیت -

ایک بر - ایک عرض -
ایف - اے اور ایم - اے
یہ دو درجے انگریزی امتحان کے ہیں

ب

بانٹیہ دار - حصہ دار -
بانجھ - جس عورت کے بچہ نہ ہوتا ہو
بُتّے دینا - مغالطہ دینا -
بٹا لگنا - عیب لگنا -
بدھیاں - لکڑی یا چھڑی کی مار سے جو نشان پڑ جاتے ہیں -
برتا - بھروسا -
برتن بھانڈا - برتن وغیرہ
بساندی - گوشت یا انڈے میں جو بو ہوتی ہے -
بطلیموس - ایک مشہور حکیم کا نام ہے
بغارے - بڑے بڑے سوراخ -
بکھرنا - ضد کرنا - اڑ جانا -
بل - زور -
بلکنا - بے تاب ہو کر رونا -
بگٹٹ - بے تحاشا بھاگنا -

بوچھاڑ۔ اصل میں پانی کے چھینٹوں کو کہتے ہیں یہاں گالیوں کی بوچھاڑ سے مراد مسلسل گالیاں ہے۔

بھاری بھرکم۔ باوقار۔

بھاگ۔ خوش قسمتی۔

بھرم بنا رکھنا۔ لوگوں کی نظروں میں معزز بنا رہنا۔

بھڑاس۔ غصہ جو دل میں بھرا ہوا ہو۔

بھلمنساہت۔ شرافت۔

بھنانا۔ چکرانا۔

بھونرے میں پلنا۔ اگلے زمانے میں بادشاہوں کے بچے بڑے ناز و نعم سے پلا کرتے تھے اور تمازت آفتاب اور تغیرات موسم سے بچانے کیواسطے تہ خانوں وغیرہ میں رکھے جاتے تھے پس جو شخص لاڈ سے پالا جاتا ہو اُس کو کہتے ہیں کہ بھونرے میں پلا ہے۔

بیجا۔ بچوں کے ڈرانے کے لئے ایک ہیبتناک صورت بنا دیتے ہیں اُسے بیجا یا اللہ کا فضل یا ہوا کہتے ہیں۔

بے رُت۔ بے موسم۔ بے فصل

بیرسٹر۔ اعلٰے درجہ کا وکیل۔

بیڑا پار ہونا۔ مطلب حاصل ہونا خاطر خواہ کام ہو جانا۔

پ

پتیانا۔ اعتبار کرنا۔

پٹی ڈالنا۔ اندھا کر دینا۔ آنکھیں بند کر دینا۔

پٹنا۔ جھگڑا۔ تم کو اسی کا پٹنا پڑا رہتا ہے یعنی ہر وقت اسی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔

پٹی پڑھانا۔ سکھانا۔

پختی ہونا۔ جم جانا۔ مضبوط بیٹھ جانا

پرتا۔ اوسط۔

پرتل۔ لدو ٹٹو۔

پرچونیے۔ چھوٹے کم حیثیت بنیے جو متفرق سامان فروخت کرتے ہیں

پرنسپل۔ مدرسہ میں سب سے بڑا استاد

پروان چڑھانا۔ پھولنا پھلنا۔ جوان ہونا۔

پلے باندھنا۔ حوالے کرنا۔ سپرد کرنا

پلے پر ہونا۔ حمایت لینا۔

پنڈ۔ پیچھا۔

پوُن بیٹھانا۔ جادو کرنا۔ پون ایک خاص قسم کا جادو ہوتا ہے

پھٹے منہ۔ زجر و توبیخ کا لفظ ہے

پھٹکا نہ کھائی یعنی فوراً مر جائے

پھٹکار۔ لعنت۔

پھٹیل۔ متفرق۔

پھپولا۔ آبلہ۔

پھڑکنا۔ بے قرار ہونا۔

پھوہڑپن۔ بے سلیقگی۔

پیڑھی۔ چھوٹی چارپائی بشکل چوکی کے۔

ت

تابڑ توڑ۔ لگاتار۔ متواتر۔

تاڑنا۔ سمجھ جانا۔ پہچاننا۔

تخلص۔ شاعر جو اپنا نام آپ رکھ لیتے ہیں۔

تخمہ۔ بدہضمی۔ ہیضہ۔

تکا چلانا۔ اٹکل پچو تیر چلانا۔

تکلا۔ چرخے میں کاتنے کا سوا۔

توڑا۔ کمی۔

تھپنا۔ ذمے لگ جانا۔ ثابت ہونا

تھڑی تھڑی فضیحت بدنامی

تھڑی کا فضیحتہ۔ لعن طعن۔

تھپ تھاپ بنا۔ رفع دفع کرنا

دبا یا مٹا دینا۔
ٹھونی۔ لکڑی کا کھم جو کہ چھت کے سنبھالنے کو لگایا جاتا ہے۔
ٹھپی۔ روٹیوں کا ڈھیر۔

ٹ

ٹَیس جمانا۔ تقریر کرد یا کیکو کسی جگہ دبا دینا لگا
ٹکٹکی۔ کسی چیز کو جمی ہوئی نظر سے دیکھنا
ٹنٹا۔ جھگڑا۔
ٹولی۔ گروہ۔
ٹوہ۔ سراغ۔ تلاش۔
ٹھاٹھ۔ شان۔ بناؤ۔
ٹھلا۔ مضبوط۔
ٹھوس۔ ضد خول۔ پُر۔
ٹیں ہو جانا۔ مرجانے سے مراد ہے

ج

جبّو۔ زبان۔ تصغیر ہی یعنی چھوٹی جیبی
جتھا۔ گروہ۔
جنرل۔ سردار۔
جوکھوں۔ اندیشہ نقصان
جھولا۔ (لوادِ مجھول) ڈھیلا۔
جھٹ پٹ۔ فوراً۔ جلدی۔
جھڑا۔ یکساں مسلسل۔
جھکڑ۔ ایک بات کے پیچھے پڑ جانا۔

جھلنگا۔ ڈھیلی ٹوٹی ہوئی چارپائی
جھیلنا۔ برداشت کرنا۔

چ

چپا۔ ذرا سی جانے۔
چچوڑنا۔ چوسنا۔
چکتّہ۔ تنہ سے کاٹنے کا داغ یا نشان۔
چکٹ۔ بہت میلا۔
چکوتا۔ تصفیہ۔
چگی ڈاڑھی۔ وہ ڈاڑھی جو صرف ٹھوڑی پر ہو۔
چُلّو۔ چلو بھر پانی سے مراد تھوڑا سا پانی ہے۔
چمچڑ۔ لیچڑ۔ جم جانے والا
چمکار پچکار۔ لاڈ پیار
چوتھی۔ شادی کے دوسرے دن مستورات آپس میں ترکاریاں کھیلتی ہیں اس رسم کو چوتھی کہتے ہیں
چھپٹیاں۔ لکڑیوں کا چورا چھوٹی چھوٹی لکڑیاں۔
چھٹکارا۔ نجات۔
چھچھوری۔ خفیف الحرکات
چھٹکا۔ جل کر جو داغ پڑ جاتا ہے

چیں چپڑ۔ فضول بکواس

خ

خالصے لگنا۔ برباد کر دینا۔ لٹا دینا۔

د

دو ٹوک۔ قطعی۔
دو جان یا جی سے ہونا یعنی حاملہ ہونا۔
دوہتڑ۔ دونوں ہاتھوں سے مارنا
دھت۔ عادت۔ لت۔
دھتکار۔ ڈانٹ۔
دھڑکن۔ اختلاج۔
دھسک۔ کسک کسر۔
دھما چوکڑی۔ غل۔ شور۔ دھوم
دھیان۔ خیال۔

ڈ

ڈاڑھیں مار کر رونا با آواز بلند رونا۔
ڈگڈگا کر پینا۔ بے تاب ہو کر پینا۔ کھینچ کر پینا۔
ڈگری۔ درجہ مراد سند سے ہے
ڈگمگانا۔ لغزش کرنا۔
ڈنر۔ انگریزی کھانا۔

ڈھارس۔ امید۔ توقع۔
ڈھانا۔ گرانا۔
ڈھرّا۔ راستہ۔
ڈھئی دینا۔ بوجھ ڈالنا۔
ڈیل۔ جسم۔

ر

ربڑ۔ ربر۔
رٹنا۔ ایک دم پڑھے جانا۔
رجسٹر۔ کتاب۔
رضاعی۔ دودھ کی۔
رکھانت۔ محفوظ رکھی ہوئی۔
رگیولیٹر۔ اصل معنی انتظام کرنیوالا۔ گھڑی میں وہ پرزہ جو گھڑی کی رفتار کو درست کرتا ہے۔
رُوڈ۔ مستطیل روٹی کے ٹکڑے۔
رونکھی۔ روتی ہوئی۔
ریجھنا۔ فریفتہ ہونا۔
ریس۔ حرص۔
ریں ریں کرنا۔ مری ہوئی آواز سے پڑھنا۔
ریزگی۔ پرانے گوٹے کے ٹکڑے

س

سالم۔ پوری۔

سُبکیاں۔ رونے کے بعد جو دیر تک ایک قسم کی ہچکی لگی رہتی ہے
ستھری۔ پاک صاف۔
سٹی بھولنا۔ ہوش گم ہو جانا
سج دھج۔ طرز و انداز۔
سحاب۔ ابر۔
سُدھارنا۔ بنانا۔ سنوارنا۔
سراب۔ چمکتا ہوا ریت جو دور سے بہتا ہوا دریا دکھائی دے۔
سرٹیفکیٹ۔ سند۔
سرشار۔ لب ریز۔
سفیہ۔ احمق۔
سکالرشپ۔ وظیفہ
سلوٹ۔ شکن۔
سَمِّ قاتل۔ زہر ہلاہل
سموچا۔ ثابت۔
سناٹا۔ چپ چاپ۔ سکوت۔
سوانا۔ سرحد۔
سوبھا۔ رونق۔
سوپرنٹنڈنٹ۔ پولیس کا افسر
سوڈا اور ایسڈ۔ یہ دو دوائیں انگریزی ہیں جن کے ملنے سے ابال آتا ہے۔

سڈول۔ خوش وضع۔
سہم جانا۔ خوف زدہ ہو جانا۔
سیرا۔ سرہانے کی پٹی چارپائی کی۔

ش

شغف۔ عشق۔

ع

عبودیت۔ بندگی۔

ف

فطری۔ خلقی۔
فیثاغورس۔ ایک مشہور حکیم کا نام ہے۔
فیل کرنا۔ مکر کرنا۔ حیلہ کرنا۔

ک

کارن۔ سبب۔ باعث۔
کاڑھا۔ یعنی کڑاہی میں ایک قسم کی جو دوا پلائی جاتی ہے اسے کاڑھا کہتے ہیں۔
کرکری۔ خفیف ہونا۔
کریدنا۔ پرچوں کرنا۔
کڑاکے کی سردی۔ شدت کی سردی
کڑھنا۔ رنج کرنا۔
کسک۔ کسر۔
کفران۔ ناشکری۔
کالنگ کا ٹیکا۔ کلنگ یعنی سیاہی

یعنی بدنامی کا ٹیکا۔
کن انکھیوں سے دیکھنا۔ ترچھی نگاہوں سے دیکھنا۔
کنونڈا۔ دبیل۔ دبی ہوئی۔
کنّی دبنا۔ مرعوب ہونا۔
کنّی کاٹنا۔ راستہ بچانا۔
کوتک۔ خراب عادت۔
کوڑیوں بیسیوں کھانچا۔ کونا
کہاوت۔ مثل۔
کھرچن۔ کھانے کا وہ جزو جو پتیلی میں لگ جاتا ہے۔
کھسیانی۔ زرد نکھی۔
کھل کھیلنا۔ آزاد ہو جانا

گ

گت۔ حالت۔
گجی مار۔ اندرونی مار۔
گل چھرے اڑانا۔ مزے اڑانا
گنڈے دار۔ غیر مسلسل۔
گونتھنا۔ خراب سینا۔
گھات۔ تاک۔
گھٹنا۔ اونچا پاجامہ جو گھٹنوں سے اوپر ہو
گھرکنا۔ خفا ہونا۔ ڈانٹنا۔
گھگی بندھنا۔ خوف سے آواز کا بیٹھ جانا
گیڑیاں۔ عوام کے بچے لکڑیوں سے ایک قسم کا کھیل کھیلتے ہیں اسے گیڑیاں کھیلنا کہتے ہیں۔

ل

لاج۔ شرم۔ لایعقل۔ بے عقل
لت۔ خراب عادت۔ لتاڑنا۔ ڈانٹنا
لتھیڑنا۔ لپیٹ دینا۔
لٹو ہونا۔ فریفتہ ہونا۔
لچھن۔ آثار۔ علامت۔
لشتم پشتم۔ جس طرح ہو سکے برا یا بھلا
للو پتو۔ خوشامد۔
لیتڑے۔ پرانی جوتیاں۔

م

ماتھا ٹھنکنا۔ اندیشہ ہونا۔
متداول۔ مشہور۔
مٹک چٹک۔ مٹکنا بننا۔
مجسٹریٹ۔ حاکم عدالت
مدھم۔ ماند۔ مزامیر۔ باجے
مچان۔ کوٹھری میں تختہ لگا کر کوئی چیز رکھنے کے واسطے بنا لیتے ہیں اسے مچان کہتے ہیں۔
مسا کر۔ مشکل سے۔
مساہلہ۔ سہج سبھاؤ۔
مساعدت۔ مدد
مشق و تمرین۔ دونوں ہم معنی ہیں
مضغہ۔ لوتھڑا۔
مگا۔ گھونسا۔
مگرا۔ خاٹا ٹرا۔
ملاگیری۔ ایک قسم کا خوشبودار رنگ ہے
ملتبس۔ مشابہ یکساں۔
ملونی۔ آمیزش
ملیامیٹ۔ نیست و نابود۔
منافست۔ حسد
منہمک۔ ڈوبا ہوا
موکھا۔ سوراخ
موسنا۔ مروڑنا۔
منیا۔ تصغیر ہے اماں کو کہتے ہیں۔

ن

نبھنا۔ گزرنا
نڈھال۔ بدحال
مضمحل۔
نستو پانی۔ بالکل پانی
نقش فی الحجر۔ پتھر کی لکیر
نکتوڑا۔ نخرہ۔
نکڑ۔ گلی کا کونا۔
نکو بننا۔ بدنام ہونا
نگھوڑے کا ریلے مصرف
نگوڑا۔ بے چارہ
نگھری۔ ندری۔

ہ

ہتھکنڈے چالاکیاں۔
ہٹیلا۔ ضدی۔
ہڈدڑا۔ برا حال
ہردا۔ ہیاو دل کھل جانا مراد ہے
ہکا بکا۔ متحیر ہو
ہوا۔ ڈر کی چیز
ہول۔ گھبراہٹ۔
ہولے سے۔ آہستہ سے
ہیٹا پن۔ کم ہمتی

ی

یونیورسٹی۔ دار العلوم

کتب مصنفہ جناب حکمت مآب فیض انتساب ارسطوئے حکمت افلاطون بقراط آوان جناب حکیم محمد اعظم خانصاحب مرحوم المخاطب بناظم جہاں

رموز اعظم فارسی } ہر دو جلد کامل یہ لاثانی اور بے نظیر فن طب کا مجموعہ دو جلدوں میں تقطیع نہایت ۲۰×۲۶ کلاں کاغذ سفید خاتی جلد اول میں امراض سر سے لیکر معدہ تک اور جلد دوم کبد سے پا تک اور ان کے لیئے استعمال ادویہ کا طریقہ اور ہر مرض کی تشخیص معالجہ کا بیان کیا گیا ہے اور کے آخر میں عجیب غریب حکایات درج ہیں جس سے ہر شخص بلا مدد استاد بخوبی ہر ایک مرض کا علاج کرسکتا ہے اس فن میں آجتک اس کا ثانی نہیں ہوا جسوقت شائقین ملاحظہ فرمائیں گے فوراً معلوم ہو جائیگا کہ جو بات اکسیر قرابادین اعظم وغیرہ چند کتب کے دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے وہ اس تنہا سے پیدا ہے قیمت صرف ۶

رکن اعظم فارسی } یہ رسالہ بحث بحران میں بے نظیر ہے قیمت ۶ ر

اکسیر اعظم فارسی } ہر چہار جلد کامل قیمت عـ

نیر اعظم فارسی } اس کتاب میں نبض متعلق کل حالات د[illegible] گیئے ہیں۔ قیمت . . . .

محیط اعظم فارسی } ہر چہار جلد۔ یہ کتاب طبیبوں وعطاروں کے لیئے ایک حکیم کامل ہے نام دواؤں کے ہندی۔ انگریزی۔ یونانی وغیرہ مع تشریح یعنے ان کے خواص ماہیت و مزاج و بدل و مضر وغیرہ کو سوائے مخزن الادویہ و تحفۃ المومنین کے ۲۰ کتب معتبرہ حکما و متاخرین اور اقوال اطبا ء حاذقین سے انتخاب کر کے تالیف فرمایا جو ایک نظر دیکھنے سے واضح ہوتا ہے فلاں جگہ پیدا ہوتی ہے اور اس کا رنگ اور ذائقہ ایسا ہوتا ہے غرضکہ یہ کتاب جامع اور مستند ہے

قرابادین اعظم و اکمل } فارسی جناب حکیم صاحب مرحوم کی آخری یادگار جس میں آپ نے نبیرہ حکیم محمد اکمل خاں سے اپنا مطب بھی درج کرایا ہے۔ یہ کتاب دہلی میں چھپی اور قدردانی شائقین سے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔ حسن کتابت۔ چھپائی کی صفائی کی عمدگی تقطیع کتاب کی خوشنمائی میں اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ قیمت تین روپئے آٹھ آنے . . . . . .

قرابادین اعظم اردو } یہ کتاب فارسی میں حکیم محمد اعظم خاں صاحب کی تصنیف سے ہے عام رسائی کی غرض سے حکیم محمد حسن خاں صاحب حاذق میرٹھی نے ترجمہ اور خود چھپوا کر شائع کیا تھا کثرت شوق خریداران کا روز بروز ترقی پانا دیکھکر میں نے حق دوامی حاصل کر کے احتیاط کے ساتھ کاغذ سفید و خاتی پر بنظر رفاہ عام چھاپ کر ہدیۂ ناظرین کیا۔ تاکہ اردو خواں بھی فائدہ کریں اور قیمت صرف دو روپیے ۲

المشتہر

محمد نذیر حسین تاجر کتب بازار دریبہ کلاں دہلی